فہرست مضامین روحِ رمضان

عنوانات	صفحہ
ی حقیقت	۷
افکار کے بغیر تزکیہ عمل غلط ہے	۱۱
عمل مومن	۱۳
ی عبادات میں نماز	۱۶
زے کی فرضیت	۱۹
یت فرض	۲۰
لیے رکوع کا نفسیاتی	
تحقیقی تجزیہ	۲۳
ہماری پر روزوں کی فرضیت	۲۴
آدم علیہ السلام کے زمانے میں	۲۵
ی علیہ السلام اور چالیس	״
ن کے روزے	
وم داؤدی	۲۷
یبل میں روزوں کا ذکر	״
روزوں کا فائدہ اور مقصد	۲۹
لفطرتا روزہ	۳۰
تقویٰ کی حقیقت	״
تقویٰ کی لغوی تحقیق	۳۱
روزے سے تقویٰ کا	۳۳
حصول کیسے	
روزے کی تعریف فقہ کی نگاہ میں	۳۴
روزہ داروں کے درجات	
م غزالی کی نگاہ میں	۳۶
شتی میں روزہ کا مقام	۳۸
تراویح	
ار رمضان ، بریہ	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲۲	شب قدر	۴۰
۲۳	شب قدر، نزول ملائکہ اور آخری عشرے میں روزہ دار کا روحانی عروج	۴۱
۲۴	تقویٰ اور متقین کا صلہ	۴۳
۲۵	یہ انعام کیوں	۴۴
۲۶	روزوں کی قضا بیمار اور مسافر پر	״
۲۷	روزے کی طاقت کے باوجود ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم بدل چکا ہے	۴۶
۲۸	حرمت شراب	۴۷
۲۹	طاقت کے باوجود فدیہ کافی نہیں	۵۳
۳۰	علامہ جریر طبری اور روزوں کی فرضیت	۵۸
۳۱	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۵۹
۳۲	کیا یہ تحقیق درست نہ ہوگی	۶۱
۳۳	روزے کے اسرار اور اس کا فلسفہ	
۳۴	عظیم الشان قربانی	۶۵
۳۵	توفیق شکر	۶۷
۳۶	مسکینوں پر رحمت	۶۸
۳۷	مساوات	۶۹
۳۸	اصلاح معاشرہ	۷۰
۳۹	صبر و تحمل	״
۴۰	ترک یاداشت	۷۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۱	شمسی و قمری حساب	۷۳
۴۲	بارہ مہینوں کا وجود قرآن کی تاریخی روشنی میں	۷۴
۴۳	عربوں میں چاند کا حساب	۷۵
۴۴	شمس و قمر آیات الٰہی ہیں	۷۸
۴۵	حفاظت تاریخہائے قمری	۸۰
۴۶	رویت ہلال	۸۳
۴۷	رویت ہلال کو معیار روزہ قرار دینے کی حکمت	۸۴
۴۸	علم نجوم معیار ہلال نہیں	״
۴۹	ہلال کے حجم پر قیاس آرائی	۸۷
۵۰	رویت ہلال کے مسئلے کی تنقیح	״
۵۱	رویت کے بعض دیگر مسائل	۸۸
۵۲	جماعت کثیر کا مطلب	۹۱
۵۳	یوم شک میں رمضان کا روزہ	۹۲
۵۴	یوم شک کی تعریف	۹۳
۵۵	یوم شک میں نفل روزے کا حکم	״
۵۶	زوال تک انتظار	۹۴
۵۷	چاند ہونے کی افواہ	۹۵
۵۸	چاند بڑا ہے	۹۶
۵۹	فیصلہ رویت ہلال	۹۷
۶۰	موجودہ دور کے تقاضے	۱۰۱
۶۱	علم نجوم کے مطابق ہلال کا تعیین اور مولانا عبدالحی لکھنوی کا تبصرہ	۱۰۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات
۶۲	شہادت خطوط یا تار برقی	۱۰۹	۸۶	فضائل رمضان و صیام	۱۴۷	۱۱۱	خون بہنے کی رقم
۶۳	شبہات و جوابات	۱۱۰	۸۷	رمضان میں قرآن کا نزول	۱۴۸	۱۱۲	حالت احرام میں بوجہ زخم یا ضرورت
۶۴	نجومیوں اور ہیئت والوں کے قول	۱۱۲	۸۸	فضائل صیام	۱۵۸		سر منڈوانے کا کفارہ تین روزے
	پر حضرت مولانا اشرف علی کا فتویٰ	[illegible]	۸۹	روزہ دار کے منہ کی بدبو مشک سے بہتر ہے	〃	۱۱۳	حج کی قربانی میسر آنے کی صورت
۶۵	علامہ شبیر احمد عثمانی کی نجوم کے		۹۰	فضیلت صیام پر عام گفتگو	۱۶۶		میں دس دن کے روزوں کا کفارہ
	بارے میں تحقیقات	۱۱۶	۹۱	روزے کی تصویری	۱۶۷	۱۱۴	کفارہ ظہار کے روزے
۶۶	حرف آخر	۱۲۰	۹۲	روزہ مولانا روم کی نظر میں	۱۶۸	۱۱۵	روزہ رمضان بغیر عذر توڑ دینا کا کفارہ
۶۷	سائنس کے زمانے سے استفادہ	۱۲۱	۹۳	کچھ روزہ خوروں اور کچھ	۱۷۰	۱۱۶	واجب روزے
۶۸	دوربینوں کے ذریعہ رویت ہلال	۱۲۲		پرہیزگار روزہ داروں کیلئے		۱۱۷	منت کے واجب روزے
۶۹	دریا یا پانی میں رویت ہلال	۱۲۳	۹۴	رمضان میں بیباکانہ خورد و نوش	۱۷۲	۱۱۸	نفل روزہ توڑ دینے سے واجب ہو جاتا ہے
۷۰	آئینہ میں رویت ہلال	〃	۹۵	روزہ خوروں کی مختلف قسمیں	۱۷۴	۱۱۹	نفل روزے اور انکے فضائل
۷۱	تار یا خطوط کے ذریعہ چاند کی خبر	۱۲۴	۹۶	احترام صیام	۱۷۸	۱۲۰	سنت و نفل روزوں کی تفصیل
۷۲	آخری اصول	۱۲۵	۹۷	بے احتیاط روزہ دار	۱۷۹	۱۲۱	روزہ عاشورہ ۱۰ محرم
۷۳	مسئلہ شہادت	۱۲۹	۹۸	صوم کی لغوی و اصطلاحی تحقیق	۱۸۱	۱۲۲	ایام بیض کے روزے
۷۴	شہادت بنیادی چیز ہے	〃	۹۹	اسکی فرضیت تاریخ کی روشنی میں	〃	۱۲۳	یوم عرفہ کا روزہ
۷۵	شاہد کا عادل اور نیک ہونا	۱۳۰	۱۰۰	صوم کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۸۲	۱۲۴	شوال کے چھ روزے
۷۶	گواہ کیسا ہونا چاہیئے	۱۳۱	۱۰۱	روزے کے اوقات کی حد بندی	۱۸۳	۱۲۵	رمضان اور شوال کے چھ روزے
۷۷	فاسق کی تعریف	〃	۱۰۲	روزہ کن پر فرض ہے	〃		سال کی برابر کس طرح
۷۸	مستور الحال کی گواہی	۱۳۲	۱۰۳	بچوں کو روزوں کی عادت	۱۸۴	۱۲۶	شعبان کے روزے
۷۹	فیصلہ شہادت	۱۳۳	۱۰۴	لفظ رمضان کی تحقیق	۱۸۵	۱۲۷	روزۂ نصف شعبان
۸۰	روزے اور عید کے واجب	۱۳۴		رمضان اللہ کے ناموں میں سے ہے	۱۸۷	۱۲۸	پیر اور جمعرات کا روزہ سنت ہے
	ہونے کے طریقے اور ذرائع		۱۰۵	روزے کی قسمیں	۱۸۸	۱۲۹	پیر کے دن حضور کی ولادت
۸۱	شہادت [illegible] پر شہادت	۱۳۵	۱۰۶	فرض و واجب، نفل روزے فرض روزے	۱۹۰		اور نزول قرآن
۸۲	حکم حاکم پر شہادت	〃	۱۰۷	قضا روزے بھی فرض ہیں	۱۹۱	۱۳۰	پیر، منگل، بدھ اور جمعرات
۸۳	شہادت کس کو دینا چاہیئے	〃	۱۰۸	کفارے کے فرض روزے	〃		کے روزے
۸۴	رمضان اور شوال کے چاند کا دن میں دیکھنا	۱۳۷	۱۰۹	کفارۂ قسم میں روزے	۱۹۲	۱۳۱	جمعہ کا روزہ
۸۵	چاند کے مسئلوں کا اختلاف	۱۳۸	۱۱۰	قتل مسلم میں روزوں کا کفارہ			

عنوانات	صفحہ	نمبرشمار	عنوانات	صفحہ	نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
جمعرات، جمعہ اور ہفتے کا روزہ		۱۵۴	کچھ حفاظ کے متعلق	۲۶۶		رات سے یا زوال سے	
رکھنا دو سال کی عبادت کے برابر ہے		۱۵۵	فضیلت حفظ قرآن و	″		پہلے نیت	
چالیس دن کے مسلسل	۲۲۲		حامل قرآن		۱۷۵	کفارے، قضائے رمضان، نفل	۲۸۹
روزوں کی فضیلت		۱۵۶	قاری قرآن اور عالم باعمل			روزے اور نذر غیر معین کے	
صیام دہری	″		کی فضیلت	۲۶۸		روزوں کی نیت رات کے وقت	
صیام داؤدی	۲۲۶	۱۵۷	آفات حفاظ	۲۶۹	۱۷۶	روزہ کشائی یا افطار	۲۹۳
روزوں کے بارے میں بعض	۲۲۷	۱۵۸	حفاظ کی معاصرانہ چشمک	۲۷۰	۱۷۷	افطار کی لغوی حقیقت	″
انبیاء علیہم السلام کی سنت	—		مسامح	۲۷۱	۱۷۸	افطار میں تعجیل	″
تسکین شہوت کیلئے روزہ	۲۲۹	۱۵۹	الم ترکیب سے تراویح	″	۱۷۹	افطار میں تعجیل کا فلسفہ	۲۹۴
خلاصہ اقسام صوم	۲۳۲	۱۶۰	نابینا اور نابالغ حفاظ کی امامت	″	۱۸۰	غروب آفتاب کی علامت	۲۹۶
جن دنوں کے روزے	۲۳۳	۱۶۱	سحری	۲۷۳	۱۸۱	افطار کے وقت کی دعا	۲۹۷
حرام ہیں		۱۶۲	سحور، سحر یا سحری کی لغوی تحقیق	۲۷۵	۱۸۲	روزہ افطار کرنے کے بعد کی دعا	″
بقر عید، ایام تشریق اور عید الفطر	۲۳۴	۱۶۳	آنحضرت کی سحری کا وقت	″	۱۸۳	وقت افطار کی برکت	۲۹۸
کے روزے حرام ہیں		۱۶۴	سحری کے فضائل	۲۷۷	۱۸۴	افطار کس چیز سے بہتر ہے	″
رجب کا ہزاری روزہ	۲۳۶	۱۶۵	سحری میں برکت کا مطلب	″	۱۸۵	میٹھی چیز سے افطار میں حکمت	۲۹۹
رجب کے روزوں کا پس منظر	۲۳۷	۱۶۶	سحری کا فلسفہ	۲۷۹	۱۸۶	دوسروں کو روزہ افطار کرانا	۳۰۰
تراویح	۲۴۰ ۲۴۲	۱۶۷	سحری مسلم اور دیگر اہل کتاب	۲۸۱	۱۸۷	افطار کے بعض اہم مسائل	۳۰۱
رمضان سے قرآن کو نسبت	۲۴۵		میں خط امتیاز ہے		۱۸۸	مغرب کی نماز [illegible] تاخیر	۳۰۲
قول و فعل رسول سے ثبوت تراویح		۱۶۸	سحری کے کھانے کی مقدار	۲۸۲	۱۸۹	وصال صوم	۳۰۳
فضیلت تراویح	۲۴۷	۱۶۹	مسائل سحری	۲۸۳	۱۹۰	وصال صوم کا مطلب	″
تراویح کا پس منظر	۲۴۹	۱۷۰	روزے کی نیت	۲۸۵	۱۹۱	وصال کی ممانعت	″
کیا عمرؓ کا فعل بدعت ہے	۲۵۳	۱۷۱	نیت کا مرکز دل ہے اور	۲۸۶	۱۹۲	وصال نبی کا پس منظر	۳۰۶
عدد رکعات تراویح	۲۵۴		زبان سے تصدیق ہوتی ہے		۱۹۳	ممانعت کے باوجود صحابہ	۳۰۷
بیس کے عدد میں حکمت	۲۶۰	۱۷۲	روزے کی نیت کا وقت	۲۸۷		کا وصال صوم کرنا	
نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے	۲۶۲	۱۷۳	نفل روزوں کی نیت	۲۸۸	۱۹۴	تکلیف بقدر طاقت ہونی چاہیے	۳۰۸
تراویح [illegible]	۲۶۴		رات سے یا زوال سے پہلے		۱۹۵	مرض بڑھنے اور [illegible]	۳۱۰
۵ رمضان [illegible]	۱	۴۰	ترتیب [illegible] کے روزوں کا	″	۱۹۶	مرض بڑھنے یا [illegible]	۳۱۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات
۱۹۷	مسلم اور ہندو روزے میں فرق	۳۱۳		میں قضا لازم ہے مستحب نہیں	۳۳۶	۲۴۳	جن صورتوں میں صرف قضا ہے
۱۹۸	اسلام میں روزہ اللہ کیلئے ہے		۲۱۹	شب قدر	۳۳۸	۲۴۴	قضا کے روزہ کا اصول
۱۹۹	خودکشی کی سزا اسلام میں	۳۱۴	۲۲۰	شب قدر کا نام شب قدر کیوں ہوا	۳۳۹	۲۴۵	توضیح غذائیت
۲۰۰	خودکشی یا قتل کی سزا میں شدت کا سبب	۳۱۷	۲۲۱	لیلۃ القدر کے فضائل	//	۲۴۶	جن صورتوں میں روزہ نہیں
۲۰۱	اعتکاف	۳۱۹	۲۲۲	شان نزول آیات لیلۃ القدر	۳۴۲	۲۴۷	روزے میں انجکشن
۲۰۲	اعتکاف کا فلسفہ	//	۲۲۳	شب قدر کونسی رات ہے	۳۴۳	۲۴۸	روزے کو مکروہ کرنے
۲۰۳	اعتکاف کے لغوی معنی	۳۲۰	۲۲۴	شب قدر کی علامات	۳۴۹		کرنے والی چیزیں
۲۰۴	اعتکاف کیا ہے	۳۲۱	۲۲۵	قدر کی رات میں کیا کرے	۳۵۲	۲۴۹	کھانے کی چیز چبا کر بچے کو
۲۰۵	رمضان میں اعتکاف سنت	۳۲۲	۲۲۶	کونسی طاق شب قدر میں افضل ہے	۳۵۳	۲۵۰	روزے میں مباشرت
	مؤکدہ بالکفایہ ہے		۲۲۷	اعتکاف اور شب قدر میں		۲۵۱	روزے میں کلیاں کرنا
۲۰۶	اعتکاف کی قسمیں	//	۲۲۸	باہم تعلق و ربط		۲۵۲	ناک میں پانی دینا
۲۰۷	بالکفایہ اعتکاف سنت مؤکدہ		۲۲۹	مسائل روزہ	۳۵۴	۲۵۳	ٹھنڈک کیلئے غسل
۲۰۸	مستحب یا نفلی اعتکاف	//	۲۳۰	روزے کی تعریف	//	۲۵۴	رات کا واجب غسل
۲۰۹	واجب، مسنون اور مستحب اعتکاف		۲۳۱	روزہ کن پر فرض ہے	۳۵۵	۲۵۵	قضا فدیہ اور کفارہ
	کی زیادہ سے زیادہ و کم سے کم مدت		۲۳۲	چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات والے		۲۵۶	قضا کا مطلب
۲۱۰	فضیلت اعتکاف	۳۲۴		علاقے میں روزے کی فرضیت کا حکم	//	۲۵۷	خرابی دماغ میں روزہ
۲۱۱	اعتکاف آنحضور کی کل کی زندگی میں	۳۲۵	۲۳۳	فتوی شاہ عبدالعزیز	۳۵۶		کی قضا
	عشرہ اول، عشرہ دوم اور عشرہ آخر		۲۳۴	جن حالات میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے	۳۵۹	۲۵۸	عید رمضان اور
	میں حضور کے اعتکاف	۳۲۷	۲۳۵	شیخ فانی یا فانیہ کی تعریف	۳۶۲		صدقہ فطر
۲۱۲	مسجد نبوی میں ستون توبہ کے پاس حضور		۲۳۶	جن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے		۲۵۹	صدقہ فطر
	کے اعتکاف کی جگہ	۳۲۸	۲۳۷	جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے		۲۶۰	فضیلت صدقہ
۲۱۳	آنحضور کا اعتکاف میں عمل اور عبادات شب کی	۳۳۱		اور قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں		۲۶۱	صدقہ کس پر واجب ہے
۲۱۴	اعتکاف میں احتیاط	//	۲۳۸	کفارے کا اصول کلیہ		۲۶۲	مسائل صدقہ فطر
۲۱۵	مسائل اعتکاف	۳۳۲	۲۳۹	جو صورتیں کفارے سے مستثنیٰ ہیں		۲۶۳	صدقہ کب واجب ہوتا ہے
۲۱۶	کیا اعتکاف میں روزہ ضروری ہے	۳۳۶	۲۴۰	کفارہ کیا ہے		۲۶۴	صدقہ فطر کس کو دینا چاہیے
۲۱۷	حالت حیض و نفاس و جنابت		۲۴۱	اگر کفارہ ادا نہ کر سکے		۲۶۵	صدقۂ فطر کی مقدار
	میں اعتکاف صحیح نہیں		۲۴۲	اگر کئی روزے بغیر عذر توڑے		۲۶۶	نماز عید الفطر
۲۱۸	واجب اور مسنون اعتکاف کے فرق			ہوں تو کفارہ ایک ہوگا			

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ حقیقت

رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ مطابق فروری ۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ میرا ایک مقالہ انوار الصیام اسلامیہ کالج لائلپور کی طرف سے چھپ کر شائع ہوا۔ پروفیسر صاحبان، طلبہ اور دیگر حضرات نے پڑھا اور پسند کیا۔ ہمارے کالج کے پروفیسر سراج احمد صاحب علوی نے اسکو پڑھ کر جو تاثر لیا اس کا اظہار انہوں نے کالج کے میگزین مئی ۱۹۶۰ء کے شذرات میں ایڈیٹر کی حیثیت سے بایں الفاظ فرمایا:-

"انوار صاحب کا مختصر رسالہ انوار الصیام جو طلبہ کی دینی رہنمائی کیلئے لکھا گیا اس کی تابناکیوں سے ہمنے خود بھی کسب ضیا کی اور سچ بات کہنے میں ہمیں کوئی عار نہیں کہ جو لطف وسرور ہمیں اس کتابچے کے مطالعے سے نصیب ہوا وہ پورے مہینے کے روزے رکھ کر بھی حاصل نہیں ہوا۔ توقع ہے کہ ہمارے محترم دوست آئندہ بھی یہ مفید مشغلہ جاری رکھیں گے اور اس قسم کی ایمان آفریں اور بصیرت افزا تالیفات سے ہمیں اور طلبہ کو ایمان تازہ کرنے اور دیندار بننے کے مواقع مہیا کرتے رہیں گے۔" (میگزین ص ۲)

انکی اس خواہش نے میرے دل میں ایک اور نوعیت اختیار کرلی۔ دل میں آیا کہ روزوں پر ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جسمیں رمضان اور روزوں سے متعلق کوئی عنوان حتی المقدور تشنہ نہ پائے۔ ہوا یہ کہ ایک روز ۱۹۶۱ء کی تعطیل گرما میں اپنے گلبرگ کے کاشانے یعنی مطلع الانوار میں راقم الحروف ان رسائل اور اخبارات کو دیکھ رہا تھا جن میں وقتاً فوقتاً میرے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ اچانک زمیندار اخبار لاہور میں روزوں سے متعلق اپنے دو مضمون نظر سے گذرے جو ۱۸ اور ۲۵ جون ۱۹۵۱ء کی اشاعتوں میں شائع ہوئے تھے۔ ان سے میرے خیال کو اور

تشویش سی اور ایک شدید تحریک اور ندامت کا ولولہ دل میں موجزن ہونے لگا چنانچہ ۱۱ شعبان ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۶۱ء اتوار کے دن سے میں نے پیش نظر کتاب کی تصنیف کے لئے قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا۔ اور الحمد للہ آج مورخہ ۱۹ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کو بروز جمعۃ المبارک صبح آٹھ بجکر بارہ منٹ پر بفضل خدائے کریم یہ کتاب "شرحِ رمضان" کے نام سے پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

مجھ سے اپنی بضاعت کے مطابق جہاں تک ہو سکا ہے میں نے روزوں اور رمضان سے متعلق ہر عنوان پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کر کے کتاب کو جامع اور بغایت مفید بنانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ بالخصوص عصر جدید کے نازک تقاضوں کے ماتحت رویت ہلال، فلسفہ صیام، اقسام روزہ، تراویح، اعتکاف، شب قدر پر محققانہ کلام کیا ہے اور جا بجا عقل و نقل کی رفاقت میں مضامین کو لیکر چلا اور ٹھہرا ہوں۔ ایک اور معرکہ آرا بحث جو تحقیق و تدقیق کی روشنی میں قلم سے نکلی ہے وہ خود قرآن کریم کے روزوں کی فرضیت اور احکام سے متعلق رکوع کی تفسیر اور بالخصوص وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کی منصفانہ تحقیق و تفسیر ہے جو اکثر اہل علم کا مرکز بحث بنی رہی ہے۔

بہرحال اظہارِ نعمت کے رنگ میں فخر سے قطعاً محتاط ہو کر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب ہند و پاک میں اردو میں اپنی نوعیت کی واحد جامع کتاب ہے تو مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

اسے شوق طبع کہئے یا احساس تبلیغ یا توفیق ربانی کہ علم دین کے جو چند حرف میں نے پڑھے تھے ان کا حق ادا کرنے کی تڑپ ہمیشہ دل میں رہا کی۔ البتہ اپنے خدا سے نادم ضرور ہوں کہ مجھے خود عملی تہی دامنی رہی۔ مگر ایک خیال مجھے ہمیشہ آمادۂ تحریر و تقریر کرتا رہا کہ اس بے عملی کیساتھ اگر زبانی اور قلمی خاموشی بھی اختیار کر لی جائے تو شاید اچھا نہ ہو۔ بس یہی ایک تخیل مجھے تحریر و تقریر کی دنیا میں لئے پھرتا ہے ورنہ ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

رَبِّيْ رَبِّيْ تَقَبَّلْ مِنِّيْ وَاغْفِرْلِيْ

مصنف

رُوحِ رمضان

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

٭ — آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کا مقصد ٭ — ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت ٭ — روزوں کی فرضیت اور تفسیر آیات صیام ٭ — ترتیب آیات صوم نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے ٭ — روزے کا مرکز اور اس کے اردگرد ٭ — روح کی پاکیزگی اور اخلاق کی تزئین ٭ — تقویٰ کی حقیقت اور متقین کا حاصل انعام ٭ — تقویٰ کے مختلف معانی ٭ — اصول اسلامیہ میں محبت کے تقاضے ٭ — حرمت شراب کی طرح روزے میں تدریجی ارتقاء ٭ — روزے آدم علیہ السلام سے محمد مصطفےٰ تک ٭ — درجات صیام ٭ — شب قدر کی حقیقت ٭

اسلام ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس میں روح اور جسم کی قوتوں کو ترقی

دینے، اعمال کو مہذب اور مکمل کرنے اور انسانیت کے بتدریج ارتقائی منازل طے کرنے کے تمام سامان موجود ہیں۔ کیونکہ اگر کسی مذہب میں زندگی کی ضروریات اور اس کے نشوونما کا مادہ نہیں تو یقیناً وہ مذہب فطرت انسانی کے تقاضوں اور ترقیاتی منصوبوں کو پورا نہ کرنے کے باعث قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مذہب کا اصل مقصد تزکیۂ روح، تزکیۂ اخلاق اور تصفیۂ عقائد ہے اسی لئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی رسالت اور بعثت کا مقصد نہایت واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا:۔

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔

میں اخلاق و عادات کے نقص دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

مکارم اخلاق کو تمام اور پورا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسانی اخلاق میں جو نقائص اور کمزوریاں ہیں ان کو دور کر کے عادات و خصائل کو اچھائی سے مکمل کر دیا جائے۔ اسی لئے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ازراہ آزمائش اہل کتاب یا مشرکین، سائنس اور فلسفے کے مسائل پوچھتے تو آپ اپنی رسالت و بعثت کا مقصد بتاتے اور فرماتے کہ میں آدمی کو آدمیت اور انسانیت کی راہ دکھانے اور اخلاق و عادات کو سنوارنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ کیونکہ وہ اصول اور احکام جن سے خدائے خالق کے صحیح منشا کا پتہ چل سکے اور اخلاقی حسن کا ظہور ہو سکے، وحی، رسالت اور پیغمبریت کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

البتہ سائنس اور کیمسٹری، طبعیات اور اقتصادیات، انجنیری اور جر ثقیل

کے علوم و فنون کی ترقی انسانی عقل کے صرف قلبی اور ذہنی الہام کے سپرد کر دی جس سے وہ ریلیں، ہوائی جہاز، ایٹم، راکٹ، جیٹ طیارے اور میزائل تیار کر سکے۔ اسی لئے کسی نبی نے نہ راکٹ بنائے اور نہ ان کے بنانے کی تعلیم دی۔ البتہ حسب اقتضائے زمانہ کفار سے جہاد کے لئے بقدر استطاعت تیاری اپنی جگہ پر ہے۔ بلکہ یہ ترقی خود طبقات اور جماعتہائے انسانی کے سپرد کر دی۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو انسانیت کے حصول کے بعد شمشیر و سناں توپ و تفنگ اور ایٹمی آلات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ انسانیت کا وجود جہاں ہو گا جبر و تشدد کے بغیر مذہب کو قبولیت کی استعداد وہاں موجود ہو گی۔ اسی لئے فرمایا گیا:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔	دین میں زبردستی کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی جبکہ ہدایت اور گمراہی
(بقرہ پارہ ۳)	واضح ہو چکی۔

تزکیۂ افکار کے بغیر تزکیۂ عمل غلط ہے

بہرحال مذہب کا مقصد تہذیب اخلاق ہے۔ لیکن اخلاق کی تہذیب، عقائد و افکار کی تہذیب و درستی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لئے ایک گناہگار سے گناہگار مسلمان ایک خوش اخلاق کافر سے اس لئے بہتر ہے کہ اس کے عقائد و افکار جو بنیادی حقیقت رکھتے ہیں غیر مسلم سے بہتر ہیں۔ موجودہ دور میں جہاں مذہبی فتنوں نے سر ابھارا ہے ان میں غیر شعوری طور پر تعلیم یافتہ مسلم طبقوں میں ان خیالات کا بھی چکر چل پڑا ہے کہ وہ مسلمان

جو پابند نماز ہے لیکن گناہ بھی کرتا ہے اس سے وہ شخص بہتر ہے جو نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے البتہ لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں میں دو باتیں اچھی ہیں۔ اوّل الذکر اگر واقعی حسن نیت اور حکم ربّی کے باعث نماز و روزہ پابندی سے ادا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل صالح سمجھا جانا چاہیئے اور ان کے باوجود اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کی برائی کو برائی ہی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ لیکن احکام خداوندی پر عمل نہیں کرتا ہم اس کی خوش اخلاقی کو محمود سمجھیں گے۔ لیکن نماز روزے سے بے پروائی خدائے کریم کے ساتھ زبردست بداخلاقی ہے۔ لیکن کافر کا کفر اس کی لاکھوں خوش اخلاقیوں اور رفاہ عامہ کی چیزوں پر بھی بھاری ہے اور اس سے ایک بدترین قسم کا بداعمال مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول اور اجزائے ایمان پر ایمان رکھتا ہے بہتر اور نجات کا بالآخر مستحق ہے۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح نہایت ضروری ہے اور یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم کی نسبت رکھتے ہیں۔ اسی لیے ایمان کے ساتھ قرآن کریم میں جابجا عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ	اچھے عمل کئے ان کیلئے جنتیں ہیں جنکے نیچے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	نہریں بہتی ہیں کہ وہ ان میں ہمیشہ رہینگے

اور اس کے مقابلے میں فرمایا گیا:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا	اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ	آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں کہ وہ اس میں
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔	ہمیشہ رہیں گے۔

ایمان و کفر کے درمیان ان آیات کے ذریعہ خط امتیازی کھینچ دیا گیا ہے اور دونوں کی جزا و سزا کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

بے عمل مومن

اس سے بھی غفلت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بے عمل مومن کے لئے بھی جا بجا تہدید بار بار اور تنبیہ ہے۔ چنانچہ قیامت کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

يَصْدُرُ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا	قیامت کے دن لوگ مختلف گروہوں میں ہونگے
اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا	تاکہ انکے اعمال انہیں دکھائے جائیں پس جس نے ذرے
يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	کی برابر نیکی کی ہے وہ اسکو دیکھ لے گا اور جس نے
شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (سورۂ زلزال پارہ ۳۰)	ذرے کی برابر برائی کی ہے وہ بھی اسکو پائیگا

غیر مومن انسان

ایمان کے بغیر اچھے عمل کا انسان دراصل ایک ایسا انسان ہے جو دنیا والوں کے ساتھ تو اچھائی کرتا ہے لیکن جس محسن نے اسے پیدا کیا اور ہر قسم کی نعمتیں عطا کیں اس پر ایمان نہ لاکر زبردست غداری کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ حضرات انسان بھی عجیب ہیں اصل مالک کی ناشکری کرتے ہیں اور دنیا والوں کے ساتھ بھلائی کی آڑ میں اپنے رب سے فریب کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا جرم صاف طور پر بڑا جرم ہے۔ دراصل ایمان کی پابندیوں سے کوتاہی کے باعث

بعض خود فریب انسان اپنے نفس کو دامِ خیال میں پھانس کر دھوکا کھاتے ہیں۔ ایسے ایمان سے خالی مگر رفاہ عامہ میں خرچ کرنے والوں کے متعلق خالق اکبر کا حکم اور فیصلہ سنیئے :۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ	اور کافر لوگ ان کے اعمال جنگل میں
كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ	ریت کی مانند ہیں کہ پیاسا اس کو
الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ	پانی سمجھتا ہے تا آنکہ جب وہ اس کے
لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ	پاس آیا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا
اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ	اور اللہ کو اپنے پاس پایا پس اس کو
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝	حساب پورا پہنچا دیا اور اللہ جلد حساب
(پارہ ۱۸ سورہ نور رکوع ۵)	لینے والا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"کافر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدے کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ پانی وانی کچھ بھی نہ تھا ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا چنانچہ اسی اضطراب و حسرت کے وقت اللہ نے اس کا سب حساب

ایک دم میں چکا دیا وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے (کافر) وہ ہیں جو سرے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے فرمائی ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب بھی دھوکا کھانے والے کو نظر آتی ہے۔ یہ (کافر) لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اپنے تک پہنچنے نہیں دیتے۔ (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

مذکورہ بالا آیت کا تفسیر عثمانی کی روشنی میں صاف یہ مطلب ہے کہ جب تک ایمان کی بنیاد مضبوط نہ ہوگی اور عقائد و افکار پاک و صحیح نہ ہونگے کافر کی نیکی اور رفاہ عامہ کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کی نیکی ایک سراب یعنی ریت کی چمک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اس لئے عقائد کی اصلاح اعمال صالحہ کے لئے از بس ضروری ہے۔

اسلام نے انہی چیزوں کو صحیح رنگ میں پیش کیا ہے۔ گویا کہ دین اسلام مجموعہ ہے ایمان اور عمل صالح کا اور ایمان تزکیۂ خیالات کا نام ہے اور عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تزکیۂ اعمال و اخلاق کا۔ انسانی معتقدات اور اعمال کی پاکیزگی کے بعد انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور کمال انسانیت کا خاص منشائے خداوندی کے ذریعہ حصول آدمیت کی تخلیق کا عین منشا ہے۔ ہم ایمان کے بغیر اعمال حسنہ کی بے بنیادی پر انشاء اللہ ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں انشاء اللہ

تعالیٰ اس موضوع پر انصاف اور تحقیق کی روشنی میں بحث کریں گے اور جس کے لئے ہم اپنی ریسرچ مکمل کر چکے ہیں۔

اسلامی عبادات میں نماز

خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بعد سب سے آسان بنیادی عمل جو دین اسلام میں پیش کیا گیا وہ نماز ہے چنانچہ صحیح معنی میں نمازی انسان کو نماز بری باتوں سے روکتی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت پر گہری نظر ڈالیے فرماتے ہیں :-

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ

نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر البتہ بڑی بات ہے۔

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کتنے ہی بری باتوں سے دوچار ہوتے ہیں اور نماز پڑھنے کے باوجود برائیاں کرنے سے نہیں رکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں فرمایا ہوا فیصلہ اٹل ہے کہ نماز انسان کو برائیوں سے بچاتی ہے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہمیں آیت کا صحیح مقام اور مطلب معلوم کرنا ہوگا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

> "نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ ایک بطریق سبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر و خاصیت رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے اس صورت میں یاد رکھنا چاہیئے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لئے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا اثر نمایاں

ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی تاثیر کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو دور کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور پرہیز کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کریگا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضا کے ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی درگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالےٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کرکے آیا ہے مسجد سے باہر آکر بھی بیہودگی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا اس کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ اے بندگی اور غلامی کا دعوی کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ	بیشک اللہ عدل و احسان اور
وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي	رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے

الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۝	اور بے حیائی اور برائی سے روکتا ہے۔

پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے، نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح ہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجے تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت قراءت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا۔ اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہوگی وہ نماز منافق کے مشابہ ٹھہرے گی جس کی نسبت حدیث میں فرمایا لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی)

یہ صحیح ہے مطلب ہے نماز کا انسان کو بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکنے کا۔ اسی مطلب کی کڑی زکوٰۃ، حج اور بالخصوص روزہ ہے جو نماز سے [illegible] کی طرح ہے یعنی جس طرح نماز انسان کو برائی سے روکتی اور انسانیت کی تکمیل کا ذریعہ ہے اسی طرح روزہ اعلیٰ روحانی اور اخلاقی صفت پیدا کرنے اور [illegible] انسانیت کا اعلیٰ ترین فریضہ ہے۔

روزے کی فرضیت

روزہ جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں صوم کہا گیا ہے۔ اصول اسلامی میں توحید و رسالت کے بعد چوتھا رکن ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد جیسا کہ حدیث میں ہے پانچ چیزوں پر ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وحج البیت وصوم رمضان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور حج بیت اللہ اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (مسلم کتاب الایمان)

لیکن اگرچہ اس حدیث میں روزۂ رمضان کا ذکر حج سے پہلے چوتھے درجہ پر ہے لیکن جہاں تک روزے کی فرضیت کا ذکر ہے۔ اس کا حکم قرآن کریم کی حسب ذیل آیت سے واضح ہے:-

روزے کی فرضیت قرآن کریم سے

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھی

عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ — کئے گئے تھے۔
مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۳)

تعریف فرض شریعت کی اصطلاح میں فرض اس کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا قرآن کریم سے حکم ثابت ہو۔ البتہ کسی حکم کی فرضیت کے لئے قرآن کریم میں مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور یہ کلام عرب اور سنت الہیہ سے معلوم ہوتے ہیں کہ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کیا مراد لیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور فرض کے امت کے سامنے اس کے حکم کو پیش فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرضیت کے الفاظ میں کتابت کا لفظ بھی شامل ہے جیسا کہ کُتِبَ سے واضح ہے۔ اسی طرح کا لفظ فرضیت کے معنی ہیں، كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ہے کہ تم پر قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے اور اسی طرح كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ میں جہاد کی فرضیت کا حکم ثابت ہوتا ہے بعض جگہ امر کے صیغے سے فرضیت ثابت ہوتی ہے جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) میں اَقِيْمُوْا اور اٰتُوْا دونوں امر کے صیغے ہیں۔

اس لئے روزے کی آیت کا یہ مطلب ہو جاتا ہے کہ روزے تم پر لکھ دئے گئے ہیں۔ اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے جس کی مطلق فرضیت پر کوئی نظر ثانی نہیں کی جائے گی جیسے ہونا تھا ہو گیا۔ البتہ بعض حالات اور مجبوریوں میں رعایت دی گئی ہے۔ پورا مضمون مجبوروں سے متعلق حسب ذیل ہے۔ احکم الحاکمین فرماتے ہیں:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ
عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا
مَّعْدُودَاتٍ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِينَ
يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِينٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا
فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ط وَأَنْ تَصُومُوا
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ
فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا
أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ
أُخَرَ ط يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ
وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کر
دیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر
فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن
جاؤ، چند گنتی کے دن کے روزے
فرض کیے گئے۔ لیکن جو تم میں سے مریض
ہو یا سفر میں تو دوسرے دنوں میں ان
کا شمار ہے۔ اور ان لوگوں پر جو روزہ رکھنے
کی طاقت رکھتے ہیں ایک مسکین کو کھانا
کھلانا فدیہ ہے لیکن جو کوئی زیادہ
نیکی کرے تو اس کے لیے وہ بہتر ہے اور
اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے یہ
بہتر ہے اگر تم اہل علم ہو (روزے رکھو)
رمضان کے مہینے کے جس میں قرآن کریم
نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت
ہے اور (اس میں) ہدایت کی واضح دلیلیں
ہیں اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والا
ہے پس جو کوئی اس ماہ میں تم میں سے موجود
ہو تو روزہ رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا
سفر میں تو دوسرے ایام میں اس کی گنتی

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى
مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ
فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا
لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ ۝ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ
الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط عَلِمَ اللّٰهُ
أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ
أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَعَفَا عَنْكُمْ ج فَالْئٰنَ
بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ص
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ
الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ

پوری کرنا ہے (اس لئے) کہ اللہ تمہارے
ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے نہ کہ سختی۔
اور تاکہ شمار کو مکمل کرو اور تاکہ اللہ
کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت
دی اور تاکہ شکر ادا کرو۔ اور جب تیرے
بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھیں تو
کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں ط دعا کرنے
والے کی دعا کو میں قبول کرتا ہوں جب
وہ مجھے پکارتا ہے۔ اسے بھی چاہیئے کہ
وہ میرے حکم کو قبول کرے اور مجھ پر ایمان
لائے تاکہ وہ بھلائی پائیں تمہارے لئے
روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کی
طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا (کیونکہ) وہ
تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان
کے لئے لباس ہو۔ اللہ نے اس بات کو
جان لیا کہ تم اس معاملہ میں اپنے نفسوں
سے خیانت کرتے ہو لہٰذا اللہ تمہاری
طرف متوجہ ہوا اور تمہیں (خیانت پر) معاف
کر دیا لہٰذا تم ان سے مل سکتے ہو اور اللہ

14955

الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا ا	نے جو کچھ تمہارے لیے لکھ دیا اسکو تلاش کرتے
لصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ج	رہو اور (سحری) اس وقت تک کھاؤ پیو۔
وَلَا تُبَاشِرُوْ هُنَّ	جبتک صبح صادق رات سے جدا نہ ہو جائے
وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي	پھر روزوں کو رات (سورج کے غروب) تک
الْمَسٰجِدِ ط تِلْكَ حُدُوْدُ	پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو ان
اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ط كَذٰلِكَ	سے مباشرت مت کرو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں۔
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ	انکے قریب بھی مت جاؤ۔ اللہ اسی طرح اپنی
لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۳)	آیتیں لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ بچیں۔

اجزائے رکوع کا نفسیاتی اور روحانی تحقیقی تجزیہ

قرآن کریم کے مذکورہ بالا رکوع سے متعلق مضمون کا اگر تجزیہ کیا جائے تو نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے اس کے ہر حکم میں ایک بہترین حکمت یا مصلحت ہے جس کا مقصد خدائے کریم کا مومنین روزہ داروں کے لئے سہولت فراہم کرنا اور مشکلات سے بچانا ہے۔

مثلاً سب سے پہلے فرمایا گیا کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں) اس حکم کے سنتے ہی مخاطب پر ایک عبادت کی فرضیت کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی محض روزے کی فرضیت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن روزوں کی مقدار اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا تاکہ مخاطب پر شاق نہ گذرے۔ ہاں لفظ صیام، صوم کی جمع ہے اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ روزے دو سے زیادہ ہی ہونگے کیونکہ عربی میں جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔

لیکن اگر کسی شدائد حکم یا مشقت کی عبادت میں بنی نوع انسان کی مختلف جماعتوں کو جمع کر دیا جائے تو وہ مشقت عام ہونے کی وجہ سے "مرگ انبوہ جشنے دارد" کے مصداق آسانی میں بدل جاتی ہے اور ایک دوسرے کو ایک ہی حال میں دیکھ کر صبر و سکون اور مشقت کی برداشت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسرے ٹکڑے یعنی كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے ذریعہ فطرت انسانی کے اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی اے اہل اسلام تم پر ہی یہ روزے فرض نہیں کئے جا رہے ہیں بلکہ تم سے پہلے اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے

یہود و نصاریٰ پر روزوں کی فرضیت

اس آیت میں سابقہ آسمانی اہل مذہب پر روزوں کی فرضیت کا اشارۃً اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ جن پر خدائے قدیر کی طرف سے روزے فرض کئے گئے تھے اور جو کسی پیغمبر کو مانتے تھے۔ ورنہ محض اپنی طرف سے کسی پیغمبر کے حکم کے بغیر روزہ، روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہے اور وہ كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے خارج ہے کیونکہ روزوں میں خوشنودی حق خدا کے حکم کے مطابق درکار ہے۔ اہل کتاب میں خصوصاً یہود و نصاریٰ پر تورات و انجیل میں روزوں کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔

روزہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے

روزوں کی تاریخ کا پتہ چلانے سے تحقیقی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ روزوں کا سلسلہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی جاری ہے۔ شیخ الہند

مولانا محمود حسنؒ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"اور یہ (روزوں کا) حکم حضرت آدمؑ کے زمانے سے اب تک برابر جاری رہا ہے"

روزہ نوح علیہ السلام کے زمانے سے

ابن کثیر جیسے محقق جن کی تفسیر دنیائے اسلام میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ جس کا ہم اردو میں ترجمہ پیش کرتے ہیں :-

"ضحاک کا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہر مہینے میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور کی امت کے لیے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینے کے روزے فرض ہو گئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے اگلی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا، پینا، عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر جلد ۱)

موسیٰ علیہ السلام اور چالیس دن کے روزے

موسیٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر بلا کر توریت دینے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تو ان کو تیس راتیں وہاں رہنے اور شب کو قیام کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے :-

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ   اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ

لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ
مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ۚ
(اعراف رکوع ع۱۷ پارہ ع۹)

علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا
تھا اور اس میں دس راتیں اور بڑھا
دیں لہٰذا اس کے رب کا وقت ملاقات
چالیس راتیں مکمل ہوا۔

اس اثنا میں موسیٰ علیہ السلام روزے سے رہے اور علماء کے لکھنے کے مطابق جب موسیٰ علیہ السلام کو تیسویں رات کے ختم پر ملاقات ربّی ہونی تھی تو انہوں نے روزوں کے باعث منہ میں بوئے دہن کی وجہ سے مسواک کی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور دس روز کے روزے اور بڑھا دئیے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمارے لئے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا۔ خداوند تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زیادہ از زیادہ چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب تم اتنی مدت پے در پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی۔ (فوائد تفسیر عثمانی)

اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توریت کے عطا کرنے سے پہلے روزوں کے رکھنے اور کوہ طور پر معتکف رہنے کی فرمائش کی تھی۔ جن سے روزوں کا پتہ چلتا ہے۔

بعض علماء نے تو جیسا کہ اوپر ابھی گذرا یہ لکھا ہے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی رمضان کے ہی تیس روزے فرض تھے لیکن نصاریٰ نے یہ کیا کہ جب رمضان کے روزے سخت گرمی میں آ گئے۔ تو انہوں نے ان کو جاڑوں میں منتقل کر لیا اور اس کی مکافات میں دس روزے اور بڑھا لئے اس طرح چالیس روزے ہو گئے۔ اور یہودی قوم نے یہ کیا کہ انتیس دن تاریخ کے چاند کو ابر یا غبار کے باعث شک ہو جانے پر یوم شک کا روزہ رکھنا شروع کر دیا اور اسی شک و شبہ میں مبتلا ہوتے رہے تا آنکہ پچاس روزوں پر نوبت پہنچی (تفسیر خازن)

صوم داؤدی

مسلم کی ایک حدیث میں ہے۔ کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عبداللہ بن عمرو سے فرمایا۔

صُمْ افضل الصیام عند اللہ	روزہ رکھو جو اللہ کے نزدیک سب سے
صوم داؤد علیہ السلام کان	زیادہ افضل ہے اور وہ ہے صوم
یصوم یوماً ویفطر یوماً	داؤد علیہ السلام۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے
(مسلم کتاب الصیام)	تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے۔

اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کا روزے رکھنا اور ان کے عہد میں روزوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔

بائبل میں روزوں کا ذکر

موجودہ انجیل میں روزوں کا ذکر مختلف جگہ آیا ہے ایک جگہ کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

"دارا بادشاہ کی سلطنت کے چوتھے برس کے نویں مہینے یعنی کسلیو مہینے کی

چوتھی تاریخ کو خداوند کا کلام زکریاہ پر نازل ہوا اور بیت ایل کے باشندوں نے شراضر اور رجم ملک اور اس کے لوگوں کو بھیجا کہ خداوند سے درخواست کریں اور رب الافواج کے گھر کے کاہنوں اور نبیوں سے پوچھیں کہ کیا میں پانچویں مہینے میں گوشہ نشین ہو کر ماتم کروں جیسا کہ میں نے سالہا سال سے کیا ہے؟ تب رب الافواج کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ مملکت کے سب لوگوں اور کاہنوں سے کہہ کہ جب تم نے پانچویں اور ساتویں مہینے میں ان ستر برس تک روزہ رکھا اور ماتم کیا تو کیا کبھی میرے لئے اور خاص میرے ہی لئے روزہ رکھا تھا؟ اور جب تم کھاتے پیتے تھے تو اپنے ہی لئے نہ کھاتے پیتے تھے۔

(انجیل زکریاہ باب ۷ آیت ۱ تا ۶)

بائبل میں روزوں کا ذکر ایک اور جگہ

آگے چل کر انجیل میں ایک اور جگہ روزوں کا ذکر ہے۔

جو زکریا علیہ السلام ہی سے متعلق ہے۔ تحریر ہے:۔

”پھر رب الافواج کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ چوتھے اور پانچویں اور ساتویں اور دسویں مہینے کا روزہ بنی یہوداہ کے لئے خوشی اور خرمی کا دن اور شادمانی کی عید ہوگا اس لئے تم سچائی اور سلامتی کو عزیز رکھو۔ (انجیل زکریاہ باب ۷ آیات ۱۹–۲۰)

بائبل کے ان دونوں ٹکڑوں کی عبارتوں میں روزوں کا ذکر آیا ہے جن سے ہمارا مقصد زیادہ تشریح کرنا نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ روزوں کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی شریعت تک مسلسل چلا آرہا ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں میں تو خصوصیت سے موجود ہے۔ جیسا کہ آئندہ کی سطور سے واضح ہوتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کسی نہ کسی شکل میں دوسرے غیر الہامی اہلِ مذہب میں بھی رکھا جاتا رہا ہے۔ ہندوؤں میں روزہ اس طرح رکھا جاتا ہے کہ غلے کی کسی قسم کے کھانے کی اجازت نہیں البتہ پھل اور دودھ وغیرہ پی کر دن گزارنے کا نام ان کے یہاں روزہ کہلاتا ہے۔

روزوں کا فائدہ اور مقصد

بہرحال قرآن کریم کی آیت سے اہلِ کتاب کے یہاں بھی روزے کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا حکم عام بیان کرنے کے بعد ابتداءً روزوں کی تعداد نہیں بیان کی گئی بلکہ روزوں کے فوائد کی طرف کلام باری تعالیٰ لے چلتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ روزے تم پر اور تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے ہیں تاکہ روزے رکھنے سے تم متقی یعنی نیک اور پرہیزگار مسلمان بن کر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو جاؤ گے جو انسانیت کا مقصد ہے۔ چنانچہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ سے روزوں کی تعداد کے بیان میں التوا ڈال دیا گیا۔ اور اس کے ذکر سے پہلے اس عبادت کا منشا بیان کر دیا گیا تاکہ اس منشا اور فائدے کو سمجھ سکیں کہ روزوں کی تعداد دیکھنے کے لئے دل کشادہ اور حوصلہ بلند ہو جائے کیونکہ جس مشکل عبادت سے انسان میں انسانیت کا جوہر پیدا ہونے لگے اور تقویٰ کی نعمت نصیب ہو جائے تو اس کی خاطر خواہ روزے [illegible]

کیونکہ ہم میں ان کے رکھنے کے لئے ہمت آگے قدم بڑھاتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے کے لئے آمادگی پر آجاتی ہے۔

نقطۂ نگاہ روزہ

کوئی مضمون یا قصہ جس پر آپ گہری نظر ڈالیں۔ اس کا ایک موضوع ہوتا ہے جس پر وہ مضمون گردش کرتا ہے۔ روزے کا بھی ایک نقطہ اور مرکز ہے جس کے چاروں طرف سے خطوط چل کر مرکز پر کھنچتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف اخلاقی نفسیاتی، روحانی دائرے ہیں اور ان سب کا ایک مرکز ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

تقوے کی حقیقت

روزہ جیسی مشقت کی عبادت جس کا ثمرہ تقویٰ ہو اس کی معرفت اور حقیقت پر روشنی ڈالے بغیر آگے بڑھنا روزہ داروں کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ اس لئے اس موقع پر لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کے سلسلے میں قارئین کو اس انعام کی حقیقت سے روشناس کرانا ضروری سمجھتے ہیں جو روزوں کے بدلے میں روزہ داروں کو دیا جائے گا۔

تقوے کے متعلق کسی صحابی نے غالباً ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جب کبھی اپنے راستے سے گزرتے ہو جس میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو اپنے دامنوں کو بچا کر چلتے ہو گے تاکہ کانٹوں میں دامن نہ الجھ جائے بس تقویٰ بھی اسی کا نام ہے کہ تم گناہوں کے راستوں سے اپنے دامنوں کو بچا کر چلو مبادا تمہارے دامن عصمت میں گناہوں کی خاردار جھاڑیوں کے کانٹے

چھپ جائیں۔ میرے خیال میں اس سے بہتر تقوے کی اور کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	انصاف کرو کیونکہ وہ تقوے سے زیادہ قریب ہے

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجے میں مضر ہوں اُن سے بچاؤ کرتے رہنے سے جو ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جاتی ہے اس کا نام تقویٰ ہے۔"

تقوے کی لغوی تحقیق قرآن کریم میں تقویٰ مختلف مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چند آیات ان میں کے معانی پر غور کیجیے:۔

۱۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔	اللہ کو قربانیوں کے گوشت اور ان کا خون نہیں پہنچتا لیکن اس کو تو تمہارا خلوص پہنچتا ہے۔ (جس سے تم نے قربانی کی ہے)

دیکھیے یہاں تقویٰ کے صاف طور پر معنی خلوص اور اخلاص کے واضح ہوتے ہیں یعنی وہ حسن نیت جس کے ماتحت مال طیب اور محنت سے کی گئی قربانی ادا کی گئی ہو مراد ہے۔

۲۔ وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔	اور ان کو ان کی پرہیزگاری عطا کی

یہاں تقوے سے مراد ما سوی اللہ سے بے خوفی اور صرف اللہ سے ڈرنے کے ہیں یعنی جب اللہ اور بندوں کی مرضیاں آپس میں متصادم ہو جائیں۔

تو اللہ کی پروا کرو۔ اور غیر اللہ کی مرضی کو ترجیح مت دو۔

۳۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اور اگر اے مسلمانو! تم صبر کرو اور
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا محتاط رہو تو ان کی کوئی تدبیر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی

یہاں تقوے سے مراد چوکنا اور خبردار رہنے کے ہیں یعنی اگر مسلمان کفار کے مقابلے میں جہاد کرنے میں صابر رہیں اور ان کی چالوں سے محتاط رہیں تو ان کی تدابیر مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گی۔

۴۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو۔

اس آیت میں تقویٰ مومن اور کافر سب کے لئے عام ہے ڈرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۵۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ اس دن سے ڈرو جس میں اللہ کی طرف
فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔ لوٹائے جاؤ گے۔

یہاں اتقا کی نسبت قیامت کے ہولناک دن کی طرف کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تقوے کسی خطرناک چیز یا ہولناک دن سے ڈرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۶۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ یہ کتاب (قرآن) اس میں کچھ شک نہیں
فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

اس آیت میں متقین کے ضمن میں تقوے کی اس طرح تفصیل بیان کی گئی ہے کہ متقیوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ

اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ یعنی تقوے ایمان بالغیب لانے، نماز قائم کرنے، خدا کی راہ میں دینے، اور قرآن اور دیگر ماقبل آسمانی کتابوں کو ماننے اور قیامت کا یقین کرنے کا نام ہے۔

غرضکہ تقوے مذکورہ آیات میں مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن روزوں کی آیت میں تقوے سے وہی نورانی کیفیت مراد ہے جو شرعاً بری باتوں سے بچانے اور نیکی کی طرف راغب کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہے۔

میرے نزدیک تقویٰ ایک ایسا پختہ کردار، ایک ایسی لطیف سیرت اور ایک ایسا اعلیٰ درجے کا معیاری کیرکٹر یا صحت مند روح ہے جس کا صحیح تصور روزے کے ثمر اور نتیجے کے طور پر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ماتحت پیش کیا گیا ہے۔ اور اسی پر روزے کا تمام مضمون گردش کر رہا ہے۔

روزے سے تقوے کا حصول کیسے

روزہ، مسلمان روزہ دار کو تقوے سے کس طرح سرفراز کرتا ہے اس کے متعلق ابھی گذشتہ اوراق میں ہم نماز کے متعلق گفتگو کر چکے ہیں جس طرح نماز، نمازی کو بے حیائی اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ وہی صورت بعینہ روزے کے متعلق بھی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ الصلوٰۃ میں الف اور لام سے اعلیٰ درجہ کی نماز مراد ہے۔ ایسی نماز کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ (نماز نور ہے) کہا گیا ہے۔ نور کے برعکس گناہوں کا اندھیرا ہوتا ہے۔

اور نور و تاریکی دونوں متضاد ہو کر جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے واقعی نماز جس کو نور کہا گیا ہے ایسی قسم کی نماز کا ادا کرنے والا بے حیائی سے بچتا ہے۔ ایک واقعی عالم کو اس کا علم کھلا گناہ کرنے سے حجاب بن جاتا ہے۔ لیکن انسان نفس امارہ سے بعض اوقات پختہ نمازی ہونے کے باوجود ایسا مغلوب ہوتا ہے کہ اس سے گناہ ٹپک پڑتے ہیں اور اسی کا نام انسان ہے اور اس کی پاکی کا علاج توبہ ہے جس سے پھر وہ اصلی حالت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ کیا صاف کپڑا میلا ہو کر پاک اور اصلی حالت کی طرف نہیں آجاتا۔ خدائے کریم تو ارشاد فرماتے ہیں:-

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا	اے میرے بندو! جنھوں نے (گناہوں کی)
عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ	اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت
رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ	سے ناامید مت ہو جاؤ (توبہ کرو) اللہ
الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔	سب گناہ بخش دے گا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بہرحال جس طرح نماز اصلی روح اور کمال خشوع و خضوع کے ساتھ دل سے موافق و مناسب ہونے کے باعث مستقلاً گناہوں کے لئے ڈھال بن جاتی ہے اسی طرح روزہ بھی اپنی اصلی روح اور کمال کے ساتھ روزہ دار کو مستقل صاحب تقویٰ اور متقی بنا دیتا ہے۔

روزے کی تعریف فقہ کی نگاہ میں

کتب فقہ میں روزے کی تعریف

حسب ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:-

اَلصَّوْمُ هُوَ تَرْكُ الْاَكْلِ وَ	کھانے، پینے اور جماع کو صبح صادق
الشُّرْبِ وَ الْجِمَاعِ مِنَ الْفَجْرِ	سے غروب آفتاب تک تقرب کی نیت
اِلٰی غُرُوْبِ الشَّمْسِ بِنِيَّةِ	سے چھوڑ رکھنے کا نام روزہ ہے -
التَّقَرُّبِ مِنَ الْاَهْلِ -	(عالمگیری کتاب الصیام)

روزے کی اس تعریف سے ایک اجمالی تصور اور ایک کلی اصول ہمارے سامنے آجاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ احکم الحاکمین کی شان بے نیازی بندوں سے تین چیزوں کی قربانی چاہتی ہے اور وہ یہ کہ بندہ ہماری خاطر مذکورہ تین چیزوں سے کنارہ کش ہو جائے۔

لیکن کسی فریضے کے اصول کلیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان کے اصولوں کے سوا باقی امور جو ان کو سنوارنے اور خوبصورت بنانے میں ممد و معاون ہوں ان سے بالکل چشم پوشی کر لی جائے۔ نماز کے فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور مستحبات بھی نماز کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں لہٰذا جب نماز کی حقیقت کا تصور کیا جائے تو اس میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات تمام ہی چیزوں کا تصور آئے گا۔ اسی طرح جب روزے کا تصور آئے گا اور یہ اصول پیش نظر ہوں کہ کھانے، پینے اور جماع کرنے سے صبر کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دیگر فواحش اور ذمائم یعنی بری باتوں سے پرہیز کرنا ضروری نہیں۔ اس کی وضاحت یوں خیال میں لائیے کہ جسم کا لباس سے ڈھانپنا اخلاقی اور عقلی طور پر ضروری

ہے۔ بظاہر اس کا منشا اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ ایک کپڑے کو درمیان سے بقدر ضرورت پھاڑ کر گلے میں ڈال لیا جائے جس کا ایک حصہ آگے اور دوسرا پیچھے لٹک کر ستر کا کام انجام دے سکے لیکن اگر اس کپڑے میں باقاعدہ آستین، کف، کالر اور دیگر محسنات اور سلیقہ شعار اصول برتے جائیں تو کپڑا بھی خوبصورت ہو جائے گا اور اس سے انسانی جمالیات کی تزئین بھی ہو جائے گی۔

پس جب ہمارے سامنے روزے کی اجمالی تعریف اور حقیقت آتی ہے تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس میں وہ امور بھی پیش نظر رکھے جائیں جن سے روزے میں خرابی پیدا نہ ہو۔

بات یہ ہے کہ کسی مرض سے صحت حاصل کرنے کے لئے جہاں صحیح علاج درکار ہے وہاں اس سے زیادہ مضر اشیاء سے پرہیز کی بھی ضرورت ہے علاج کتنا ہی حذاقت اور مہارت سے کیوں نہ کیا جائے لیکن پرہیز نہ ہو تو اس مریض کا خدا ہی حافظ ہے۔ اس لئے روزے کے اصول پر کاربند ہونے کے لئے ان مضر اور نقصان دہ برائیوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے جو روزے میں خلل اور نقص پیدا کرتی ہیں۔ جب حقیقت یہ ہو تو پھر روزے کے درخت پر روزہ دار تقوے اور پرہیزگاری کا شیریں اور خوش ذائقہ پھل دیکھے گا اور اس سے شاد کام ہوگا۔

روزہ داروں کے درجات امام غزالیؒ کی نگاہ میں

اسی تقسیم کی حقیقت کے پیش نظر امام غزالیؒ

نے روزہ داروں یا خود روزے کے تین درجے متعین کئے ہیں۔

۱۔ عوام کا روزہ :- یہ وہ روزہ ہے جس میں کھانے پینے اور وظیفۂ زوجیت سے پرہیز کیا جائے اور اس سے زیادہ خصوصیات عوام کے روزوں میں شاید ہی ہوتی ہیں۔

۲۔ خواص کا روزہ :- جس میں ترک خورد و نوش اور وظیفۂ زوجیت کے علاوہ، غیبت، چغل خوری، دشنام طرازی، جھوٹ، بیہودہ گفتگو، مردم آزاری اور دیگر ہر قسم کی بداخلاقی کی باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ روزہ عوام کے روزوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

۳۔ مقربین اور اخص الخواص کا روزہ :- جس میں نہ صرف خواص کے روزوں کی خصوصیات ہوتی ہیں بلکہ ہر قسم کے ایسے تخیل سے بھی ان کا دل و دماغ پاک ہوتا ہے جو روزے کے لئے مضر ہوتے ہیں یہ روزہ دار برائیوں کے تخیل سے تو در کنار روزے کی افطاری کے انتظام و اہتمام، سرد اور مفرح مشروبات اور لذیذ کھانوں کو بھی ضمیر نفس اور مقام صوم کی اصلی روح کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ جس طرح وہ مقربین جن کا کوئی سانس ذکر الٰہی کے بغیر خالی گزر جائے تو اس کو اصل اور حقیقی زندگی کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہی سانس زندگی کے سانس ہیں جن میں اللہ کی یاد اور اس کا ذکر دل اور زبان کو گرمائے رکھتا ہے۔ یہی حال مقربین روزہ داروں کا ہوتا ہے کہ وہ کسی وقت روزے کی لطافت میں کسی کثافت کو پیدا ہونے سے روکتے ہیں۔ جب روزے کا یہ مقام ہو تو پھر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اور تقوے کی راہ روزہ دار کو صاف دکھائی دیتی نظر آتی ہے۔

دربارِ عشق میں روزے کا مقام

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب
رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند

حضرت نے اپنی مایۂ ناز تصنیف حجۃ الاسلام میں اصول اسلامی پر جا بجا متصوفانہ علم کلام کے رنگ میں دلکش تبصرہ فرمایا ہے۔ مضمون کا مفہوم پیش کرتا ہوں۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"عشق مجازی والے کسی سے عشق و محبت کی بنیاد اس طرح رکھتے ہیں کہ محبوب سے آشنائی قائم کرنے کے لئے کئی کئی بار اس کے گھر جاتے ہیں جب آمد و رفت کا یہ سلسلہ پختہ دوستی کی بنیادوں پر دیواریں بلند کر چکتا ہے تو پھر معشوق کی ضیافت اور اپنے گھر بلا کر مہمانی کا مقام پیدا کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کیلئے اپنے مال کو خرچ کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ جب محبت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کے بعد محبت کا وہ مقام آتا ہے جس میں عاشق کو نہ اپنے کھانے کی پروا ہوتی ہے اور نہ پینے کی نہ بیوی کا خیال ہوتا ہے نہ خواہش نفس کا۔ گویا محبوب کی محبت پر اپنی خواہشات نفسانی و جسمانی کو قربان کر دیتا ہے اور پھر اس کے بعد بالآخر ایک وہ مقام آجاتا ہے کہ عاشق مجنونیت اور فریفتگی کے قالب میں ڈھل کر دیوانگی اختیار کر لیتا ہے۔

عشق کی یہی ترتیب اصول اسلامیہ میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ سب سے پہلا مقام نماز کا ہے یعنی معشوق حقیقی کے گھر شبانہ روز پانچ دفعہ آمد و رفت

رکھ کر مسلمان محبت کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ جب بنیاد محکم ہو جاتی ہے تو اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے جس کا نام زکوٰۃ ہے۔ مال خرچ کرنے کے بعد ایک اور مقام آتا ہے جس میں عشق رنگ لاتا ہے اور حقیقی محبوب کی محبت میں مومن بھوکا اور پیاسا رہنے لگتا ہے اور اپنی لذتوں کو اس پر قربان کر دیتا ہے اس کا نام روزہ ہے۔ پھر ایک آخری منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور وہ ہے فرادیت اور محبوبیت کی منزل۔ اب اس دیوانے کے بال بڑھتے چلے جا رہے ہیں تو کٹوانے کی اجازت نہیں۔ ناخن بڑھتے جا رہے ہیں تو کم کرانے کی فکر نہیں، سر میں جوئیں پڑ جائیں تو پروا نہیں، جنگل میں مارا مارا پھرتا ہے، کبھی پہاڑیوں اور وادیوں میں دوڑتا ہے۔ سر سے کفن باندھا ہوا ہے۔ کبھی اس گھر کا طواف کر رہا ہے۔ ٹیلوں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر پکارتا ہے۔ کبھی میدان میں فرش ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسی کا نام حج ہے

اب آپ دیکھئے کہ اصول اسلامی محبت و عشق کے منازل طے کرانے کے کتنے اچھے اور موثر اصول ہیں۔ انہی میں تیسرا مقام روزے کا ہے۔ عشق کی یہی دیوانگی کا نام ہی تو یہ ہے کہ معشوق کے حکم کے سوا کسی اور خیال میں عاشق ہرگز قدم نہیں رکھتا۔

ماہِ رمضان کا تجزیہ

ماہ رمضان کو اگر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ایک ایک عشرے کی تین منزلیں ہو جائیں گی۔

۱۔ پہلا عشرہ یا منزل اول۔ نفس کے مجاہدے اور شفقت کی

سمجھ لیجئے جس میں مجاہدے کی بھٹی میں نفس کو پگھلا کر مادۂ سیال بنایا جاتا ہے

۲۔ دوسرا عشرہ:- جو گیارہ سے بیسویں روزے تک چلا گیا ہے۔ یہ عشرہ صفائی نفس کا عشرہ ہے۔ اس عشرے میں مادۂ سیال سے میل کچیل علیحدہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرا عشرہ:- روح کو پالش اور جلا دینے کا ہے۔ اسی عشرے میں اعتکاف ہوتا ہے جس کا منشا دنیا کے خرخشوں سے یکسو ہو کر خدائے کریم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اور ایک مسجد کے گوشے میں بیٹھ کر نور معرفت کا حصول اس کی غایت و غرض ہے۔

شب قدر ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھ کر ایک مسلمان میں شیطانی اور بہیمانہ قوتوں کو شکست دے کر روحانی تجلیات ابھر سکتی ہیں جو انسان کو ملکوتیت کی طرف لے جانے میں مدد و معاون ہوتی ہیں اور اس پر وہ شب قدر منکشف ہو سکتی ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:-

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ	ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے
الْقَدْرِ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ	اور کیا آپ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا
مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ	ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں (کی
الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ	عبادت) سے بہتر ہے کیونکہ اس رات
شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ	میں فرشتے اور بالخصوص جبریل اپنے رب
فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ	کے حکم سے ہر ایک حکم کو اترتے ہیں اور

سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ۝ طلوع فجر تک سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔
(سورۃ قدر پارہ ۳۰)

یہ رات احادیث کے ترجیحی فیصلے کے مطابق رمضان شریف کے آخری عشرے کی طاق راتوں یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں بلکہ بالخصوص ستائیسویں رات میں ظہور پذیر ہونے کا گمان رکھتی ہے۔ لہٰذا اس ایک رات کی عبادت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر یہ رات کسی پر منکشف ہو جائے یعنی کسی کی عبادت اور دعا اس رات کے مطابق جا پڑے تو وہ فیض انوار ربانی سے مالا مال ہو جاتا ہے اور یہ اسی پر منکشف ہو سکتی ہے جو روزوں کی تجلیات سے منور ہو کر اپنی روح کو عالم ملکوت کے مناسب کر لیتا ہے۔ اسی واسطے اس رات کا رمضان شریف کے آخری عشرے میں نشان دیا گیا ہے۔ اور اس عشرے ہی میں شب قدر کا ظہور اور فرشتوں کا نزول عقلاً مناسبت بھی رکھتا ہے۔

شب قدر، نزول ملائکہ اور آخری عشرے میں روزہ دار کا روحانی عروج

اب شب قدر، فرشتوں کا اس رات میں دنیا پر نزول اور ادھر روزہ داروں کی روحانیت کا ارتقا۔ یہ سب چیزیں آپس میں مناسبت رکھتی ہیں۔ انسان روزوں کے باعث کثافتوں سے پاک ہو کر روحانیوں یعنی فرشتوں سے مناسبت کے قابل بن جاتا ہے اور یہ سب امور رمضان کے آخری عشرے ہی میں متعین ہونا

عقلاً درست معلوم ہوتے ہیں تاکہ خواص و اخص مومنین کی روحانی ترقیات اور لائحہ جو محض نور اور روح ہیں ان میں باہمی ربط ہو سکے۔ اسی روحانیت کی صفائی اور تزکیہ کو تقدس کہتے ہیں جو روزوں کا مقصد ہے جس سے ہم اب تک بحث کرتے چلے آرہے ہیں۔

تقوے اور متقین کا صلہ

روزوں کے ذریعہ تقوے کا حصول انسانیت کی معراج ہے۔ اور یہی مقصد زندگی ہے کہ انسانیت حاصل ہو جائے جس کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مگر تقوے کا انعام، حصول انسانیت کے سوا متقین کے لئے قرآن کریم میں جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے حکیمانہ کلام ہونے کی میرے نزدیک ایک یہ بھی دلیل ہے کہ وہ جس عبادت کا حکم دیتا ہے۔ اس کا جسمانی یا روحانی فائدہ بھی پیش کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دنیوی یا اخروی انعام اور صلہ بھی پیش کرتا ہے۔ چنانچہ متقین کے انعامات کے سلسلے میں منعم حقیقی فرماتے ہیں:-

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَّعُيُونٍ	یقیناً متقی لوگ سایوں، چشموں اور پھلوں
وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۝ كُلُوا	میں جن کو ان کا جی چاہتا ہے۔ ہونگے۔
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ	کھاؤ اور پیو سیر ہو کر تم اپنے کام کرتے
تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي	تھے ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی انعام
الْمُحْسِنِينَ ۝ (پارہ ۲۹ آخری رکوع)	دیتے ہیں۔

تیسویں پارے کے دوسرے رکوع میں متقین کے انعام کے متعلق فرماتے ہیں:-

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ	بے شک متقیوں کو ان کی مراد ملنی ہے
وَ اَعْنَابًا وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا	(انکے لئے) باغ اور انگور ہیں اور ہم عمر
وَّ كَاْسًا دِهَاقًا لَا يَسْمَعُوْنَ	نوجوان عورتیں اور پیالے چھلکتے ہوئے
فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا جَزَآءً	وہاں نہ وہ بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ
مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝	یہ بدلہ ملیگا آپ کے پروردگار کی طرف
(پارہ ۳۰۔ نبا۔ رکوع ۲)	سے حساب سے دیا ہوا۔
قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ	کہدیجئے کہ کیا میں ان (دنیاء فانی کی چیزوں)
لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ	سے بہتر تمہیں نہ بتلاؤں متقیوں کے
جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں کہ ان
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ	کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ
مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ	رہیں گے اور پاک بیبیاں اور ان سے
اللّٰهِ ۔ آلعمرٰن ۝	بھی بڑھ کر اللہ کی خوشنودی۔

مذکورہ بالا تینوں آیات قرآنیہ میں متقیوں کو جن انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے وہ ان میں سے حسب خواہش کھانے پینے کی چیزیں، باغات، انگور، ازواج مطہرہ، اعلیٰ درجے کے محل اور مستقل رہائش گاہیں اور اللہ کی خوشنودی یہ وہ سب چیزیں ہیں جو متقین کو انعام میں ملیں گی گویا روزہ دار متقین کے یہ سب انعامات ہیں۔

یہ انعام کیوں دنیا میں انسانی فطرت اور اس کی خواہشات کا انتہائی

نقطۂ عروج یہ ہے کہ اسے کوٹھی، باغ، پھل، بہترین مشروبات، دولت، نوکر چاکر، سواری کے لیئے کار اور حسین بیوی مل جائے۔ لہٰذا اگر آخرت میں بھی خدائے رؤف و رحیم کی طرف سے انسانی فطرت کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق نیکیوں کا انعام ملے تو یہ عین فطرت کے مطابق ہے۔ اور اس میں مضحکہ انگیزی اور تمسخر کی کونسی بات ہے۔

فیصلہ

اب تک ہم كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے مضمون کی تکمیل میں مصروف تھے۔ اب تقوے کی تفصیلات سے عہدہ برآ ہو کر اور متقین کے انعامات سے فارغ ہو کر بقیہ روزے سے متعلق رکوع کی تفصیلات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

آمدم بر سر مطلب

مضمون یہ تھا کہ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے اہل کتاب یا آسمانی اہل مذاہب پر فرض کیئے گئے تھے۔ لیکن ایسی مشقت آمیز عبادت کے بعد اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فرما کر گنتی کے روزوں کا ذکر کیا۔ مگر روزوں کی کل تعداد نہیں بتائی گئی۔ بلکہ اس سے پہلے بیماروں اور مسافروں کا حکم بیان فرمایا یعنی: —

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط	اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا سفر میں تو دوسرے دنوں میں ان کا شمار ہے۔

روزوں کی قضا بیمار اور مسافر پر

یعنی رمضان کے بعد بیمار اور مسافر

اپنے ان روزوں کی جو قضا ہو گئے ہیں اس طرح گنتی پوری کریں کہ اتنے ہی روزے رکھ کر پورے کرلیں۔

واضح رہے کہ بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے جس میں روزہ رکھنے سے مرض میں اور زیادتی ہو جائے گی یا صحت پر برا اثر پڑے گا یا مرض سے صحتیاب ہونے کے بعد مرض کی وجہ سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو بیماری کی ان صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ بلکہ اگر روزے سے مرض بڑھ جانے یا جان کا خطرہ ہے تو اس صورت میں رکھا ہوا روزہ توڑ دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے حقوق کی ادائیگی کا اسی حد تک طلبگار ہے جس میں نفس اس کو برداشت کرسکے۔ بہرحال بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ شرط ہے۔ کہ کوئی دیندار طبیب یا ڈاکٹر کہہ دے کہ روزہ تمہیں نقصان دے گا۔ لیکن اگر ڈاکٹر یا طبیب غیر مسلم ہے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ حکیم یا ڈاکٹر نے تو نہیں کہا البتہ اپنا تجربہ ہے یا ایسے آثار ہیں جن سے بیماری میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے تو ڈاکٹر یا طبیب کی اجازت کے بغیر بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ مسافر سے بھی شرعی مسافر مراد ہے جو اڑتالیس میل انگریزی کا سفر کر رہا ہو۔ تفصیلی مسائل آگے آئیں گے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

مسافر اور بیمار کو روزوں سے مستثنیٰ کرکے آگے فرماتے ہیں:۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ — اور ان لوگوں پر جن کو روزہ رکھنے کی

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

طاقت ہے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا بدلہ ہے لیکن جو کوئی زیادہ نیکی کرے تو اس کے لئے بہتر ہے اور اگر روزہ بھی رکھو تو وہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

روزے کی طاقت کے باوجود ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم بدل چکا ہے۔

مذکورہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ جو روزہ رکھ سکتے ہیں اور طاقت کے باوجود اگر وہ کسی ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں تو پھر انہیں اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں لیکن اگر وہ فدیہ کی بجائے روزہ بھی رکھیں تو بہتر ہے۔

مذکورہ بالا آیت اپنی جگہ بالکل مسلم ہے اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اس کے معانی کو اپنے ڈھب پر لانے کے لئے ادھر ادھر کی تاویلیں کریں لیکن یہ حکم اس وقت تھا جب روزوں کی مشکل اور شاق عبادت کی ابتدا تھی۔

قرآن کریم میں بعض ایسے احکام و فرائض اور منع کئے ہوئے معاملات میں نفسیات اور تدریج کا خیال رکھ کر ان کو بتدریج فرض یا حرام کیا ہے جن میں لوگوں کو فوراً عمل کرنے یا ان کے چھوڑ دینے میں کلفت اور دقت محسوس ہو سکتی تھی۔

حرمت شراب

مثلاً شراب کی حرمت ہی کو لیجئے۔ عرب کے لوگ شراب کے بُرے عادی تھے۔ بلکہ یہ ام الخبائث ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اسلام نے اس کی حرمت کے لئے بتدریج قدم اٹھایا۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلا درجہ یہ ہے جو حسب ذیل آیت میں فرمایا گیا:۔

۱۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ	یہ لوگ شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے
وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ	ہیں۔ کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ	ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں۔
مِنْ نَفْعِهِمَا ۰ (قرآن بقرہ رکوع ۲۷)	(البتہ) ان کے گناہ نفع سے زیادہ ہیں۔

اس آیت میں شراب میں نفع و نقصان کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں دونوں باتیں ہیں نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔ لیکن اس کے نقصان یا گناہ نفع سے زیادہ ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا گیا۔ البتہ یہ بتلا رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ شراب کو پسند نہیں کرتے۔

پھر ایک دعوت میں جس میں کھانا ہو چکنے پر شراب کا شغل ہوا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ جماعت سے نماز میں مشغول ہو گئے۔ امام نے سورہ کافرون پڑھی اور اس میں لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو) کی بجائے أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (جس کی تم عبادت کرتے ہو اسے کفار) میں اس کی عبادت کرتا ہوں) پڑھا گیا جس کے معنی کفریہ ہو جاتے ہیں۔

چونکہ شراب کا نشہ چڑھا ہوا تھا اس لئے ایسی غلطی ہوئی۔ اس موقع پر حسب ذیل آیت نازل ہوئی:۔

۳۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی نہ جاؤ
لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ	جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو تا آنکہ تم اس
سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا	قابل ہو جاؤ کہ جو کچھ پڑھ رہے ہو اس
تَقُوْلُوْنَ (سورہ نساء رکوع ۷ پارہ ۵)	کو جان سکو۔

یہ دوسرا درجہ ہے کہ اس میں بھی اگرچہ شراب کی حرمت کا تو حکم نہیں ہوا البتہ یہ فرمایا گیا کہ حالت نشہ میں نماز مت پڑھو کہ تمہیں لَا اَعْبُدُ اور اَعْبُدُ کا بھی ہوش نہ رہے کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ لیکن اس میں بھی تیور بتا رہے ہیں کہ وقت آیا چاہتا ہے کہ شراب کو ممنوع قرار دے دیا جائے اسی لئے حضرت عمرؓ اس آیت کو سن کر پکار اٹھے اَللّٰهُمَّ بَیِّنْ لَنَا بَیَانًا شَافِیًا (اے اللہ ہمیں صاف صاف شفا بخش اور دو ٹوک فیصلہ سے اطلاع دیجئے) تب حسب ذیل آیت نازل ہوئی۔ اور تیسرے درجے میں شراب کو حرام قرار دے دیا گیا اور فرمایا گیا:۔

۴۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا	بجز اس کے نہیں کہ شراب اور جوا اور بت
الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ	پانسے سب شیطانی ناپاک کام ہیں پس ان
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ	سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو
الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ	چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور
تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ	جوئے کے ذریعے دشمنی اور عداوت ڈالے

اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ   تم کو اللہ کی یاد سے روکے تو کیا تم
وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ   اب باز آؤ گے۔
وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ رکوع ۱۲ پارہ ۷)

اب شراب کی حُرمت کا صاف صاف اعلان کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ بُت پرستی کی طرح شراب جیسی ناپاک چیز سے بھی پرہیز کرو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ کو سُن کر چلّا اٹھے اِنْتَھَیْنَا اِنْتَھَیْنَا (ہم باز آگئے ہم باز آگئے) پھر کیا تھا شراب کے مٹکے ٹوٹے پڑے تھے، میخانہ سُونا تھا، جام و مینا ٹکڑے ٹکڑے تھے۔ مدینے کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی اور جو لوگ شراب کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے وہ آج اپنے ہاتھوں سے خُم کے خُم لنڈھانے کی بجائے خُم کے خُم بہا رہے تھے۔ رحمت خوش ہو رہی تھی اور شیطنت کے گھر میں صفِ ماتم بچھ رہی تھی۔ عداوت و بُغض کے گلے پر خنجر چل رہا تھا اور یادِ الٰہی سے رکاوٹ کے پردے ہٹ رہے تھے۔ عرب کے پس ماندہ بادیہ رو اور صحرا نورد ہوش میں آ رہے تھے اور آجکل کے باہوش بیہوش ہو رہے ہیں۔ شراب کو دل دے بیٹھے ہیں، پیتے ہیں اور دل کھول کر ممالکِ اسلامیہ میں ڈنکے کی چوٹ پیتے ہیں۔ ہوشیار ہو کر بے ہوش بنتے ہیں۔ فارورڈ (farward) بیک ورڈ (BaeK word) نظر آتے ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ بعض بے خبر مگر اپنے گمان میں باخبر، ہمارے خیال میں بے علم اور اپنے خیال میں باعلم ترقی یافتہ مسلم ممالک میں رہ کر بیباک جنبشِ قلم شراب کو حدِ جواز میں لانے کی کوشش

ہیں سردھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ہمارا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہو جاتا اگر یہ لوگ شراب کو حرام کہہ کر پیتے۔ مگر جائز کر کے پینے میں خدا اور نفس کو جو فریب دیتے ہیں۔ وہ داد کے قابل ہے کہتے ہیں قرآن کریم میں شراب کہاں حرام ہے هَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ہی تو کہا گیا ہے۔ آئیے ایسے آنکھوں کے اندھوں کو میں بتاتا ہوں کہ شراب کو صاف قرآن کریم میں حرام کہا گیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ایک منطق کی بات سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو ہر اتوار کو چھٹی ملتی ہے۔ لہٰذا جس دن اتوار ہوگا چھٹی کا دن ہوگا خواہ کہیں صاف لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔ مثلاً

۱۔ آج اتوار ہے۔ (صغریٰ)
۲۔ اور ہر اتوار کو چھٹی ہوتی ہے۔ (کبریٰ)
۳۔ لہٰذا آج چھٹی ہے۔ (نتیجہ)

اب شراب کی صاف صاف حرمت قرآن سے سنیئے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (یہ لوگ شراب کے متعلق پوچھتے ہیں)

۱۔ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ (ان میں گناہ ہے) (صغریٰ)
۲۔ وَالْاِثْمُ حَرَامٌ۔ (گناہ حرام ہے) (کبریٰ)
۳۔ فَالْخَمْرُ حَرَامٌ۔ (پس شراب حرام ہے) (نتیجہ)

اب جب کہ شراب اثم ہے اور اثم یعنی گناہ قرآن کی دوسری حسب ذیل آیت سے حرام ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ
وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ
تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ
سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(اعراف رکوع ۴)

کہدیجئے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ میرے
رب نے ظاہری و باطنی بے حیائیوں اور
اثم (گناہ) اور ناحق کی زیادتی کو حرام
قرار دیا اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ
کے ساتھ ایسے کو شریک ٹھہراؤ جس
کی تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ
بھی حرام ٹھہرایا کہ اللہ پر تم وہ باتیں لگاؤ
جو تم جانتے نہیں۔

لہذا شراب کا بھی حرام ہونا واضح ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ میں اثم کو شرک کے برابر میں رکھ کر حرام قرار دیا گیا ہے۔ پس اے آجکل کے شرابیو هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔

ہم اپنے مقصد کے اثبات میں ذرا دُور نکل گئے۔ مگر یہ دُور نکلنا بھی مفید ضرور تھا۔ اس لئے پھر روزوں کی طرف لوٹتے ہیں۔

ہاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ مخاطبین کی غیر معمولی شراب کی عادت کے پیش نظر یہ سہل نہ تھا کہ فوراً شراب کو حرام قرار دے دیا جائے اس لئے نہایت حکیمانہ انداز اور تدریج سے پہلے ان کے دلوں میں شراب کی نفرت بٹھلائی گئی اور پھر آہستہ آہستہ اس کی حرمت کی طرف ان کے دلوں کو لایا گیا اور پھر اس کو حرام کر دیا گیا۔

اسی طرح روزہ جیسی دشوار عبادت میں پہلے ان کو روزے سے مانوس

بنایا گیا اور روزے کی قدرت کے باوجود یہ حکم بھی رکھا گیا کہ اگر کوئی روزے کی بجائے فدیہ میں مسکین کو کھانا کھلا دے تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہیں اس لئے ان کو معلوم تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ کج راہ قسم کے لوگ اس آیت کے غلط معنی پہنا کر لوگوں کو وسوسے میں ڈال دیں گے اور کہیں گے کہ قرآن کریم میں تو یہ ہے کہ اگر روزے کی طاقت کے باوجود ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا جائے تو روا ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بتدریج شراب کی حرمت کی طرح فدیے کو ہٹا دیا گیا اور اس کے بعد آیت میں صاف کہا گیا:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ	(وہ ایام معدود) رمضان کے ماہ
فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی	کے روزے ہیں جس میں قرآن جیسی کتاب
لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ	لوگوں کے لئے ہدایت اور واضح احکام
الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ	بیان کرنے والی اور حق و باطل میں فرق
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ	کرنے والی نازل کی گئی لہٰذا جو کوئی اس مہینے
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔	کو تم میں سے پائے تو اس کے روزے رکھے

روزوں کی فرضیت، دوسری امتوں پر فرضیت صیام کی مشابہت متقی ہونے کے اعلیٰ فوائد اور گنتی کے دنوں کے روزوں کے ذکر اور پھر مریض اور بیمار کے استثنا اور پھر طاقتور کو روزے کے فدیہ کی رعایت دینے کے بعد مذکورہ آیت میں بتدریج تمام رمضان کے مہینے کے روزوں کا حکم

صادر فرما دیا گیا۔ جو قیامت تک کے لئے اٹل اور ناقابل ترمیم ہے۔

طاقت رکھتے ہوئے فدیہ نہیں

اس اجمال کی قدرے تفصیل اور شفا بخش تفصیل دکھا دیجئے۔ مگر تفصیل سے پہلے بعض فیصلہ شدہ باتوں پر غور کیجئے یعنی

۱۔ اُمّتِ مسلمہ اور علمائے ربّانی کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان مرد اور عورت تندرست عاقل و بالغ اور غیر معذور پر فرض ہیں۔ اور تمام اُمّت اور تمام ائمہ اور علمائے ربّانی کے اجماع کے بعد کوئی دوسرا فیصلہ قابل سماعت نہیں اور یہ بعید از عقل ہے کہ ساری اُمّتِ مسلمہ اب تک گمراہی پر چلی آ رہی ہے۔ کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہی ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ کا یہ مطلب ہے کہ روزے کی طاقت کے باوجود اگر کوئی فدیہ دے دے۔ تو روزہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ اُمّتِ مسلمہ تواتر کے ساتھ روزوں کی فرضیت پر عملی اور قولی طور پر عامل ہے۔

۲۔ احادیث میں بارہا جگہ اسلام کی بنیادوں کا پانچ چیزوں پر قائم ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اور ان میں واضح اور صاف طور پر صوم رمضان ایک سنگ بنیاد بتایا گیا ہے۔ اگر ایک مسکین کو ہر روزے کے عوض کھانا دے کر رمضان کے روزوں سے بچ جانا سہل ہو گیا ہوتا تو اسلام کا ایک ستون گر کر اس کی عمارت کو گرانے کے لئے کافی ہوتا۔

۳۔ ایک ہی آیت میں روزوں کی فرضیت اور اس کے ذرا بعد اس کا

فدیۂ طعام مسکین کے ذریعہ اٹھا دینا اچھا خاصہ مذاق سا معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ ایک طرف تو سخت سے سخت مرض اور دشوار گذار سفر میں بھی روزوں کو اس طرح ساقط نہ کیا جائے کہ بعد رمضان ان کی قضا نہ ہو اور دوسری طرف فدیۂ مسکین پر اُن کو ختم کر دیا جائے، حیرت کی بات نہیں تو اور کیا ہے۔

لہٰذا "فدیۂ مسکین باوجود طاقت" کا نظریہ بالکل غلط ہے اور ہمیشہ کے لئے رمضان کے روزوں کا فرض ہونا مسلم۔ اس سلسلے میں ہم آپ کو ایک تحقیقی فیصلے کی طرف لئے چلتے ہیں۔ جو بخاری کے شارح امام عینی حنفی نے بخاری کی شرح عینی میں اس آیت کے متعلق تحقیق کی روشنی میں فرمایا ہے لکھتے ہیں :۔

كان في بدء الاسلام فرض	ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر روزے
عليهم الصوم فاشتد	فرض کئے گئے لیکن ان پر سخت گذرے
عليهم فرخص لهم في	اس لئے ان کو افطار اور فدیہ کی اجازت
الافطار والفدية وقال	دی گئی۔ اور معاذؓ نے کہا کہ ابتدائے اسلام
معاذ كان في ابتداء الامر	میں جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا
من شاء صام ومن شاء افطر	افطار کرتا اور ہر روزے کے بدلے ایک
واطعم عن كل يوم مسكينا حتى	مسکین کو کھانا کھلا دیتا یہاں تک کہ
نزلت الاية التي بعدها	بعد کی آیت نازل ہوئی۔

(عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ مصر)

اس عبارت سے روزوں کی فرضیت میں بتدریج احکام کے نزول کا صاف پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزوں سے متعلق تمام آیات ایک مرتبہ ہی نازل نہیں ہوئیں۔ بلکہ بتدریج نازل ہوئیں جن کو تین مدارج میں نازل کیا گیا:۔

۱۔ اوّل یہ کہ تم پر روزے فرض کئے گئے جس کا مقصد یہ ہے کہ تم نیک بن جاؤ اور روزے بھی گنتی کے ہیں۔ البتہ بیمار اور مسافر مستثنیٰ ہیں وہ بعد میں قضا کریں۔

۲۔ لیکن روزہ جیسی مشقّت کی عبادت سے صحابہ مانوس نہ تھے اس لئے انہوں نے اس صبر آزما عبادت کو گراں سمجھا اس لئے پھر وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ نازل ہوئی کہ جس کی مرضی ہو روزہ رکھے اور جس کی خواہش نہ رکھنے کی ہو تو اسے بھی اختیار دیا گیا لیکن اس کے فدیہ میں ایک مسکین کا کھانا دینا طے کر دیا گیا۔ البتہ یہ بھی ضمیمے کے طور پر فرمایا گیا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ط یعنی اگر کوئی زیادہ نیکی کرے اور ایک مسکین کی بجائے دو یا زیادہ کو کھلا دے تو اور بھی بہتر ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ بھی فرمائش ہوئی وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم روزہ ہی رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت میں اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا ٹکڑا جس قدر لطف دے رہا ہے۔ اس کو اہلِ بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں ان تمام ذہنی اُلجھنوں قلبی وسوسوں اور شیطانی حیلوں کا قیامت تک کے لئے علاج کر دیا گیا ہے

جو سہل انگار لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں کھٹک سکتے یا قصداً پیدا کئے جا سکتے ہیں یعنی اگر تمہیں سمجھ ہے اور تم اہل علم ہو اور اس کے برعکس جہالت اور نادانی سے الگ تھلگ ہو تو پھر سمجھ لو اور جان لو کہ روزے رکھنے ہی بہتر ہیں۔ اس ٹکڑے کے تیور بعینہٖ اسی طرح کے تیور ہیں۔ جو شراب کی حرمت سے پہلے وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا میں ابھر رہے ہیں اور منشا و مرضی ربّانی کو بتا رہے ہیں۔ کہ روزہ روزہ ہی ہے اور افطار کر کے فقیر کو کھانا کھلا دینا خوشنودی ربّانی نہیں۔ اب مسئلے کی دو جانب ہیں :۔

١۔ منشائے ربّانی یعنی روزوں کا رکھنا۔

٢۔ منشائے انسانی یعنی افطار کرنا اور فدیہ دینا۔

لہٰذا اب یہ مومن کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ وہ اپنی مرضی کو مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ سے مقدم رکھنا چاہتا ہے یا خوشنودی خدائے عظیم کو۔ بہرحال موجودہ اور آئندہ فتنوں سے لبریز دور کے لئے اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں اصلاح کی پوری پوری گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

٣۔ روزوں کی فرضیت میں تیسری منزل :۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ	رمضان کے مہینے کے روزے (رکھو)
فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ	جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا جو لوگو
وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ	کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کی
فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ	جس میں واضح ہدایات ہیں اور حق و

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ
عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ
اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ
وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝

باطل میں امتیاز کا باعث ہے لہٰذا جو کوئی
تم میں سے اس مہینے کو پالے وہ روزہ رکھے
اور جو مریض یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں
میں گنتی پوری کرے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ
آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے وہ تنگی
کا ارادہ نہیں رکھتا اور تاکہ تم گنتی پوری
کر لو اور اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت
دی تم اس کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم
شکر گزاری کرو۔

اس تیسری منزل میں رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض کر دئے گئے اور صاف فرما دیا گیا کہ جو رمضان کے مہینے میں موجود ہو وہ تمام شرائط صوم کے بعد روزہ رکھے۔ البتہ مریض اور مسافر رمضان کے بعد قضا کر لیں۔ ان دونوں کو اس لئے مستثنیٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو تکلیف دینے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ مریض اور مسافر کے استثنا سے ان کو سہولت دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ رؤف و رحیم ہے اور لطف و رحمت ہی بنا پر احکام نازل کرتا ہے۔

علاوہ ازیں پورے ماہ کے روزے رکھانے میں وہ اپنی عظمت اور برتری کا اظہار چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ چونکہ اس نے تم کو ہدایت جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی ہے لہٰذا روزہ جیسی مشقت کی عبادت

سے اک گونہ اس کی نعمت ہدایت کا شکریہ ادا ہو جائے۔ لہٰذا اب پورے ماہ کے روزے ہی رکھا کرو جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے اور جو ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔

الغرض روزے کی یہ تین منزلیں تھیں کہ بتدریج اس کو تیسری اور آخری شکل دے دی گئی ہے۔

علامہ ابن جریر طبری اور روزوں کی تدریج فرضیت

ہم علامہ عینی شارح بخاری کی مذکورہ عربی عبارت کا حضرت معاذ کی روایت کی روشنی میں تحقیقی جائزہ پیش کر رہے تھے۔ اس کی تائید میں علامہ ابن جریر طبری کی حسب ذیل حدیث پر غور کیجئے جو انہوں نے بروایت ابن ابی لیلےٰ پیش کی ہے لکھتے ہیں:۔

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ مدینہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لما قدم	والوں کے پاس آئے تو ان کو ہر ماہ کے تین
عليهم امرهم بصيام	دن کے نفلی روزے رکھنے کو فرمایا جو فرض
ثلاثة ايام من كل شهر	کے طور پر نہ تھے راوی نے کہا کہ پھر رمضان
تطوعا غير فريضة قال	کے روزے کی فرضیت نازل ہوئی راوی
ثم نزل صيام رمضان	نے کہا کہ قوم کو روزے کی چونکہ عادت نہ
قال وكانوا قوما لم يتعودوا	تھی اس لئے ان پر روزہ شاق گذرا
الصيام قال وكان يشتد	پس جو شخص روزہ نہ رکھتا تھا وہ ایک
عليهم الصوم قال فكان	مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ پھر یہ آیت نازل

من لم یصم اطعم مسکینا۔	ہوئی یعنی جو شخص ماہ رمضان میں موجود
ثم نزلت ھذہ الآیۃ فمن	ہو تو وہ روزہ رکھے اور جو مریض یا مسافر
شھد منکم الشھر فلیصمہ	ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کو پورا
ومن کان مریضا او علی سفر	کرے۔ گویا مریض اور مسافر کو نہ رکھنے
فعدۃ من ایام اخر فکانت	کی اجازت تھی اور ہمیں روزوں کا حکم
الرخصۃ للمریض والمسافر	دیا گیا۔ (ابن جریر)

وامرنا بالصیام (تفسیر ابن جریر طبری صفحہ ۸۵ جلد ثانی مطبوعہ مصر)

اسی قسم کا مضمون بخاری شریف اور دیگر اکثر کتب احادیث میں موجود ہے۔ اور ابن لیلیٰ اور معاذ والی روایت جو علامہ عینی نے پیش کی ہے اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینے کے بعد روزوں کی تمام آیات اور حدیثی روایات جو بخاری، مسلم، دار قطنی، بیہقی اور ابو داؤد میں ہیں سب اپنی اپنی جگہ چسپاں اور منطبق ہو جاتی ہیں اور کسی قسم کا کوئی تعارض اور نسخ و تنسیخ کے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہم نسخ کے لفظ سے نہیں گھبراتے لیکن آپ کو خلجان میں بھی ڈالنا نہیں چاہتے کیونکہ ہر شخص کی اپنی قوت ادراک ہوتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ ہو سکتا ہے اور بالکل قرین قیاس ہے کہ کوئی اہل علم یہ شبہ پیش کریں کہ آپ نے جو روزوں کی آیات کو بتدریج تین قسطوں میں نازل ہونے کی توجیہ پیش کی ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ جس کے

اوّل میں واو عطف ہے اور اس کا پہلی آیت سے سخت ربط و اتصال ہے۔ بھلا یہ کیونکر علیحدہ دوسرے وقت میں نازل ہوئی ہوگی۔ اس کا جواب ہمارے نزدیک بالکل آسان اور صاف ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں مختلف جگہ ثابت ہیں۔ مثلاً جب لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ نازل ہوئی جس میں جہاد نہ کرنے والوں میں باہم مساوات کی تمیز کر دی گئی کہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے جو نابینا ہونے کے باعث جہاد میں شریک نہ ہو سکتے تھے آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لئے اس حکم میں استثنا ہونا چاہیئے تو اس پر غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ بعد میں نازل ہوئے یعنی معذور اس حکم میں داخل نہیں۔ حالانکہ استثنا اپنے مستثنیٰ منہ سے جدا نہیں ہوتا۔ اور غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کو سمجھ کر عقل تسلیم نہیں کرتی کہ یہ الفاظ بعد میں نازل ہوئے ہونگے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ ٹکڑا بعد میں نازل ہوا ہے۔

اسی طرح جب روزوں کے لئے سحری کھانے کے وقت کی انتہا کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ تم سحری اس وقت تک کھا سکتے ہو حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ یہاں تک کہ سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے جدا نظر آنے لگے۔ اس آیت میں اگرچہ سفید اور سیاہ دھاگے سے صبح صادق کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے لیکن بعض صحابہ نے اس استعارے کے اصلی معنی سمجھنے کی بجائے

تکیے کے نیچے دو سفید اور سیاہ دھاگے رکھنے شروع کر دیئے اور سحری کے اختتام کے لئے دونوں دھاگوں کو دیکھا کرتے حالانکہ آیت کا یہ منشا نہ تھا۔ اس پر مِنَ الْفَجْرِ کے لفظ بعد میں نازل ہوئے۔ یعنی سفید دھاگے سے مُراد فجر کا سفید دھاگا یعنی وہ لکیر اور دھاری مُراد ہے جو افق میں صبح کی سفیدی کی صُورت میں نظر آتی ہے۔

خلاصہ تحقیق

ہماری اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں پر پہلی قسط میں روزوں کی فرضیت کا حکم ہوا۔ لیکن عادت نہ ہونے کے باعث اُن کو شاق گذرا اگرچہ انہوں نے روزے رکھے۔ اس لئے فدیہ رکھ دیا گیا لیکن جب ان کو عادت ہو گئی کہ روزہ رکھنے میں دقّت اور تکلیف کا احساس اُٹھ گیا اور روزے سے مانوس ہو گئے تو پُورے رمضان کے مہینے کے روزے فرض کر دیئے گئے۔ یہ اس وقت حکم دیا گیا جبکہ کسی کو بھی گرانی یا سختی کا عذر باقی نہیں رہا۔ بلکہ رفتہ رفتہ صُورت حال یہ ہو چکی تھی کہ صحابہ میں بعض کو صائم الدہر رہنے ہی میں لُطف آتا تھا۔

کیا یہ تحقیق دُرست نہ ہوگی

میرے خیال میں اگر روزے سے متعلق گذشتہ آیات کا یہ مطلب لیا جائے۔ کہ اللہ تعالےٰ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ میں دو قسم کے مریضوں اور دو قسم کے مسافروں کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ مریض و مسافر جو اپنے مرض اور سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور رمضان کے بعد ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کریں۔

دوسرے وہ مریض اور مسافر جو روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں لیکن بہر حال سفر کی حالت اور بیماری کے باعث ان کا روزہ رکھنا دقّت سے خالی نہیں۔ ایسے مسافر اور بیمار کے لئے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے فدیہ مقرر کر دیا۔ تاکہ طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھنے کا کفّارہ بن جائے۔ اور یہ فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلانے کا فدیہ ہے لیکن جو بیمار اور مسافر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ روزہ ہی رکھیں اور ہماری خاطر اس حالت میں جو انہیں کچھ تکلیف پیش آئے گی اُسے برداشت کریں تو ان کے لئے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے گویا عَلَی الَّذِیْنَ کے اَلَّذِیْنَ سے طاقتور مریض اور مسافر مراد لیے جائیں اور پہلے ٹکڑے میں وہ مسافر اور بیمار مُراد لئے جائیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر آیات کا مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے اور دونوں ٹکڑوں میں واو عطف کی وجہ سے جو معطوف اور معطوف علیہ میں ربط بھی قائم رہتا ہے۔ لہٰذا اس معنی کے مُراد لینے میں اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تفسیر کسی اور مفسّر نے بھی کی ہو۔ لیکن اپنے محدود علم کی وجہ سے میری نظر سے نہیں گذری لہٰذا اگر میری اس توجیہ پر لا کو کسی تحقیق بنا پر اعتراض ہو یا اس میں تفسیر بالرائے کا شُبہ ہو

سکتا ہو تو پھر مذکورہ بالا تحقیق فیصلہ کن سمجھے جانے میں کیا دقت ہو سکتی ہے۔ البتہ دل کی کجی کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں پھر دونوں قسم کے مریضوں اور مسافروں کے احکام کے بعد خدائے کریم نے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے پورے ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا ذکر فرما دیا۔

روزے کے اسرار

اور

اس کا فلسفہ

روزے کی فرضیت کے سلسلے میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم متقی اور پرہیزگار انسان بن جاؤ) کے ماتحت گزشتہ سطور میں ہم روزے کے فرض کئے جانے کی وجہ پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ اب ہم اپنے خیال کی ترتیب کے پیش نظر روزے کی حکمتوں اور اس کے فلسفے پر بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ تقوے کے ساتھ جو کہ روزہ رکھنے کی غرض و غایت ہے اس کا فلسفہ بھی واضح ہو جائے۔

فلسفیت نہ ہونا ہی فلسفہ ہے

ہمارے خیال میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت اور ان کا طریقہ احکام خداوندی کے سلسلے میں یہ ہوتا تھا کہ وہ ہر حکم الٰہی کا فلسفہ خوشنودی

خدا و رسول سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان یہ تھا کہ قرآن و سنت کے ہر حکم کا فلسفہ صرف یہی ہے کہ ان کی طرف سے حکم آئے اور ہم اپنی گردن اطاعت جھکا دیں اور سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے لئے کوئی فلسفہ دریافت نہ کریں۔ اس سے زیادہ بندے کے لئے اور کوئی حکمت نہیں کہ اس سے ہر حکم میں اطاعت کا ظہور ہو جائے اور خدائے تعالیٰ خوش ہو جائے۔

عظیم الشان قربانی

یہی فلسفہ روزے کا بھی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر روزہ فرض کر کے ایک تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس سخت عبادت کے پیش نظر ہمارے بندے ہماری خاطر اپنی جسمانی لذتوں سے کنارہ کش ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ اتنا عظیم الشان ایثار اور قربانی ہے جس کی حقیقت کا تصور وہی کر سکتے ہیں جو رضائے ربی کو ہر حال میں مقدم سمجھتے ہیں۔ ذرا گہرائی میں جا کر دل سے پوچھئے اور سوچئے کہ خواہشات و لذات جسمانی کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہ جانے والا انسان روزہ رکھ کر نفس پر کتنا ضبط اور کنٹرول کرتا ہے۔ مئی، جون اور جولائی کی چلچلاتی دھوپ اور باد سموم کے تھپیڑوں میں تشنگی کا کونسا ہوا روزے دار سرد اور برفیلے کیوڑہ، صندل، گلاب، عناب کے شربتوں، آئس کریم کی قلفیوں، وِمٹو اور اورنج، سیب اور کیلے کی روح سے معطر اور متعطر سوڈے کی رنگ برنگی بوتلوں کوکا کولا کے متنوع الالوان شیشوں، بالائی، دودھ، تخم ریحان اور سفید سفید سوئیوں کے ریشوں سے برفیلے فالودے کی فنجانوں، مالٹے اور سنترے کے رنگین

عرقوں سے لبالب چھلکتے ہوئے گلاسوں کو چھوڑ کر روزے میں گلے کو خشک کرنا کتنی بڑی قربانی اور کتنا بڑا ایثار ہے۔ اس تشنگی اور پیاس کے عالم میں ان لذائذ کو نظرانداز کر دینے اور مسلم روزہ دار کے جذبہ محبت کا اس آزمائش سے مقابلہ کیجیئے کہ طالوت بادشاہ کے ساتھ جب ایک جماعت جالوت کے مقابلے میں جہاد کے لیئے نکلی اور راستے میں ایک نہر سے گذرتے ہوئے ان کو پیٹ بھر کر اور سیراب ہو کر پانی پینے سے روکا گیا الا ایک آدھ چلو کی ممانعت نہیں کی گئی تو طالوت کے ساتھی اس آزمائش میں نفس پر کنٹرول نہ کر سکے اور صاف شکست خوردہ نفس ہو گئے۔ قرآن کریم میں اس واقعے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ	"جب طالوت بادشاہ لشکروں کو ساتھ
قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ	لے کر چلا تو اس نے کہا کہ اللہ تمہیں ایک
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ	نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے پس جو کوئی
مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ	اس میں سے پانی پیئے گا وہ مجھ سے نہیں
فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ	اور جو کوئی اس کو نہ چکھے گا وہ یقیناً مجھ سے
غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا	ہے مگر جو کوئی ایک چلو بھر لے اپنے ہاتھ
مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ط	میں پس انہوں نے اس نہر کا پانی چند
(بقرہ رکوع ۳۳ پارہ ۲)	کے سوا سب نے پانی پیا۔"

در اصل طالوت نے ان سے یہ کہہ کر کہ اب تم اللہ کی طرف سے لڑنے جانے والے ہو یہ دکھانا تھا کہ اس کے منع کرنے سے پیاس کے باوجود جہاد کو

بہانے وقت راستے میں نہر کو عبور کرتے ہوئے جو پانی نہ پئے گا اس سے اس شخص کا اندازہ ہو جائے گا کہ وہ جہاد میں بھی پختہ اور ثابت قدم ثابت ہوگا اور جو پانی پینے سے منع کرنے پر اطاعت میں ثابت قدم نہ رہے گا اس سے جہاد میں ثابت قدمی کی توقع بھی فضول ہے۔ بہرحال تھوڑے سے نفوس کے سوا تمام نے نہر کا پانی پیا اور نفس پر کنٹرول نہ کر سکے جس کا مطلب یہ تھا کہ جو پیاس کی برداشت نہ کر سکا ان سے جہاد کی توقع فضول ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آگے بڑھ کر قوم نے صاف کہہ دیا:۔

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۔

آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔

اسی طرح یہودیوں کو ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے منع فرما کر ان کی آزمائش کی گئی۔ دیکھا یہ گیا کہ یہ مچھلی کے شکار کے شوق اور اس کی لذت ذوق کو ہمارے حکم پر قربان کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ لیکن یہودی قوم اتنا ایثار بھی نہ کر سکی اور ہفتے کے روز شکار سے باز نہ آ سکی۔ البتہ شکار کی انھوں نے نئی تدبیر نکالی کہ دریا کے کنارے وہ لوگ گڑھے کھود لیتے اور ان میں مچھلی آ جاتی تو پکڑ لیتے اور کہتے کہ ہم نے تو شکار نہیں کیا البتہ خود بخود مچھلیاں چلی آتی ہیں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ خواہشات نفس کا کسی کی خاطر چھوڑ دینا بہت بڑا ایثار اور بہت بڑی قربانی ہے۔ روزہ یہی ایثار اور یہی قربانی سکھاتا ہے

توفیق شکر ایثار اور قربانی کے علاوہ روزہ، روزہ دار کو خداوند تعالیٰ

کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے پر مائل کرتا ہے۔ کیونکہ جب ایک روزہ دار کھانے پینے اور جنسی میلان سے نفس کو روک لیتا ہے۔ جو اعلیٰ درجے کی نعمتیں ہیں تو ایسا کرنے سے اس کو نعمتوں کی قدر کا احساس ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ ان نعمتوں کا چھن جانا انسانی بدقسمتی کی ایک زبردست کڑی ہے۔ روزے کے ذریعہ ایک خاص مدت کے لیئے اس کا احساس زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شکریئے کے ذریعہ روزہ دار منعم حقیقی کا حق ادا کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (تاکہ تم شکریہ ادا کرو) سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ صحت کی قدر انسان کو صحت کی نعمت چھن جانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جب تک انسان سخت بیماری سے دوچار نہیں ہوتا وہ تندرستی سے بے پروا ہوتا ہے۔ اسی طرح فارغ البالی اور نعمتوں سے خوش نصیب ہونے کی قدر بھی اس وقت ہوتی ہے جب انسان فقر و افلاس سے دوچار ہو کر فاقہ کشی اور بھوک میں مبتلا ہوتا ہے۔

مسکینوں پر رحمت

نعمت پر شکر کرنے کے علاوہ روزہ، روزہ دار کو غریبوں پر رحم کرنے اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردی کرنے پر مائل کرتا ہے۔ روزہ دار امیر انسان جب روزہ رکھے گا تو اس کو بھوک اور پیاس کے باعث بھوکوں مرنے والے فقرا و مساکین کی مصیبتوں کا اندازہ ہوگا اور وہ محسوس کرنے پر مجبور ہوگا کہ غریب لوگ جو عسرت اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے

ہیں ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بشر حافی کے متعلق حکایت بیان کی گئی ہے کہ ان کے پاس سردی کے موسم میں ایک شخص آیا تو اس نے ان کو سردی سے کانپتے ہوئے دیکھا۔ اگرچہ ان کے پاس پہننے کے لئے گرم کپڑے موجود تھے لیکن انہوں نے کپڑوں کو کھونٹی پر ٹانگ رکھا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ ایسے ہی وقت کے لئے کپڑوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور آپ نے کپڑوں کو اتار کر ٹانگ رکھا ہے۔ بشر حافی نے جواب دیا۔ برادرم فقرا یہاں بکثرت ہیں۔ مجھے ان سب کو کپڑا پہنانے کی ہمت نہیں۔ لہذا میں ان کے ساتھ اس رنگ میں ہمدردی کر رہا ہوں کہ جس طرح فقرا سردی میں کانپ کر گذارتے ہیں۔ میں بھی انہی کی طرح ننگا رہ کر ان کی غمخواری میں سردی میں ٹھٹھرتا رہوں۔ لیکن وہ لوگ جو غربا پر ترس نہیں کھاتے اگرچہ ان کی آرام سے گذر جاتی ہے لیکن فقرا کی بھی کٹ ہی جاتی ہے خواہ مصیبت سے کٹے مگر امرا کی امارت کا بھرم کھل جاتا ہے۔ بقول شاعر؎

شنیدہ ام کہ محمود غزنوی شب دی — نشاط کرد و شبش جملہ در سمور گذشت
یکی فقیر دراں شب سر تنور گزید — شب تنور برآں دردمند عور گذشت
چو صبح گشت برآورد نعرہ کاے محمود — شب سمور گذشت و شب تنور گذشت

لیکن روزہ دار انسان کو روزہ رحمدلی اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی کا احساس دلاتا ہے۔

مساوات نماز کی طرح روزہ بھی اسلامی برادری میں مساوات کا سبب

بنتا ہے۔ اُمراء لوگ غُرباء سے اپنی دولت وثروت کے باعث امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ دولت اگرچہ روزے کے باعث چھن تو نہیں جاتی لیکن بھوک اور پیاس میں امیروں اور غریبوں کا ایک حالت میں مساوی ہو جانا روزے سے بخوبی میسّر آجاتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی اکثر جماعتیں رمضان کے مہینے میں روزوں کی وجہ سے ایک ہی زمانے میں ایک نقطۂ خیال وعمل پر جمع ہو جاتی ہیں جس سے آپس میں ایک خاص تعاون اور جذبۂ محبت پیدا ہو جاتا ہے اور یہ جذبۂ محبت ملکوتی برکات کے نزول کا سبب بنتا ہے جو شبِ قدر کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ روزہ، روزہ دار کو ایک ایسا ایمانی جوہر اور ایسی توانائی بخشتا ہے۔ جس کے ذریعہ انفرادی اور اجتماعی اصلاح ہوتی ہے۔ روزہ دار کے دل میں کسی کی حق تلفی، عداوت، بغض، دشمنی، بے حیائی، غیبت، چغلخوری کے خیالات کم ہی پیدا ہوتے ہیں اس کے نتیجے میں انسان کی اپنی اصلاح اور پورے معاشرے کی اجتماعی اصلاح بھی آسانی سے ہو سکتی ہے۔

ایک بڑا فلسفہ یہ نظر آتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر حلال کھانوں سے پرہیز کرتا ہے وہ رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ اموال سے تو بہرحال خاص طور پر بچنے کی کوشش کرے گا۔

صبر وتحمل بنی نوع انسان کو اپنی زندگی میں عیش وآرام اور رنج ومصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ

اقلیت میں ہیں جن کی تمام عمر عیش سے گزر گئی ہو۔ وہ لوگ جو ہمیشہ عیش میں گزارتے رہے ہوں جب ان پر ناگاہ مصیبت آپڑتی ہے اور غربت ان پر آکر مسلط ہو جاتی ہے تو روزوں کی عادت کے باعث وہ صبر اور تحمّل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ عمر کے ایام رمضان میں روزہ رکھ کر وہ اپنے آپ کو فقر و فاقہ میں صبر و تحمّل کا عادی بنا لیتے ہیں

دنیا کے ممالک کا آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو جانا اور برسرپیکار آجانا فطری تقاضوں میں سے ہے۔ وہ قوم جو روزوں کی عادی ہوتی ہے وہ ان حالات میں جبکہ ان کو راشن کے بغیر بعض ایام میں رہنا اور لڑنا پڑتا ہے۔ ان سے آب و طعام حالات سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت رکھتی ہے۔

سنہ ۲ھ میں صحابہؓ نے جنگ بدر میں روزہ رکھ کر سخت گرمی میں وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ شاید و باید۔ یہ اسی روزے کی برکت اور سعادت کا نتیجہ تھا۔

ترک عادات

بنی نوع انسان کو بعض اوقات ایسی چیزوں کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے بغیر اپنے آپ کو مطمئن نہیں پاتے۔ کسی کو سگریٹ اور حقّے کی اور کسی کو چائے اور پان کی، کسی کو افیون اور چرس کی، کسی کو پوست اور بھنگ کی۔ ان میں سے بعض وہ چیزیں ہیں جو انسانی زندگی کی تباہی کا سامان بنتی ہیں۔ اور بعض اشیا فضول خرچی اور صحت کے لئے اک گونہ مضر ہوتی ہیں۔ اس قسم کے عادی لوگ اپنی طبیعتوں

کو اس قدر مغلوب بنا لیتے ہیں کہ ان کے ترک کرنے پر قادر نہیں ہوتے لیکن روزے کا جذبہ اور اس پر عمل پیرا ہونا ان سب بری عادتوں سے انسانوں کو پاک کر دیتا ہے اور ان کی زندگی کے جمود کو توڑ ڈالتا ہے۔

روزہ صحت کا ضامن ہے

مذکورہ بالا فوائد کے علاوہ روزہ انسانوں کی صحت کے لئے نہایت ہی ممد و معاون ہے۔ گیارہ مہینوں کے متواتر اور مسلسل کھانے اور پینے کے بار کے باعث معدے کی قوتیں تھک کر چور ہو جاتی ہیں۔ ایک ماہ کے روزے معدے کی قوتوں کو اجاگر کرنے کا کام دیتے ہیں۔ اور روزہ داروں کی صحت کو بحال کرتے ہیں۔ اور یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ بیماریوں کے علاج میں غذا سے پرہیز ہی ایک بہت بڑا علاج ہے بالخصوص بخار اور قبض کے مریض کے لئے اور ٹائی فائڈ میں تو غذا زہر ہلاہل کا کام دیتی ہے۔

یہ چند وہ امور ہیں جن کو سرسری طور پر ہم نے روزوں کے فلسفے کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور اگر انسان مزید غور کرتا چلا جائے تو اس قسم کی اور بہت سی حقیقتیں نکال سکتا ہے۔ اور ان سب میں روزے کا بڑا فلسفہ وہی تقوے کا حصول اور شکر گذار بندہ بننے کا جذبہ ہے جو روزہ پیدا کرتا ہے۔

شمسی وقمری حساب

شمس وقمر پر سال وماہ کا مدار

○ چاند اور سورج کی گردش پر ماہ وسال کا وجود ○ اسلامی تقریبات کا مدار چاند پر ○ ابتدائے دنیا سے بارہ ماہ کا تقرر ○ شمس وقمر کا نظام کائنات میں دخل ○ سورج اور چاند کی تسخیر ○ عرب میں چاند کا حساب ○ تاریخہائے قمری کی حفاظت واجب بالکفایہ ہے ؛

مسلمانوں پر رمضان کے مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اسلئے ہلال رمضان پر روزوں کا دارومدار ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں اس مقام پر کچھ معلومات افزا حقیقتیں واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ماہ وسال اور شمسی وقمری حسابات سے وابستہ ہیں۔ یہ بات ایک واضح حقیقت ہے کہ تمام دنیا کے سالوں اور مہینوں کا حساب چاند اور سورج کی گردش اور شب و روز کی آمد ورفت پر ہے۔ اس کے لئے نظام شمسی وقمری کے مطابق بارہ ماہ مقرر ہوئے اور بارہ ماہ کا ایک سال متعین کیا گیا۔ پھر ہر ماہ میں نظام شمسی کے ماتحت ۳۶۵ دن کی شمسی گردش کی تکمیل پر کوئی مہینہ ۲۸ کا کوئی ۲۹ کا اور کوئی ۳۰ اور ۳۱ کا مقرر ہوا۔ لیکن نظام قمری کے ماتحت مہینہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا ہوتا ہے نہ کبھی تیس سے زیادہ اور نہ کبھی انتیس

سے کم ہوتا ہے۔

بارہ مہینوں کا وجود قرآن کی تاریخی روشنی میں

جب ہم قرآن ک کا مطالعہ کرت ہیں تو ہمیں اس کی روشنی میں یہ تاریخی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ آسما زمین کی پیدائش کے وقت سے ہی خدائے خالق کے نزدیک بارہ ماہ متعین ہونا مقدر ہوچکا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ	یقیناً مہینوں کی تعداد اللہ کے نزد
اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب میں جس دن سے کہ آس
يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔	اور زمین کو وہ پیدا کر چکا بارہ مہینے

(پارہ ۱۰ رکوع ۵)

ایک اور آیت میں جو حسب ذیل ہے سال و ماہ اور دیگر حسابات ک وجود میں آنے کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے:۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً	وہی ہے جس نے سورج کو ضیا اور چ
وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ	کو نور بخشا اور چاند کی منزلیں مقرر کی
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ	تاکہ تم سالوں کی تعداد کا حساب جا
الْحِسَابَ ط (پارہ ۱۱ رکوع ۳)	

اس آیت میں سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بخشے جانے کے ذکر بعد "قَدَّرَهٗ" میں چاند کی طرف ضمیر پھیر کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یعنی وہ اپنی منزلوں کے طے کرتے وقت گھٹتا بڑ

رہتا ہے۔ اور ماہ وسال کے حسابات جاننے کا سبب بنتا ہے۔

ایک اور آیت میں تو صاف بتایا گیا ہے کہ چاند اور دیگر اوقات کے تعین کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے چاند کی فلسفیانہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے آزمائشی طور پر سوال کیا کہ یہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور ماہ کے ابتدائی اور آخری حصوں میں ہلالوں کی شکل کیوں اختیار کر لیتا ہے۔ تو بارگاہ خداوندی سے اس طرح جواب دیا گیا:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ
قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ
وَالْحَجِّ ۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۴ پارہ ۲)

یہ لوگ آپ سے ہلالوں کے بارے میں پوچھتے
ہیں کہہ دیجئے یہ ہلال لوگوں کیلئے اوقات اور
حج کو متعین کرنے کے لئے حساب کا کام دیتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ سال و ماہ کا حساب آسمان و زمین کی پیدائش سے ہی شروع ہوا ہے اور مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس سے بارہ مقرر ہوئی ہے اور ہلالوں سے حج، روزہ وغیرہ کے اوقات کے تعین کا کام لیا جاتا ہے۔

عربوں میں چاند کا حساب

دنیا میں حسابات کا تعین کہیں سورج اور کہیں چاند پر موقوف ہے عرب میں بھی ماہ وسال کا سلسلہ چاند کے حساب سے متعلق تھا۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو اس نے ان کے رائج الوقت چاند کے حساب پر ہی ان کی سہولت کی خاطر حساب کو جاری رکھا۔

اس میں شک نہیں کہ شمسی حساب میں بعض ایسی آسانیاں ہ
جو قمری حساب میں موجود نہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو کئی و
سے چاند کا حساب قرین مصلحت ہے مثلاً چاند کے حساب سے مختلف
تقریبات اور تہوار، مختلف موسموں میں بدل بدل کر آنے میں تنوع
کے باعث انسانی طبیعتوں کو جو سہولت اور لطف حاصل ہوتا ہے
وہ ایک ہی موسم کے ناقابل تغیر حساب میں نہیں ملتا۔ عیسائیوں
میں کرسمس ڈے ہمیشہ شمسی تاریخ کے مطابق ۲۵ دسمبر کو سخت
سردیوں میں واقع ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو اپنی عید کی
تقریبات میں سردی، گرمی، بہار، برسات کے گوناگوں موسموں سے
گذرنے اور لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے کیونکہ ان کی تقریبات
چاند پر ہوتی ہیں۔ اسی طرح روزوں کو بھی سردی، گرمی، بہار اور
برسات سے گذرنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر روزے شمسی حساب
پر موقوف رکھے جاتے اور مئی یا جون جولائی میں فرض کئے جاتے
تو مسلمانوں کو سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا اور سخت آزمائش
سے دوچار ہونا پڑتا۔

اگر کسی وقت زمانے کے تغیر اور انقلاب سے کوئی قوم صفحۂ ہستی
سے، فرض کر لیجئے کہ نیست ونابود ہو جائے تو قمری حساب سے آئندہ
کے لئے مہینے کا حساب چاند کے از سر نو طلوع کرنے اور ہلال بننے کے
ساتھ ساتھ درست ہو سکتا ہے لیکن سورج چونکہ اپنی یکساں حالت

رہتا ہے اس لئے اس کے حساب میں یہ سہولت قائم نہیں رہ
تی۔ چاند کی تاریخ کو نہ صرف ہلال سے پہچانا جا سکتا ہے بلکہ ساتویں،
ھویں، اکیسویں اور اٹھائیسویں تاریخوں سے بھی اہل بصیرت
ان سکتے ہیں۔

رمضان اور عیدالفطر کے چاند کے حساب سے واقع ہونے پر
ب جذباتی لطف ایسا ہے جو شمسی نظام میں ہرگز حاصل نہیں ہو
تا اور وہ لطف و فرحت یہ ہے کہ رمضان اور عیدالفطر کے
دنیائے اسلام کا چاند کے انتظار اور اس کے جمال جہاں آرا سے
ھوں میں نور پیدا کرنے کا شدید جذبہ ہوتا ہے۔ بچے، جوان،
ھے، مرد اور عورتیں جس جذبۂ بے اختیار شوق میں ہلال کی دید
سراپا انتظار بن جاتے ہیں۔ وہ پُرلطف منظر شمسی حساب کے تعین
نہیں ہوتا اور عید کی خوشیوں کے ساتھ ہلال عید کی خوشیاں نورٌ
نور ہوتی ہیں۔

چاند اور سورج اگرچہ دونوں قدرت کی زبردست آیتیں ہیں
ر یہ بھی مسلم ہے کہ شمس اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے چاند
نسبت تفوق رکھتا ہے۔ لیکن رات کے وقت چاند کے مناظر
پھر روزانہ کے انقلابات اور تغیرات سے اس کا دوچار رہنا ایسی
ف کیفیت بخشتا ہے جو سورج پیش کرنے سے قاصر ہے اسی
عرا نے جس قدر ہلال، بدر اور مطلقاً قمر یا چاندنی سے متاثر ہو کر

اشعار لکھے ہیں وہ سورج پر نہیں لکھے اور جو تشبیہات چاند کے بارے میں پیدا کی ہیں وہ سورج سے قطعاً نہیں نکالیں۔

شمس و قمر آیات الٰہی ہیں

غرض چاند اور سورج دونوں ہی پو تو انسانوں کے لئے حساب کا پورا سامان فراہم کرتے ہیں، سال و ماہ، ہفتے اور ایام، گھنٹے اور منٹ اور لمحات کا پورا نظام ان سے وابستہ ہے اسی لئے قرآن کریم میں ہے

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے۔
(سورۂ رحمٰن رکوع ع ۱)

اس آیت میں چاند اور سورج کے لئے ایک خاص حساب سے چلنا اور دونوں کا حساب سے طلوع و غروب اور چاند کا گھٹنا اور بڑھنا مقرر کر دیا گیا ہے جن کے حساب پر صحیح اوقات پر جاڑے، گرمی، بہار اور برسات کے موسم آتے ہیں۔ اور عالم سفلی پر ایک خاص صورت کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیا مجال کہ دونوں خدائے قادر کی مقرر کردہ حدود سے باہر قدم رکھیں اور جس حساب پر اپنے بندوں کی خدمات کے لئے ان کو مقرر کر دیا ہے اس سے ذرا سی بھی سرتابی نہیں کر سکتے۔

سورۂ یٰسین میں کس اچھوتے انداز سے ان کے حساب پر روشنی ڈالی گئی ہے:۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اور سورج اپنے مقررہ راستے

لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ	پر چلتا رہتا ہے۔ یہ غالب اور علیم
الْعَلِيْمِ ہ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ	خدا کا (اس کے لیے) اندازہ ہے
مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ	اور چاند، ہم نے اس کے لیے منزلیں
الْقَدِيْمِ ہ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ	تقسیم کردی ہیں تاآنکہ وہ پرانی شاخ
لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا	کھجور کی طرح ٹیڑھا ہو جاتا ہے نہ تو
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَكُلٌّ	سورج چاند کو ہی آپکڑتا ہے اور نہ
فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ہ	رات دن سے آگے بڑھتی ہے اور
(سورہ یٰسین رکوع ۳)	ہر ایک اپنے مدار میں تیرتا ہے۔

سورج اور چاند دونوں اپنی اپنی منزلوں میں گھومتے رہتے ہیں اور حساب سے چلتے ہیں۔ سورج ۳۶۵ دن میں اپنی تمام منزلوں کا دورہ کرتا ہے اور ایک سال پورا کر کے پھر نیا دورہ شروع کر دیتا ہے۔ لیکن چاند ہمیشہ ایک شکل پر نہیں رہتا۔ اس کی رفتار پر قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند اور سورج مہینے کے آخری حصے میں ملتے ہیں تو چاند دکھائی نہیں دیتا۔ جب وہ سورج سے آگے نکل جاتا ہے۔ تو پھر دکھائی دیتا ہے اور چودھویں کو پورا ہو جاتا ہے۔ بہر حال چاند انتیس یا تیس دن میں اپنی منزلیں طے کر لیتا ہے۔

سورج کی حکومت دن میں اور چاند کی رات میں ہوتی ہے اور اپنے اپنے مدار میں گھومتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے اور حساب سے چلتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم نے چاند کی آخری شکل کو کھجور کی خشک شدہ ٹیڑھی شاخ سے تشبیہ دے کر عربوں کی شاعری کو خصوصیت سے ٹٹولا ہے کہ ان کے سامنے عرب کی کھجوروں کی خشک شدہ شاخ سے بہتر اور کوئی چیز تشبیہ کے لئے پیش نظر نہیں ہو سکتی۔

افسوس ہم چاند کے بارے میں کہاں سے کہاں نکل گئے۔ بات تو یہ ہو رہی تھی کہ اسلامی تقریبات چاند کے حساب سے وابستہ ہونا ہی زیادہ بہتر ہیں۔

حفاظت تاریخہائے قمری

چونکہ تقریبات اسلامیہ کا دارومدار چاند پر ہے۔ اس لئے رمضان اور عیدالفطر، عیدالاضحیٰ اور حج کی عبادات کے لئے چاند کی تاریخوں کا جاننا اور محفوظ رکھنا واجب کفایہ ہے۔ ہر شہر اور آبادی کے بعض مسلم نفوس اگر چاند کی تاریخوں اور مہینوں کو محفوظ اور یاد رکھتے ہیں۔ تو پھر اس واجب کفایہ کی ادائگی کے باعث بننے کے دوسرے مسلمانوں سے گناہ ٹل جاتا ہے ورنہ سب گناہگار ہوتے ہیں۔ آج دنیا کے اکثر ممالک میں جہاں انگریزی اثرات پہنچے ہیں ماہ وسال کے حسابات، انگریزی طریق پر چلتے ہیں۔ بعض مسلمانوں کے ملکوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہاں انگریزی حساب سے کام ہوتا ہے۔ اور اس لئے ان کو چاند کے مہینوں اور تاریخوں کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ دیکھئے دوسروں کے اثر کی کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ جو پرائمری سکول میں پڑھتا ہے، وہ انگریزی کے مہینے فرفر پڑھ کر سنا دیتا ہے لیکن عربی اور چاند کے مہینوں سے وہ عموماً بیگانہ اور

بے خبر ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے پاکستانی اخبار اسلامی تاریخوں کو محفوظ رکھ کر ایک خاص فریضہ انجام دیتے ہیں۔ جو واجب بالکفایہ کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔

جمعہ کی چھٹی

اسبوعی یعنی ہفتہ وار تعطیل بھی اتوار کو ہوتی ہے۔ دراصل یہ تاریخ انگریزوں نے اپنی تہذیب کے قیام کے لئے قائم کی تھی۔ اتوار کا دن چونکہ ان کے یہاں چرچ میں جانے کا دن ہے۔ اس لئے اس دن کی چھٹی کا تقرر ہوا۔ لیکن جبکہ مسلمانوں کے ممالک خود مختار اور آزاد ہوں تو اس صورت میں ان کی قومی خودداری کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جمعہ جیسے مبارک دن کو ہفتے کی تعطیل کا دن قرار دیں تاکہ مسلمان جو جمعہ کی دل سے وقعت کرتے اور اس روز بکثرت نماز پڑھتے ہیں، تیاری میں حصہ لے سکیں۔ مسلم قوم کی اصلی آزادی اور خودداری اسی میں ہے کہ وہ اسلامی چیزوں کو اپنائیں۔ قرآن کریم نے جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی بیع و شرا کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف سعی کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے جمعہ کے دن کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے مسلمانو جب تمہیں جمعہ کے دن
إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ	نماز کے لئے پکارا جائے تو نماز جمعہ کی
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ	طرف جلدی کرو اور بیع وغیرہ چھوڑ
وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (سورۂ جمعہ)	تم جانتے ہو۔

اور حدیث میں بھی رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :-

الجمعۃ عیدُ المسلمین   جمعہ مسلمانوں کی عید ہے -

ان تمام فضائل کے بعد پھر خدا جانے کونسی حکمتیں مسلمانوں کے پیشِ نظر ہیں - آجکل جنوری اور فروری ۱۹۶۱ء میں ملکہ الزبتھ برطانیہ کی ملکہ پاکستان و ہندوستان آئیں لیکن اتوار کے روز چرچ میں جاتی رہیں اور اپنا مذہبی وقار قائم رکھا - نہ صرف یہ بلکہ جارج پنجم ملکہ کے دادا نے اگر کوئٹے میں ایک جگہ چنار کا درخت ۱۹۱۱ء میں لگایا تھا تو الزبتھ نے بھی وہاں جا کر امرود کا درخت لگایا اور ہندوستان میں اگر جارج پنجم نے ایک جگہ شیر کا شکار کیا تھا تو ڈیوک اور ملکہ وہاں بھی شیر کا شکار کھیلنے گئیں - اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست   گرجا میں سر جھکاتے ہیں جب ہو اگسٹ
رکتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم   اے مدعیِ دینِ خدا شرم شرم شرم
بابو گروہ بھی ایٹ ہیں کالی[1] کے ساتھ ہیں
اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں

---

[1] کالی سے مراد کلکتے کے مندر کی مشہور دیوی جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں۔ اور اس کے ہی نام سے کلکتہ کا "کالی کا مندر" مشہور ہے۔

رویت ہلال

○ — روزے اور عید کا منانا رویت ہلال پر موقوف ہے ○ — نجوم اور حساب روزے اور عید کا معیار نہیں ○ — خواہ موجودہ دور حساب نجوم میں مہارت ہی کیوں نہ رکھتا ہو لیکن آنحضورؐ نے ہمیشہ کے لئے رویت ہلال کو رمضان اور عید کے لئے معیار قرار دیا ہے ۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا عوام میں مشہور جملہ ہے مگر دراصل یہ ایک حدیث کا مضمون ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے :-

عن ابی هريرة قال رسول	ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے
الله صلى الله عليه وسلم	کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے
صوموا لرويته وافطروا	فرمایا روزہ چاند دیکھ کر رکھو اور افطار
لرويته فان غم عليكم	کرو (عید مناؤ) چاند دیکھ کر۔ لیکن اگر
فاكملوا عدة شعبان	(ابر یا غبار میں) تمہیں نظر نہ آئے تو
ثلثين (بخاری و مسلم)	شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ رمضان کا چاند جب ہو جائے تو رمضان کے روزے فرض ہو جائیں گے اور اسی طرح جب عید کا چاند ہو جائے تو عید کر لینی چاہیئے جس کے یہ معنی ہیں کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو

گیا۔ البتہ اگر انتیسویں شعبان کو ابر، غبار یا دھند کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور باہر سے بھی کوئی ثبوت شرعی نہ ملا تو پھر شعبان تیس دن کا سمجھا جائے گا۔ اس حدیث سے ہلال کی تلاش اور اس کا دیکھنا ثابت ہوا۔ لہٰذا بعض ظرافت پسند جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہم چاند کو دیکھیں گے ہی نہیں تو روزہ کیوں کر فرض ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض آدمیوں کے دیکھنے سے بھی حدیث کا منشا پورا ہو جائے گا کسی شہر کے تمام آدمیوں کا چاند کو دیکھنا ضروری نہیں۔ اگر دس ہزار کی بستی میں پانچ آدمیوں نے چاند دیکھ لیا تو بس سب پر روزہ فرض ہو جائے گا۔

رویت ہلال کو معیار روزہ قرار دینے کی حکمت

مذکورہ حدیث سے چاند کے دیکھنے پر روزہ اور عید کا منانا اس قدر سادہ اور صحیح اصول ہے کہ جس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ علم نجوم سے حساب لگا کر روزے اور عید کا دن متعین کرنا مشکل سا معاملہ ہے۔ چاند نظر آجائے یا ابر، غبار اور دھند کی صورت میں شرعی ثبوت مہیا ہو جائے تو روزہ رکھنا یا عید منانا واضح ہو گیا اور لوگوں کے لئے اصطرلاب، جنتری اور دوسری چیزوں کی ضرورت نہیں رہتی ایک دوسری حدیث سے آنحضورؐ کا ارشاد گرامی چاند کے دیکھنے پر روزے کے متعلق یہ ہے:۔

عن ابن عمر قال قال رسول	ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے
الله صلى الله عليه وسلم	کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إنّا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا وعقد الابهام في الثالثة ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا يعني تمام الثلثين يعني مرة تسعا وعشرين ومرة ثلثين

نے فرمایا کہ ہم عرب کے لوگ ان پڑھ ہیں کہ حساب کتاب نہیں جانتے۔ مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا ہوتا ہے اور تیسری دفعہ انگوٹھے کو بند کیا۔ پھر فرمایا کہ مہینہ ہوتا ہے ایسا اور ایسا اور ایسا پورا تیس دن یعنی کبھی انتیس دن اور کبھی تیس دن۔

بخاری اور مسلم کی مذکورہ بالا حدیث سے حضور کا دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کو تین مرتبہ دکھا کر اور ایک انگوٹھے کو دبا کر انتیس دن کا مہینہ بتلانا ہے۔ اور دوسری دفعہ دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کو تین مرتبہ انگوٹھے کو دبائے بغیر دکھانا تیس دن کے ماہ کو ظاہر کرنا ہے۔ حضور کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس خطے کے رہنے والے اکثر ان پڑھ لوگ ہیں اور نجوم کے حساب کتاب کو نہیں جانتے اس لئے چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو ہی دیکھ کر عید مناؤ۔ یہ بالکل سیدھا سادا حساب ہے۔ جس میں کسی اینچ پیچ کی ضرورت نہیں۔ عرب کے لوگ جن میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث تھے اکثر اُمّی اور حساب و کتاب سے ناواقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کے کفار قیدیوں میں سے لکھے پڑھے قیدیوں کی آنحضور نے یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دیا کریں اور یہی مطلب ہے اس آیت کا ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا وہی اللہ جس نے امیوں میں رسول بھیجا۔

علم نجوم اور آلات جدیدہ معیار ہلال نہیں

بسا اوقات علم نجوم سے کسی شام کو ہلال کا نمودار ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن وہ حساب غلط نکلتا ہے اور چاند نہیں ہوتا یا چاند سورج کے ساتھ ساتھ ذرا پیچھے رہ کر سورج کی روشنی میں چھپ جاتا ہے کہ زمین والے دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں بایں معنی علم نجوم کے ذریعہ تو چاند کا وجود ثابت ہو جاتا ہے لیکن سورج کی روشنی آنکھوں کے لئے حجاب بن جاتی ہے اور وہ دیکھ نہیں پاتیں اس لئے شرعاً یہ کہا جائے گا۔ کہ ہلال نہیں ہوا۔ حالانکہ نجوم کے حساب سے سورج کے ساتھ ساتھ اس کے غروب ہونے کے بعد ہلال افق پر موجود رہ گیا تھا لیکن روشنی نے دیکھنے نہ دیا۔ اس لئے علم نجوم اور رصدگاہوں کے ذریعہ سے کسی دن روزے یا عید کا فیصلہ کر دینا خواہ وہ حساب صحیح کیوں نہ ہو شرعاً درست نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کی دنیا ایک ایک پل کا حساب کر کے سب کچھ بتا دیتی ہے اور اسی معیار اور حساب سے روزے اور عید کے وقوع کا اعلان کر دیا جائے مناسب نہیں ہے اور ان کا یہ اجتہاد مذکورہ بالا حدیث کے خلاف ہے۔

اسی طرح فرض کرو اگر ایک ایسے لمبے چوڑے خطۂ ارضی میں جہاں چاند ایک ہی دن دیکھا جا سکتا ہے۔ اور وہاں مطلعے کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اگر سارے علاقے میں مطلع ابر آلود ہو کہ کسی نے بھی چاند نہیں دیکھا لیکن نجوم کے حساب سے چاند کا ہونا معلوم ہوتا ہو اور شعبان یا

رمضان کی انتیسویں تاریخ ہو تو شرعاً نہ روزہ جائز ہوگا اور نہ عید بلکہ مہینہ پورا گنا جائے گا۔

بہرحال مضمون زیر بحث یہ ہے کہ علم نجوم پر چاند کے ظہور کو موقوف کر دینا درست نہیں بلکہ آنکھ کے دیکھنے پر ہے۔

رویت ہلال کے مسئلہ کی تنقیح

خلاصہ یہ ہے کہ آنکھوں سے چاند کے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اس طرح ایک دیہاتی اور شہری بآسانی روزہ رکھنے اور عید منانے میں کامیاب ہو سکے گا۔ اسی لئے آنحضورؐ نے تمام دنیا کے شہری اور دیہاتیوں، جنگلیوں اور بدویوں کے لئے وہ اصول مقرر کئے ہیں جس میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

یہاں سے مسئلہ کی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ چاند کو زمین پر دیکھنے کی بجائے ہوائی جہاز میں اڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے دیہاتی مسلمانوں کے پاس نہ تو ہوائی جہاز ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ریڈیو کے سیٹ نہ تار برقی، نہ ٹیلیفون اور نہ رصدگاہیں، نہ اصطرلاب اور نہ دوربینیں ہیں اس لئے شریعت نے دین کے مسائل میں فلسفیانہ موشگافیوں سے روکا ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ فلسفیانہ باریکیوں پر احکام شرعیہ دائر نہیں ہوتے۔ رویت ہلال، سمت قبلہ کی تعیین میں حضرات فقہاء کے ارشادات صاف ہیں کہ ان میں قوانین ریاضیہ، آلات رصدیہ، اصطرلاب وغیرہ پر احکام کا دارومدار نہیں بلکہ جس طرح یہ عوام الناس

سکیں وہ کافی ہے۔ بس حضور علیہ السلام نے یہی فرمایا ہے کہ روزہ رکھو جبکہ چاند ہو جائے اور افطار کرو یعنی عید مناؤ جب کہ چاند دیکھ لو۔ ہاں بلند چھتوں اور اونچے ٹیلوں پر چاند دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ زمین سے متعلق ہیں۔ بہر حال مسئلے کے اطراف و جوانب یہ نکلے کہ:

۱۔ اسلامی تقریبات چاند پر منحصر ہیں۔
۲۔ چاند کی تاریخوں کا انضباط واجب کفایہ ہے۔
۳۔ چاند کا مہینہ کبھی انتیس دن اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔
۴۔ چاند کے دیکھنے اور متعین کرنے میں علم نجوم اور دیگر آلات رصدیہ کی ضرورت نہیں بلکہ عوام جس سطح پر دیکھتے ہیں۔ اسی سطح پر رویت ہلال ہونی چاہیے۔

رویت کے بعض دیگر مسائل

لیکن اگر انتیس شعبان یا رمضان کو آسمان پر ابر یا غبار یا دھند ہو اور چاند نہ دیکھا جا سکے تو اس کے لئے حسب ذیل مسائل پیش نظر رکھیے۔ فقہ حنفی کی نہایت مستند اور معتمد کتاب ہدایہ میں شعبان کے متعلق لکھا ہے:-

واذا كان بالسماء علة قبل	اگر آسمان پر کوئی علت مثلاً ابر یا غبار
شهادة الواحد العدل في رؤية	ہو تو ایک عادل سچے مرد یا عورت خواہ
الهلال رجلا كان او امرأة	آزاد ہو یا غلام کی شہادت قبول کر لی
حرا كان او عبدا (ہدایہ صفحہ ۱۹۵/۱)	جائیگی جبکہ وہ کہیں کہ ہم نے چاند دیکھا

۲۔ لیکن اگر شعبان کے چاند کی بجائے رمضان کا انتیسواں دن ہو اور آسمان ابر آلود یا غبار آلود ہو تو پھر مسئلہ یہ ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

واذا كان بالسماء علة	اور جب آسمان پر غبار یا ابر کی علت
لم تقبل في هلال الفطر	ہو تو عید کے ہلال میں دو سچے دیندار
الا شهادة رجلين او رجل	مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم
وامرأتين (ہدایہ صفحہ ۱۹۸ ج ۱)	کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

شعبان اور رمضان کے ہلالوں کی شہادت میں (جبکہ آسمان ابر یا غبار آلود ہو) باہمی فرق اس لئے ہے کہ رمضان کے چاند کی شہادت میں روزوں کا اپنے ذمہ عائد کرنا ہے اور عید کے چاند میں روزے کو اپنے ذمے سے ہٹانا ہے اس لئے رمضان کے چاند کے لئے ایک شہادت اور عید کے ہلال کے لئے دو شہادتیں ضروری قرار دی گئیں۔

ابن عباسؓ سے مروی حسب ذیل حدیث سے ہلال رمضان میں ایک دیندار سچے آدمی کی شہادت پر روزہ رکھنے کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے:

عن ابن عباس قال جاء	ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے
اعرابي الى النبي صلى الله	کہا کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم فقال اني رايت	کی طرف آیا اور اس نے کہا کہ میں نے ہلال
الهلال يعني هلال رمضان	یعنی ہلال رمضان دیکھا ہے۔ آپ نے

فقال اتشهد ان لا اله الا الله قال نعم قال اتشهد ان محمدا رسول الله قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس ان یصوموا غدا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ)

فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اس نے کہا ہاں۔ حضور نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل کو روزہ رکھیں۔

ایک اور حدیث سے بھی جس کو ابوداؤد اور دارمی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ آسمان کے ابر یا غبار آلود ہونے کی صورت میں ایک عادل آدمی کی گواہی پر رمضان کا روزہ رکھنا ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن عمر قال تراءی الناس الهلال فاخبرت رسول الله صلی الله علیه وسلم انی رأیته فصام وامر الناس بصیامه۔ (بحوالہ مشکوٰۃ باب رویۃ الہلال فصل ثانی)

ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ لوگ ہلال دیکھنے کے لئے جمع ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آنحضور نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزے کا حکم دیا۔

اس حدیث اور مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چاند انتیس شعبان کا تھا اور آسمان پر چاند دیکھنے سے کوئی چیز مانع نہ تھی کہ اعرابی نے اور حضرت ابن عمر نے دیکھا اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے چاند دیکھنے کے متعلق عرض کیا تو آنحضور نے دوسرے لوگوں

ہو چاند دیکھنے سے قاصر رہے تھے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا :۔

۷۔ اگر آسمان بالکل صاف ہو تو پھر دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے رویت ہلال ثابت نہیں ہو سکتی۔ خواہ یہ رمضان کا ہلال ہو اور یا عید کا۔ بلکہ اس قدر بکثرت آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں کہ دل اس بات کو مان لے کہ یہ غلط نہیں کہتے اور جھوٹ پر یہ سب متفق نہیں ہو سکتے۔ شرح الہدایہ میں ہے :۔

واذا لم تکن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم (شرح ہدایہ صفحہ ۱۶۸/ج ۱)	اور اگر آسمان پر ابر غبار یا دھند نہ ہو تو جب تک جماعت کثیرہ نہ دیکھ لے کہ جن کی خبر سے یقین کا مقام حاصل ہو جائے شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

جماعت کثیر کا مطلب

مطلع کے صاف ہونے کی صورت میں جماعت کثیر کی گواہی کا مطلب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ :۔

> ”مراد کثیر سے اتنے لوگ ہیں۔ کہ ساتھ خبر ان کی کے ظن غالب حاصل ہو اور تحدید عدد کی مفوض ہے طرف رائے امام کے اور بعضوں کے نزدیک جماعت کثیر سے مراد ایک محلے کے لوگ ہیں اور (امام) ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ پچاس مرد ہوں“ (مظاہر حق باب رویت ہلال کتاب الصوم)

۸۔ اگر ابر غبار یا دھند کی وجہ سے انتیس شعبان کو چاند نظر نہ آیا اور شعبان

کے تیس دن سمجھنے چاہئیں۔ ہدایہ میں ہے:۔

وینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فان رأوه صاموا وان غم علیهم اکملوا عدة شعبان ثلثین یومًا ثم صاموا (ہدایہ صفحہ ۱۹۵ ج ۱)

اور لوگوں کو چاہیئے کہ شعبان کی انتیس کو چاند دیکھیں اگر دیکھ لیں تو روزہ رکھیں اور اگر چاند ابر میں چھپ کر نظر نہ آیا تو شعبان تیس دن کا پورا کر کے پھر روزے رکھو۔

یہ اس لیئے کہ آنحضور علیہ السّلام شعبان کے ایّام گنا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے:۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلّى الله عليه وسلم يتحفظ من شعبان ما لا يتحفظ من غيره ثم يصوم لرؤية رمضان فان غم عليه عد ثلثين يومًا ثم صام۔

(رواہ ابو داؤد)

عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینے کی اتنی حفاظت فرماتے تھے کہ اتنی اور کسی مہینے کی نہ فرماتے پھر ہلال رمضان دیکھ کر روزہ رکھتے لیکن اگر آپ پر چاند پوشیدہ ہو جاتا تو شعبان کے تیس دن پورے کرتے اور پھر روزہ رکھتے۔

یوم شک میں رمضان کا روزہ

۹۔ اگر غبار، ابر یا دھند کی وجہ سے انتیس شعبان کو چاند نظر نہ آیا تو تیس شعبان کو روزہ نہ رکھنا چاہیئے۔ حدیث میں اس کی ممانعت

دی گئی ہے۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے:-

عن عمار بن یاسر قال من صام	عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ جس نے
الیوم الذی یشك فیه فقد عصی	شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم
ابا القاسم صلی اللہ علیه وسلم	(آنحضورؐ کی کنیت) صلی اللہ علیہ وسلم
(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی	کی نافرمانی کی۔

بحوالہ مشکوٰۃ باب رویت ہلال)

یوم شک کی تعریف

مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کے ماتحت یوم شک (شک کے دن) کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

"شعبان کی تیسویں شب (انتیسویں کا دن ختم ہونے کے بعد آنے والی رات) کو جو چاند بسبب ابر وغیرہ کے نہ معلوم ہو۔ یا گواہی دے چاند دیکھنے کی ایک شخص۔ پھر رد کی جاوے گواہی اس شخص کی یا دو فاسق گواہی دیں۔ پھر رد کی جاوے گواہی ان کی۔ اس کی صبح کو جو دن ہو اس کو دن شک کا کہتے ہیں۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ رمضان کا دن ہو وہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ رمضان کا نہ ہو۔ اور اگر ابر نہ ہو اس کی شب کو اور نہ کوئی چاند دیکھے تو وہ دن شک کا نہیں۔" (مظاہر حق باب رویت ہلال)

۱۰۔ یوم شک میں نفل روزے کا حکم

یوم شک میں رمضان کے فرض روزے کے رکھنے کی اجازت نہیں اور نہ واجب روزے کی مثلاً منت کا روزہ۔ بلکہ اس روزہ

نفل روزہ بھی نہ رکھنا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص ہمیشہ پیر، جمعرات، جمعہ یا کسی خاص دن کا نفلی روزہ رکھا کرتا تھا اور شک کے دن اتفاق سے وہی دن آپڑا تو نفل کی نیت سے اس دن کا روزہ رکھ لینے کی اجازت بہتر ہے اگر باہر سے چاند کی خبر آگئی تو اسی نفلی روزے سے رمضان کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا اس کو قضا رکھنے کی ضرورت نہیں۔

زوال تک انتظار

۱۱- اگر بادل وغیرہ کی وجہ سے شعبان کی انتیس کو چاند نظر نہ آیا تو اگلے روز دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کچھ نہ کھاؤ اور نہ پیو۔ اگر کہیں باہر سے خبر آجائے اور شرعی ثبوت ہو جائے تو اس دن کے رمضان کے روزے کی نیت کرکے سورج کے چھپنے تک روزہ رکھنا فرض ہے اور اگر باہر سے بھی کوئی خبر مصدقہ نہ آئے تو پھر روزے کو توڑ دو۔ یوم شک میں روزہ مت رکھو۔ فقہ کی مستند کتاب شامی میں ہے:-

المختار ان یصوم المفتی بنفسه	مختار یہ ہے کہ مفتی خود اس دن کا احتیاطاً
اخذاً بالاحتیاط و یفتی	روزہ رکھے اور عام لوگوں کو خبر کی انتظار
العامة بالتلوم الی وقت	میں زوال تک روزہ رکھنے کا حکم دے
الزوال ثم بالافطار والتلوم	اور خبر نہ آنے پر عوام کو افطار کا فتویٰ
الانتظار (شامی صفحہ ۱۲۲)	دے دے اور تلوم کے معنی انتظار کے ہیں

۱۲- اگر انتیس شعبان کو کسی وجہ سے چاند نہیں ہوا اور کسی نے یہ خیال کر کے کہ کل کا دن رمضان کا تو ہے نہیں لہٰذا میرے ذمے جو قضا روزہ ہے

اس کو ادا کر لوں یا کفارے کا روزہ یا منّت اور نذر کا روزہ رکھ لوں تو اس دن قضا یا کفارہ یا نذر کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر رکھ لیا اور باہر سے چاند کی خبر آگئی تو پھر یہ رمضان کا روزہ ہوگا لیکن اگر خبر نہیں آئی تو پھر جس روزے کی نیت کی تھی وہی روزہ ادا ہو جائے گا در مختار میں اس دن کے قضا یا کفارہ یا منّت کے روزے کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے تحریمی نہیں۔

ولو صامه لواجب كره تنزيها ويقع عنه في الاصح ان لم تظهر رمضانية والا فعنه (درمختار صہ ۱۲۴/۱)	اگر (شک کے دن) کوئی واجب روزہ رکھا تو مکروہ تنزیہی ہے اور وہی روزہ جس کی نیت کی ہو جائے گا۔ بشرطیکہ رمضان کا روزہ ہونا ثابت نہ ہوا۔

چاند ہونے کی افواہ

۱۳۔ اگر کسی شہر میں شعبان کی انتیسویں تاریخ کو شہرت ہو گئی کہ چاند ہو گیا ہے لیکن تلاش کے باوجود کوئی آدمی یہ گواہی نہیں دیتا کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو ایسی افواہ اور شہرت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۱۴۔ تنہا چاند دیکھنے والا غیر معتبر شخص

اگر کسی تنہا شخص نے انتیس کو ابر وغیرہ کی حالت میں چاند دیکھ لیا اور کسی نے نہیں دیکھا لیکن یہ شخص شریعت کا پابند نہیں تو اس کی گواہی پر شہر والے تو روزہ نہ رکھیں البتہ اس شخص کو خود روزہ رکھنا چاہیے اور اگر اس اکیلے روزہ رکھنے والے نے تیس روزے

پورے کر لئے اور عید کا چاند نظر نہیں آیا تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور شہر والوں کے ساتھ عید ادا کرے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کو چاند دیکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہدایہ میں ہے:-

ولو اکمل ھذا الرجل ثلثین یوماً لم یفطر الا مع الامام۔ (ہدایہ صفحہ ۱۹۷ ج ۱ عالمگیری صفحہ ۱۲۷ ج ۱)	اگر اس شخص نے تیس روزے پورے کر لئے اور (چاند نہیں ہوا) تو افطار کرے مگر امام کے ساتھ (یعنی سب کے ساتھ عید منائے)

۱۵۔ اگر کسی نے عید کا چاند تنہا دیکھا اور اس کی گواہی مسترد کر دی گئی اور شریعت کے معیار پر نہ اتری تو اس کو عید کرنا درست نہیں بلکہ روزہ ہی رکھے اور اگلے دن تیس روزے پورے کر کے عید منائے۔ یہ بھی ۲۹ رمضان کے چاند سے متعلق ہے۔ عالمگیری اور ہدایہ میں ہے:-

رجل رای ھلال الفطر وشھد ولم تقبل شھادتہ کان علیہ ان یصوم (ہدایہ صفحہ ۱۹۸ ج ۱۔ عالمگیری صفحہ ۱۲۷ ج ۱)	ایک شخص نے ہلال عید الفطر دیکھا اور گواہی دی لیکن اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔

چاند بڑا ہے

بعض لوگ چاند دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ تو ایسا بڑا معلوم ہوتا ہے جیسا دوسری رات کا ہوتا ہے۔ ایسا کہنا درست نہیں۔ بلکہ حدیث میں ایسا کہنے کو قیامت کی علامت قرار دیا گیا ہے علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم کی شرح فتح الملہم میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:-

ولا عبرۃ بکبرہ بل ودقان	چاند کے بڑے ہونے کا اعتبار نہیں بلکہ

انتفاخ الاهلة من علامات الساعة (فتح الملہم صفحہ ۱۱۲ ج ۳ مطبوعہ پاکستان)

حدیث میں آیا ہے کہ ہلالوں کا بڑا ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

مطلب حضور ؐ کا یہ ہے کہ چاند کے بڑے اور چھوٹے ہونے کو نہ دیکھو بلکہ جس دن چاند نظر آیا ہے اسی دن سے رمضان یا عید کا تعین ہوگا۔ البتہ پہلی رات کا چاند بھی بڑا ہو سکتا ہے اور ایسا معلوم ہو سکتا ہے کہ گویا دیکھنے والوں کو یہ دوسری یا تیسری رات کا لگتا ہے لہذا پہلی رات کے چاند کو بڑا کہنا قیامت کے قریب واقع ہونے والی نشانیوں علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ درمختار میں ہے:-

ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدولا على المذهب (درمختار صفحہ ۱۲۷ ج ۲)

اور حساب لگانے والوں کے قول کا اعتبار نہ ہوگا اگرچہ وہ مذہب کے بارے میں انصاف پسند اور معتبر ہی کیوں نہ ہوں

درمختار کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے شیخ محمد امین المعروف به ابن عابدین صاحب فتاویٰ شامی لکھتے ہیں:-

(لا عبرة للموقتين) اى فى وجوب الصوم على الناس بل فى المعراج لا يعتبر قولهم بالاجماع ولا يجوز للمنجم ان يعمل بحساب نفسه وفى النهر فلا يلزم بقول الموقتين انه اى

نجومیوں کے قول کا اعتبار نہ ہوگا یعنی لوگوں پر روزہ واجب ہونے کے بارے میں بلکہ معراج میں ہے کہ باتفاق تمام ان کا قول معتبر نہ ہوگا اور نجومی کے لئے بھی اپنے حساب نجوم پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اور نہر میں ہے کہ نجومیوں کے قول پر روزہ

الهلال يكون في السماء ليلة كذا وان كانوا عدولا في الصحيح كما في الايضاح (شامی ص ۹۷ ج ۲ وص ۹۵ ج ۲ مطبوعہ مطبع امیریہ مصر ۱۳۲۳ھ ایڈیشن سوم)

لازم نہیں کہ وہ کہیں کہ ہلال آسمان پر فلاں رات کو ہوگا اگرچہ وہ متقی ہی کیوں نہ ہوں۔ صحیح یہی ہے جیسا کہ ایضاح میں ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ چاند دیکھ کر یہ حساب لگانا کہ یہ فلاں رات کا ہے یا یہ ایسا بڑا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری کا ہے یا نجوم اور محکمہ حسابات کے حساب پر رویت سے پہلے فیصلہ کر دینا اور روزے یا عید کی تاریخ مقرر کر دینا درست نہیں۔ حتّٰی کہ خود نجومی کو بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں کہ اس حساب پر روزہ رکھے یا عید کے لئے افطار کرے۔

بعض علمائے شوافع مثلاً سبکی نے علم نجوم پر روزے یا عید کے بارے میں اعتماد کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن بعد کے آنے والے عالم شوافع نے ہی ان کے اس قول کی تردید کر دی ہے۔ شامی میں ہے:-

وللامام السبكي الشافعي تاليف مال فيه الى اعتماد قولهم لان الحساب قطعي الخ ومثله في شرح الوهبانية قلت ما قاله السبكي رده متاخرو اهل مذهبه ومنهم ابن حجر۔

اور امام سبکی شافعی کی ایک کتاب ہے جس میں وہ نجومیوں کے قول پر اعتماد کی طرف مائل نظر آتے ہیں کیونکہ حساب قطعی ہوتا ہے الخ اور اسی طرح کا قول شرح وہبانیہ میں ہے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ سبکی نے کہا ہے ان کی انہی کے اہل مذہب متاخرین شوافع نے تردید کی ہے جن میں ابن حجر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی شخصیت شافعی علما میں بہت بلند پایہ شخصیت ہے ان کا فرمایا ہوا مستند ہے۔ لہٰذا سبکی کے قول کی ان کی طرف سے تردید کافی ہے۔ اس کے بعد آخر میں فقیہ شامی آخری فیصلہ دیتے ہیں جو حسب ذیل ہے

وعن شمس الائمة الحلوانی	اور شمس الائمہ حلوانی سے ہے کہ روزہ
ان الشرط فی وجوب الصوم	اور افطار کے واجب ہونے میں شرط
والافطار الرؤیة ولا یؤخذ	چاند کا دیکھنا ہے اور نجومیوں وغیرہ کا
فیہ بقولہم ثم نقل عن	قول اس بارے میں نہیں لیا جائے گا پھر
مجد الائمة الترجمانی	انہوں نے ترجمانی کا قول نقل کیا ہے کہ کسی
انہ اتفق اصحاب ابی حنیفة	ایک آدھ کے سوا تمام حنفی اور شافعی اس
الا النادر والشافعی انہ لا	پر متفق ہیں کہ نجومیوں اور حساب والوں
اعتماد علی قولہم (شامی صفحہ ۹۵ ج ۲)	کے قول پر اعتماد جائز نہیں۔

یعنی تمام حنفیوں اور شافعیوں کا حلوانی اور ترجمانی کے قول کے مطابق اس بات پر اتفاق ہے کہ علم نجوم کے حساب اور نجومیوں کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ گواہوں کی گواہی پر اعتماد کیا جائے گا اور اسی کو فقہ کی معتمد کتاب معراج میں یہ کہا گیا ہے کہ اسی پر اجماع ہے کہ نجومیوں کا قول معتبر نہ ہوگا اور اجماع و اتفاق فقہا، علما قطعی فیصلہ ہوتا ہے جس کے مقابلے میں سبکی یا اور اقلیت کی رائے یا اجتہاد قابل اعتبار نہیں۔

فیصلہ اب تک کی ہماری فقہی تحقیق کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ احکام شرعی کی فرضیت کا معیار وہی اسباب اور چیزیں ہوں گی جن کو

شارع علیہ السّلام اور قرآن نے معیار قرار دیا ہے اور انہی پر اعتماد کیا جائے گا۔ انسان کی طے کردہ چیزیں خواہ درست ہی کیوں نہ ہوں انکو وجہ اعتماد نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اسی کا نام دین ہے مزید وضاحت کے لئے ان الفاظ پر غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص کسی جماعت کو یہ حکم دے کہ چونکہ رمضان سخت گرمی میں واقع ہو رہا ہے لہٰذا اس ماہ کی بجائے فروری یا دسمبر میں روزے رکھے جائیں درانحالیکہ خدائے کریم نے رمضان کے روزوں کو فرض قرار دیا ہے تو رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ کے روزے رکھنے سے روزے ادا نہ ہونگے کیونکہ کسی انسان کی ذاتی رائے اور شخصیت روزوں کو کسی دوسرے ماہ میں منتقل کرنے کی اتھارٹی نہیں رکھتی ہے۔ اسی طرح جبکہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ فرما دیا ہے کہ:۔

صوموا لرؤیتہ وافطروا	کہ روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور عید مناؤ
لرؤیتہ فان غم علیکم۔	چاند دیکھ کر پس اگر چاند ابر میں نظر
فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین	نہ آیا تو شعبان کے تیس دن کی گنتی
(بخاری مسلم)	کی عدت پوری کرو۔

لہٰذا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس فیصلے کے بعد کسی کو اپنی طرف سے کوئی ترمیم کرنے کا حق نہیں ہے اور یہی معیار قابلِ اعتماد ہوگا جو شارع علیہ السّلام نے فرمایا ہے اور کسی نجومی اور ہیئت کے ماہر اور رصدگاہوں کے منجموں کا قول اور حساب قابل اعتماد نہ ہوگا۔

موجودہ دور کے تقاضے

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام ایک معتدل اور لچک دار مذہب ہے اس کو زمانے کے تقاضوں کے ہم آہنگ بنا کر دنیا کے ساتھ چلنا ہی دانائی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو دین اسلام کو تنگ بنا کر زمانے کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا تنگ نظری ہے جس کی اسلام جیسے وسیع القلب دین سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسلام حرج اور تنگی کو دور کرتا ہے اور کسی انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف دینے کا روادار نہیں ہے ہمیں اس سے پورا اتفاق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ:۔

۱۔ اگر کوئی شخص مالدار ہے اور اس پر حج فرض ہے لیکن صحت مند نہ ہونے کے باعث یا سفر پر قدرت نہ رکھنے کے باعث مجبور ہے تو اس کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے بھیج دے

۲۔ یا ایک شخص جو لنگڑا ہے یا نابینا ہے جس کے باعث جہاد کی فرضیت کے باوجود شریک ہونے سے معذور ہے تو اسلام اس کے لئے لچک جاتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے:۔

يْسَ عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ
لَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ

مریض اور لنگڑے پر (جہاد میں شرکت نہ کرنے کے باعث) کوئی حرج نہیں ہے

۳۔ یا نماز میں قیام فرض ہے لیکن اگر کوئی شخص بیماری یا کمزوری کے باعث کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو اسلام اس کے لئے نرم

ہو جاتا ہے اور اس کو بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت دے دیتا ہے لیکن معاف نہیں کرتا۔ البتہ اس وقت معاف کرتا ہے جبکہ لیٹ کر بھی اشاروں سے نماز پڑھنے کی کوئی طاقت نہ رکھے۔

لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ بیماری کے عالم میں زمانے کے تقاضے کے مطابق خواہ انسان بیٹھ کر ہی نماز پڑھ سکے علمائے جدید کو نماز ہی معاف کر دینی چاہیئے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے اور نہ اس کو لچک ہی کہتے ہیں۔

اسی طرح انسان کی مصروفیتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اگر وہ دفتروں اور کارخانوں میں کام کے وقت ظہر اور عصر کی نماز نہ پڑھیں اور ان سے یہ نماز معاف کر دی جائے کیونکہ اتنے عرصے میں نماز کی وجہ سے اقتصادی اور اکنامیکل حرج لازم آئے گا۔ اس لئے اسلام کی کے باعث صرف صبح اور مغرب و عشا کی نمازیں باقی رکھی جائیں باقی نمازیں معاف کر دی جائیں تو زمانے کا تقاضا پورا ہو جائے گا واضح رہے کہ اسلام کے لچک دار اور نرم ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہر دنیاوی اور مادی ترقی کے لئے خدا کے حقوق میں کتر بیونت ا ترمیم و تنسیخ کر دی جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ دوسری قومیں ہم صنعتی ترقی میں بڑھتی چلی جا رہی ہیں بلکہ اس کے برعکس مسلمان کی ترقی اسی میں ہے کہ نماز کے وقت کو تمام دنیاوی خدمات سے فارغ کر جائے بالخصوص مسلم اسٹیٹس میں اگر یہی لچک رہی تو لچک ہی لچک ہیں

دین اسلام ختم ہو کر رہ جائے گا۔ گذشتہ سال تیونس کے مفتی اعظم نے دفتروں میں کام کرنے والوں پر روزہ ضروری نہ ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس اجتہاد کی بنا پر کاشت کرنے والے کاشت کار، مکان تعمیر کرنے والے معمار، کارخانے میں کام کرنے والے مزدور، کالجوں اور اسکولوں میں پڑھانے والے پروفیسر اور اُستاذ سب ہی اس لچک سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق ہیں۔ چلیے ختم ہوا روزہ اور رمضان اور ختم ہوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کا آرڈیننس۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

علم نجوم وغیرہ کے مطابق ہلال کا تعین اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی کا فتویٰ

ہم نے شامی کی عبارت سے تحقیقات کی تفصیلات کا جو جائزہ پیش کیا ہے اس روشنی میں متحدہ ہندوستان کے جیّد اور عظیم المرتبت فقیہ و مفتی اور علمائے فرنگی محل کے دریکتا جناب مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محل کا فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب متحدہ ہندوستان کے مسلم اور غیر جانبدار مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ کے انیسویں صدی کے زبردست فقیہ گذرے ہیں جنہوں نے ہدایہ اور دوسری فقہ کی کتابوں پر فاضلانہ اور فقیہانہ حواشی درج فرمائے ہیں اور ان کی قابلیت علمائے دیوبند و بریلی اور تمام ہند کے نزدیک مسلم ہے۔ ان کا مجموعہ فتاویٰ مطبوعہ مطبع نولکشور اس وقت میرے سامنے ہے جو خلاصۃ الفتاویٰ عربی از شیخ طاہر بن احمد

بن عبداللہ تنبیہ بخاری کے حاشیے پر چھاپا گیا ہے۔ کسی شخص نے مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حسب ذیل سوالات کئے ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال از علمائے دین و مفتیان شرع متین اینست کہ در باب رویت ہلال ماہ رمضان و ماہ شوال شرعاً گواہی خطوط و تار برقی و قول ارباب توقیت غیر مقبول است و برین اتفاق جمہور علما است لیکن فی زماننا ہر فرد مسلمان مطلق العنان و آزاد است مطیع و منقاد کسی نیست فرداً فرداً خود قاضی و خود مجتہد و خود مفتی است حکام زمان اہل اسلام نیستند و اگر ہستند در امور اسلامیہ سست اند۔ ازین باعث اکثر در ثبوت رمضان و در بارۂ عید نہایت فساد واقع می شود۔ در نصف شہر رمضان و در نصف شعبان و در نصف عید می شود۔ ازین باعث مسلمانان باہم جنگ

علمائے دین اور مفتیان شرع متین سے سوال یہ ہے کہ رمضان اور شوال کے مہینوں کے ہلال کی رویت کے بارے میں خطوط، تار برقی اور نجومیوں کا قول مقبول نہیں ہے چنانچہ اس بات پر اکثر علما متفق ہیں لیکن ہمارے زمانے میں ہر ہر مسلمان مطلق العنان اور آزاد ہے کسی کا مطیع اور فرمانبردار نہیں ہے ہر ایک شخص خود قاضی، خود مجتہد اور خود مفتی بنا بیٹھا ہے۔ زمانے کے حاکم مسلمان نہیں اور اگر (کچھ) ہیں تو اسلامی معاملات میں سست ہیں۔ اسی سبب سے اکثر رمضان اور عید کے ثبوت میں بہت فساد واقع ہوتا ہے آدھے شہر میں رمضان اور آدھے شہر میں شعبان اور آدھے میں عید ہوتی ہے اس سبب سے

می کنند و انواع و اقسام خصومت فیما بین پیدا می شود بلکہ خانہ بخانہ نفاق سرایت می کند۔ نصف مردان یک خانہ یک جانب و نصف دیگر بجانب دیگر۔ کسے صائم کسے مفطر۔ برائے انسداد این رخنہ عمل بگواہی خطوط یا تار برقی یا قول اہل توقیت کہ اکثر بہ صادق می باشند از غلبۂ ظن و قرائن صداقت واضح می شود باوجود اینکہ بعض فقہا قول اہل توقیت را ہم منظور کردہ اند و غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل ہم ہست والاحکام تختلف باختلاف الزمان مشہور است نظر بر این وجوہات بر شہادت مرقومہ بالا تعمیل درست است یا نہ بینوا توجروا۔

مسلمان آپس میں جنگ کرتے ہیں اور طرح طرح کی دشمنیاں آپس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بلکہ گھر گھر لڑائی چل نکلتی ہے ایک ہی گھر کے آدھے آدمی ایک طرف اور آدھے دوسری طرف۔ کوئی روزہ دار اور کوئی بے روزہ۔ اس فساد کو دور کرنے کے لیے خطوط یا تار یا حساب دانوں کے قول پر کہ اکثر سچے نکلتے ہیں۔ اور ظن کے غلبے اور قرائن سے صداقت واضح ہوتی ہے۔ عمل جائز ہے یا نہیں باوجودیکہ بعض فقہا نے اہل توقیت کے قول کو منظور کیا ہے اور غلبۂ گمان ایک ایسی دلیل ہے جو قابل عمل ہے اور زمانہ کے اختلاف کے ساتھ احکام کا مختلف ہونا بھی مشہور ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر مذکورہ بالا شہادت پر عمل درست ہے یا نہیں بیان کیجئے اور اجر لیجئے۔

(مجموعۃ الفتاوی صفحہ ۲۶۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

مولانا عبدالحی صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

در باب قول منجمین و ارباب توقیت هرچند که بعض فقها فتوی داده است چنانچه در قنیه از قاضی عبدالجبار معتزلی نقل کرده است۔

"لا باس بالاعتماد علی قولهم" و ابن مقاتل نقل کرده است:۔ انه کان یسألهم و یعتمد علی قولهم۔

و سبکی شافعی در فتاوی خود نوشته است:۔ "لو شهدت بینة برویة الهلال لیلة الثلاثین من الشهر و قال الحساب بعدم امکان الرویة تلک اللیلة عمل بقول اهل الحساب فان الحساب قطعی و الشهادة ظنیة" مگر چونکه احادیث صحیحه بکثرت درین باب وارد اند که مدار صوم و افطار رویت است ازین وجه بدون ثبوت رویت صرف بر قول ارباب توقیت اعتماد کردن

نجومیوں اور توقیت کا حساب لگانے والوں کے بارے میں ہر چند کہ بعض فقہا نے جواز کا فتوٰی دے دیا ہے جیسا کہ قنیہ میں قاضی عبدالجبار معتزلی کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ منجمین اور ارباب توقیت کے قول پر اعتماد میں مضائقہ نہیں اور ابن مقاتل نے (قاضی عبدالجبار کے متعلق) نقل کیا کہ وہ نجومیوں اور جنتری والوں سے پوچھا کرتا تھا اور ان پر اعتماد کیا کرتا تھا۔

اور سبکی شافعی نے اپنے فتاوٰی میں لکھا ہے "اگر گواہوں نے کسی مہینے کی تیسویں کو چاند کے دیکھنے کی گواہی دی اور حساب اس رات چاند کے ہونے کو ناممکن بتاتا ہے۔ تو اہل حساب کے قول پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ حساب قطعی ہے اور شہادت ظنی ہے" لیکن چونکہ صحیح حدیثیں بکثرت اس بارے میں آئی ہیں کہ روزہ رکھنے اور عید منانے کا دار و مدار چاند دیکھنے پر ہے اس وجہ سے رویت کے ثبوت کے بغیر ارباب توقیت کے قول پر اعتماد کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور

ناچار خواہد بود صحیح و معتبر قول فقہا قرار خواہد گرفت کہ بر قول ارباب توقیت اعتماد نمی کنند۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا العدد اخرجہ مسلم وقال صلی اللہ علیہ وسلم الشہر تسع و عشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین اخرجہ البخاری وقال صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان حالت دونہ غیابۃ فاکملوا ثلثین یوما اخرجہ الترمذی وقال صلی اللہ علیہ وسلم انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشہر ھکذا و

فقہا کا قول صحیح اور معتبر قرار دیا جائے گا کہ وہ ارباب توقیت کے قول پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ لیکن اگر چاند نہ دیکھا جا سکا تو گنتی پوری کرو۔ مسلم نے یہ حدیث بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہینہ کبھی انتیس رات کا ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ مت رکھو لیکن اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا تو تیس راتوں کی تعداد پوری کرو۔ بخاری نے یہ حدیث بیان کی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر ہی عید مناؤ پس اگر چاند کو کوئی چیز ابر وغیرہ چھپا لے تو اس صورت میں تیس دن پورے کرو۔ یہ حدیث ترمذی نے بیان کی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ان پڑھ قوم ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ

دیگر احادیث -

الغرض ازیں احادیث ایں ثابت است کہ شرعاً مدار صوم و افطار رویت است و بنا بر کمال سی یوم - پس در اعتبار قول منجمین مخالفت احادیث لازم قول ارباب توقیت نجومیہ در ایں روایات حجت ملزمہ نمی تواند شد - آری اگر در روزہ رمضان احتیاطاً کسے بر قول ایشاں عمل کرد مثلاً در بست و نہم شعبان رویت ہلال نشد و حساب صحیح مقتضی رویت است پس احتیاطاً روز دوم کسے روزہ داشت ہیچ حرج نخواہد شد فان الاحتیاط امر مرغوب فی الدین - لیکن ایں حساب حجت ملزمہ باعث حکم عام نخواہد شد و

حساب جانتے ہیں۔ مہینہ اتنے اور اتنے دنوں کا ہوتا ہے۔ تا آخر حدیث -

غرض اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ شرعی طور پر صوم اور افطار (روزہ اور عید) کا مدار رویت ہلال پر ہے ورنہ تیس دن کا پورا کرنا۔ پس نجومیوں کے قول پر اعتبار کرنے کی صورت میں حدیثوں کی مخالفت ہوتی ہے اور ارباب توقیت کا قول ان روایات کے باعث ضروری دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر روزہ رمضان میں کسی نے احتیاطاً ان کے قول پر عمل کیا۔ مثلاً انتیس شعبان ہلال نہیں دیکھا گیا اور صحیح حساب چاند ہونا بتاتا ہے پس احتیاطاً اگلے دن کسی نے روزہ رکھ لیا۔ تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔ کیونکہ دین میں احتیاط پسندیدہ بات ہے لیکن یہ حساب عام لوگوں کے لئے لازمی حجت نہیں ہوگا اور افطار یعنی عید منانے میں احتیاط افطار نہ کرنا ہی ہے (خواہ

دربابِ افطار احتیاط در ترکِ افطار خواہد شد۔

شہادت خطوط یا تار برقی

باقی شہادت خطوط یا تار برقی پس ہر چند فقہا در چنین مقامات الخط یشبہ الخط می نویسند لیکن در چنین صورت کہ ظن حاصل شود و شبہ قوی باقی نماند و خبر تار یا خط بدرجۂ کثرت برسد بر آں عمل می توانند شد۔ و بحسب اقتضائی انتظام زمانہ حال بر آں حکم عام ہم می توان داد واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

نجوم کے حساب سے چاند یا ابر کی صورت میں ہونا معلوم ہوتا ہو)

شہادت خطوط یا تار برقی

باقی خطوط یا تار برقی کی شہادت ہر چند کہ فقہا نے ان جیسے مقامات میں تحریر تحریر کے مشابہ ہو سکتی ہے" لکھا ہے لیکن اس صورت میں کہ گمان حاصل ہو جائے اور شبہ کی جانب قوی نہ رہے اور تار یا خط کی خبر کثرت کے درجے پر پہنچ جائے اس پر عمل ہو سکتا ہے اور موجودہ زمانے کے انتظامات میں سہولت کے باعث اس پر عام حکم دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب اس فتوے کو امیدوار رب قوی ابو الحسنات محمد عبد الحی نے لکھا۔

سوال کرنے والے کے سوالات اور مولانا عبد الحی صاحب کے جوابات آپ کے سامنے ہیں۔ سائل نے دراصل دو سوال کیے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:-

۱- کیا چاند کا نجوم سے حساب کرنے والوں کے قول پر روزے کی فرضیت

اور عید منانے کے بارے میں اعتماد درست ہے یا نہیں یعنی اس صورت میں جبکہ انتیس کو ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے۔

۲- دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر انتیس کو ابر یا غبار یا دھند کی وجہ سے کسی دوسرے شہر میں چاند دیکھا گیا اور کسی نے وہاں سے کسی شہر کے آدمی کو خط لکھا کہ یہاں چاند ہم نے دیکھا ہے یا چاند کے ہونے کی خبر تار کے ذریعہ سے دی تو کیا اس خط یا خطوط اور تار برقی کو شہادت مان کر دوسرے شہر میں جہاں چاند ابر کی وجہ سے نہیں دیکھا گیا روزے یا عید کا منانا درست ہوگا یا نہیں۔

خلاصہ جوابات

مولانا عبدالحی صاحب کے پہلے سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بعض فقہا نے نجومیوں اور اہل توقیت کے حساب پر اعتماد کو درست قرار دیا ہے لیکن اکثر اور جمہور فقہا نجومیوں وغیرہ کے قول پر اعتماد کو جائز قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ نجومیوں کے قول پر اعتماد کرنے سے ان احادیث کی مخالفت ہوتی ہے جن کو مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے جواب اور فتوے میں پیش کیا ہے اور جن حدیثوں میں روزوں کے واجب ہونے اور عید منانے کے لئے رویت ہلال کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی ایک آدمی از راہ احتیاط نجوم کے حساب پر اعتماد کرکے روزہ رکھ لے تو کوئی بات نہیں۔ لیکن اس ایک آدمی کا احتیاط کی بنا پر روزہ رکھ لینا دوسروں کے لئے سند نہیں ہے۔ مولانا

عبدالحی صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ حکم سب لوگوں کے لئے نہیں ہوگا کہ وہ نجوم کے حساب پر روزے کو معیار بنا لیں اور اس پر اعتماد کرکے عمل کرنا شروع کر دیں۔

خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ حضرت فقیہ شامی اور تمام حنفیوں اور شافعیوں (خال خال کے سوا) کے قول کے مطابق روزہ رکھنے اور عید منانے کا معیار رویت ہلال ہے منجمین کا حساب نہیں۔

لچک کا تقاضہ

واضح رہے کہ مولانا عبدالحی صاحب کو سوال کرنے والے نے کئی چیزوں کی طرف متوجہ کرکے لچک دار جواب دیئے جانے کی اُمید وابستہ کی ہے مثلاً اس نے کہا ہے:

چاند کے اختلاف کے باعث گھر گھر میں فساد، شہر شہر میں آدھے لوگ روزے دار اور آدھے بے روزہ، آدھے عید منانے میں مصروف اور آدھے عید سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں طرح طرح کی دشمنیاں اختلافات کی وجہ سے نمودار ہوتی ہیں۔ اتحاد و اتفاق اٹھ گیا ہوتا ہے۔ ان حالات میں سب کو ایک نقطۂ اتحاد پر جمع کرنے کے لئے اگر نجومیوں کے قول اور حساب پر روزہ رکھ لیا جائے یا عید منالی جائے تاکہ سب میں اتفاق ہو جائے اور سب متحدہ طور پر عید منائیں تو کیا حرج ہے اور زمانے کے اختلاف کے ساتھ ساتھ چونکہ احکام بھی بدلتے رہتے ہیں لہٰذا ان حالات میں اگر نجومیوں اور جنتریوں کے حساب پر بھروسہ کیا جائے تو درست ہے یا نہیں درآنحالیکہ بعض فقہا نے منجمین کے قول

پر اعتماد کو درست مانا ہے۔

ان سب چیزوں کا خیال نہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحی صاحب جیسے مفتی کے قلم سے بالکل لچک پیدا نہیں ہوتی اور انہوں نے منجمین کے قول پر اعتماد کو رد کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح سے جس طرح ابن حجر نے سبکی کے قول کو رد کر دیا۔

نجومیوں اور ہیئت والوں کے قول پر عدم اعتماد۔ مولانا اشرف علی صاحب کا فتویٰ

کسی صاحب نے اخبار ہمدم لکھنؤ میں چاند کے متعلق لکھا تھا کہ چاند کے حساب میں غلطی نہیں ہوتی لہٰذا اس کے حساب سے روزہ متعین ہو سکتا ہے۔ اس کی تحریر کی روشنی میں کسی صاحب نے مولانا اشرف علی صاحب کو رسالے کی عبادت لکھ کر بھیج دی۔ مولانا نے اس کا جواب عنایت فرمایا۔ تحریر اور جواب حسب ذیل ہے:-

"علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کیا تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار ہمدم لکھنؤ مورخہ ۸ جولائی ۱۹۱۶ء ... کا ایک مضمون چھپا ہے جو لفظ بلفظ درج کیا جاتا ہے۔ اس پر شرعاً عمل درآمد کرنے کے لئے حکم ہے اور اس پر عملدرآمد کرنا چاہئے یا نہیں؟"

اوقات صوم و صلوٰۃ

۱۔ ملاحظہ ہو روزنامہ ہمدم مورخہ ۱۴ جون ۱۹۱۶ء (جس میں ایک مضمون

اوقات کے متعلق تھا جس سے مسئلہ ہذا سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) مسلمان اگر ہیئت سیکھیں کہ ان کو معلوم ہو کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے ملاحظہ ہو قرآن مجید سورہ رحمٰن آیت نمبر ۵۔

(۳) افلاک ارضی و قمر بیضاوی شکل کے ہیں لہذا حساب واقعی طلوع اور غروب شمس بحساب مخروطی کرنا لازم ہوتا ہے۔ اشکال مدور (گیند کی طرح) اور بیضاوی (انڈے کی مانند) میں فرق ہوتا ہے۔ ہند میں معیار وقت بلحاظ شمس وسطی ہوتا ہے۔ لہٰذا جب واقعی طلوع و غروب کا وقت کسی جگہ کا نکالنا ہو تو جو فرق شمس وسطی اور شمس واقعی میں ہو اس کو دفع کرنا لازم ہوتا ہے اسی سبب سے بعض روز دو ایک دقیقے کی کمی یا زیادتی بغیر تسلسل کے ہوتی ہے۔

(۴) لیل و نہار ہمیشہ ۲۴ گھنٹے کے ہیں کبھی طلوع اور غروب میں کمی اور زیادتی ہوئی تو بھی ۲۴ گھنٹے میں فرق نہیں ہو سکتا۔

(۵) پنجشنبہ ۵ جولائی ۱۹۱۷ء کو ۹ ، ۸ دقیقہ ۳ گھنٹے پر قبل ظہر خسوف یعنی چاند گرہن تھا اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی اور اس روز پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

(۶) غرہ رمضان المبارک میں بوجہ عدم رویت کے فرضیت نہیں ہو سکتی تھی لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدے سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰ جولائی ۱۹۱۷ء کو ۳۰ رمضان المبارک ہے اور اس روز

اگر مطلع صاف نہ ہو تو رویت کی حاجت نہیں ہے بلحاظ علم ہیئت اور مشاہدہ شنبہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو غرۂ شوال ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے اور اس روز صوم بلا شبہ حرام ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب کا جواب

الجواب:- اوّل تو ان مقدمات ریاضیہ میں بعضے مخدوش بھی ہیں۔ دوسرے قطع نظر اس سے شریعت میں ان کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشہر ھکذا و ھکذا الخ اس کی صریح نفی کر رہی ہے یعنی ان کے اعتبار کے قطع نظر وقوع سے اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ باوجود کسی امر کے واقع ہونے کے اس پر اپنے احکام کو مبنی نہ کرے۔ جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم پر بدون ضابطے کی شہادت کے عمل نہیں کر سکتا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ باوجود واقعی ہونے کے اس پر حکم کا مبنی کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح یہاں سمجھ لیا جائے۔ اس قانون شرعی پر خلاف عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا اور راز اس کا وہی ہے جس کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی شریعت کا قواعد سہل پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر۔ تیسرے علے میں جب عدم رؤیت صوم مان لی گئی تو شنبہ کو غرۂ شوال یقینی ماننا اس کے منافی ہے۔ کیونکہ جمعہ کو ۳۰ قرار دینا مستلزم ہے۔ پنجشنبہ کے غرہ ہونے کو

گر اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو اور پنجشنبہ کا غرہ ہونا مستلزم ہے اس میں فرضیت صوم کو تو لازم آتا ہے فرضیت اور عدم فرضیت صوم کا مجتمع ہونا اور یہ اجتماع خود محال ہے اور مستلزم محال کو محال۔ پس یہ فتوی دینا کہ شنبہ کو روزہ رکھنا یقیناً حرام ہے بوجہ مبنی ہونے کے مقدمات مستحیلہ پر یقیناً باطل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ رائے محض غلط ہے اور اس پر عمل کرنا بالکل حرام ہے۔ اس کو اچھی طرح شائع کر دیجئے۔

کتبہ اشرف علی ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (امداد الفتاوی جلد دوم صفحہ ۹۰-۸۹)

جائزہ:- مولانا اشرف علی صاحب کے فتوے کے مطابق بھی جنتری یا علم ہیئت یا موقتین یا موسمی ماہرین یا رصدگاہوں کے مبصرین کے قول پر اعتماد کر کے چاند دیکھے بغیر روزہ رکھنا قابل قبول نہیں۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ روزے کی فرضیت کا تعلق رویت ہلال سے ہے۔ نجومیوں کے حساب پر نہیں خواہ حساب صحیح کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ اگر کوئی مجسٹریٹ کسی مقدمے کے متعلق ذاتی طور پر جانتا ہو۔ لیکن اس کا فیصلہ وہی صحیح سمجھا جائے گا جو گواہوں کی گواہی اور مسل کی صورت حال سے وابستہ ہے۔

ایک اور فتویٰ

ایک اور جگہ جنتری کی رو سے چاند پر اعتماد کرنے کے متعلق مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

"شریعت میں یا رویت (ہلال) حجت ہے یا شہادت رویت یا تکمیل صیام ثلاثین۔ اگر اولین نہ ہوں تو ثالث متعین ہے" (امداد الفتاوی جلد دوم صفحہ ۹۱ کتاب الصوم والاعتکاف)

مذکورہ تحریر کا یہ مطلب ہے کہ روزہ رمضان کے دیکھنے سے فرض ہوتا ہے یا چاند دیکھنے والوں کے چاند دیکھنے کی گواہی پر روزہ رمضان فرض ہوتا ہے اور اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے انتیس کو چاند نظر نہیں آیا اور کوئی رویت کی شہادت بھی نہیں تو پھر رمضان یا شعبان کے تیس دن پورے کرنے ہوں گے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی نجوم کے بارے میں تحقیقات

نجوم کے حساب پر روزے اور عید کے واجب نہ ہونے کے بارے میں اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ لَا نَحْسُبُ والی حدیث کے ماتحت علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک لفظ میں نکتہ حل کر کے رکھ دیا ہے اور حق یہ ہے کہ مختصری تحقیق میں انہوں نے حقیقت سے پردہ اٹھا کر رکھ دیا ہے۔ فتح الملہم میں مذکورہ حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

۱۔ قیل للعرب امیون لان الکتابۃ کانت فیہم عزیزۃ قال اللہ تعالیٰ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْہُمْ ولا یرد علی ذالک انہ کان فیہم من یکتب و یحسب لان الکتابۃ کانت فیہم قلیلۃ نادرۃ۔	عربوں کو اُمّی کہا گیا ہے کیونکہ ان میں لکھنا پڑھنا نادر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وہی ہے جس نے بے پڑھوں میں ان میں سے ایک رسول بھیجا"۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ ان میں بعض لکھ سکتے اور حساب کر سکتے تھے کیونکہ تحریر کا کام جاننے والے بہت ہی کم تھے

۲- والمراد بالحساب هنا حساب النجم وتسييرها ولم يكونوا يعرفون من ذالك ايضا الا النزر اليسير فعلق الحكم بالصوم وغيره بالرؤية لرفع الحرج عنهم في معاناة حساب التسيير-

اور حساب سے یہاں مراد نجوم کا اور ان کی گردش کا حساب ہے۔ عرب کے لوگ علم نجوم کو بھی بعض کے سوا کوئی نہ جانتا تھا اس لئے روزے وغیرہ کا حکم تنگی دور کرنے کے لئے رویت ہلال پر موقوف کردیا کہ نجوم کے حساب میں دقت تھی۔

۳- واستمر الحكم في الصوم ولو حدث بعدهم من يعرف ذالك بل ظاهر السياق يشعر بنفي تعليق الحكم بالحساب اصلا ويوضحه قوله في الحديث الماضي فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين ولم يقل فسلوا اهل الحساب والحكمة فيه كون العدد عند الاغماء يستوي فيه المكلفون فيرتفع الاختلاف والنزاع عنهم وقد ذهب قوم الى الرجوع

اور روزے کے بارے میں (رویت ہلال) کا حکم مستقل طور پر جاری کردیا اگرچہ بعد میں آنے والے علم نجوم کے ماہرین کیوں نہ پیدا ہو جائیں بلکہ ظاہری حکم نجوم کے حساب پر روزے کو معلق کرنے کے قطعاً خلاف ہے جس کی گزشتہ حدیث وضاحت کر رہی ہے یعنی "اگر ہلال دکھائی نہ دیا جائے تو تیس کی گنتی پوری کرو" اور آنحضور نے یہ نہیں فرمایا کہ نجومیوں اور حساب دانوں سے پوچھو۔ چاند کے نظر نہ آنے کی صورت میں تیس کا مہینہ پورا کرنے میں سب برابر ہو جاتے ہیں اور لوگوں سے اختلاف اور جھگڑے دور ہو جاتے ہیں

الی اهل التسییر فی ذالك وهم الروافض ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم قال الباجی "واجماع السلف الصالح حجة علیهم مع انه لو ارتبط الامر بها لضاق اذ لا یعرفها الا القلیل۔
(فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ کتاب الصوم)

اور بعض لوگ اس صورت میں علم نجوم کی طرف رجوع کرنے کے متعلق کہتے ہیں اور وہ روافض ہیں اور بعض فقہا سے بھی انہی کی موافقت نقل کی گئی ہے باجی نے کہا ہے کہ صالح متقدمین کا اجماع ان کے مقابلے میں حجت ہوگا کیونکہ اگر نجوم پہ معاملے کو معلق کیا جائے گا۔ تو تنگی ہوگی کیونکہ اس کو چند کے سوا کوئی نہیں جانے گا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی مذکورہ بالا تحقیقات کے تین حصے ہیں۔

۱۔ پہلے حصے میں اُمّت کی حقیقت بیان کی ہے کہ چند کے سوا اور ان میں لکھے پڑھے لوگ نہ تھے۔ اسی لئے تو اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ ہم نے بے لکھے پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جس سے واضح ہے کہ اکثریت ناخواندہ لوگوں کی تھی۔ جب صورت حال یہ ہو تو روزوں کے واجب کرنے کا تعلق حساب پر نہ ہونا ہی مناسب تھا۔

۲۔ دوسرے قطعۂ عبارت میں علامہ نے یہ فرمایا ہے کہ رویت ہلال میں اتنی تکلیف نہیں ہے جتنی کہ حساب نجوم پر روزوں وغیرہ کو متعلق کرنے میں بلکہ راقم الحروف کا تو یہ خیال ہے کہ مسلم برادری کی زیادہ تر آبادی قصباتی یا دیہاتی ہے۔ یعنی تقریباً اسی فیصدی۔ ان ناخواندہ لوگوں کے لئے رویت ہلال کی بجائے حساب پر روزوں اور عیدوں کو موقوف کر دینا ناخواندہ لوگوں کی نمائندگی

اور جمہوریت کے عین مناسب ہوگا۔ اب رہے شہر کے لوگ تو ان میں سے صرف چند لوگ ہیں جو علم نجوم کو جانتے اور موسمیات سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے جب قوم کا سواد اعظم ایسا ہو تو جمہوری طرز زندگی میں فیصلہ ایسے ہی امور پر ہونا چاہیئے جو عوام کی علمی سطح کے زیادہ مناسب اور موزوں ہو۔ درانحالیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی یہی ہو ذرا غور سے سوچئے کہ شعبان یا رمضان کی انتیس تاریخ ہو اور آسمان پر ابر ہو چاند دکھائی نہ دیا گیا ہو۔ اب نجومیوں اور موسمیات والوں کی تلاش میں لوگ کہاں سرگرداں پھریں گے۔

اور صحیح خبروں کا پہنچنا دشوار۔ ایک بار پھر غور سے کام لیجئے کہ چاند نکلے اور کل عالم دیکھے۔ نگاہ آسمان کی طرف بلند کریں اور ہلال کے نظر آنے اور نہ آنے پر فیصلہ موقوف رکھیں تو کتنا اچھا ہے یہ اصول۔ اور اگر ابر ہوا اور ہوا انتیس کی رات تو شہادت مل جائے تو اچھا ہے ورنہ تیس دن پورے کئے جائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کی عربی عبارت کا تیسرا حصہ فیصلہ کن ہے۔ اس میں انہوں نے ایک صداقت آمیز بات بتائی ہے اور وہ یہ کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم بے لکھے پڑھے لوگ ہیں نجوم کا حساب کیا جانیں۔ لہٰذا اگر انتیس کو ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر سے پوشیدہ رہے تو تیس دن پورے کرو۔ آنحضور نے یہ نہیں فرمایا کہ نجومیوں، موسمیات والوں اور موقتین سے دریافت کرو۔ بلکہ یہ فرمایا کہ تیس دن پورے کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ نے وہ بات فرمائی ہے جو اور کسی نے نہیں لکھی۔ یعنی کہ اگر چاند نہ ہو تو نجومیوں سے پوچھ لیا کرو۔ حضور نے ایسا نہیں فرمایا۔

علامہ نے اپنی اس عبارت میں یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ اگر بعد میں آنے والوں میں علم نجوم سے معرفت کی مہارت بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے لیکن پھر بھی ہمیشہ کے لئے روزے وغیرہ کے لئے رویت پر فیصلہ ہوگا۔ سلطنت عباسیہ میں علوم ہیئت و نجوم و ریاضی عروج پر تھے لیکن اس وقت بھی معمول رویت ہلال تھا نہ کہ نجوم۔ لہٰذا قیامت تک یہ فیصلہ جاری رہے گا۔

علامہ موصوف نے یہ بھی تحریر فرما دیا کہ نجوم یہ حساب کو متعلق کرنے کے حق میں جو لوگ ہیں وہ روافض ہیں یا اگر بعض فقہا ان سے اتفاق کرتے ہیں تو کیا کریں۔ سلف صالحین کی اکثریت اور جمہوریت کا فیصلہ یہ ہے کہ نجوم وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ رویت ہلال پر اعتماد کیا جائے گا۔ اور جمہور اور اکثریت کا فیصلہ قابل عمل ہوتا ہے لہٰذا آج بھی جمہوریت ہی ہے

حرف آخر

ہم نے اس تحقیق میں کافی بحث کی ہے لیکن مجبوری مقصد صرف قاری کے سامنے تحقیقی امور کو پیش کرنا تھا۔ اس تحقیق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ روزے اور عید کے منانے کا دار و مدار چاند کے دیکھنے پر ہے۔ علم نجوم خواہ صحیح کیوں نہ ہو معیار نہیں بن سکتا۔ اور یہ سب کچھ انتیس کی رات سے متعلق مباحث ہیں جبکہ آسمان پر غبار ہو لیکن تیسویں رات کو چاند دیکھے بغیر بھی روزہ یا عید خود بخود متعین ہو جائیں گے۔

سائنس کے ذرائع سے استفادہ

جب یہ واضح ہو گیا کہ رویت ہلال ہی روزے کے وجوب اور عید کا معیار ہے تو اس کے بعد ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ موجودہ سائنس کے دور میں ایسے آلات اور حسابات سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیئے جو ہماری دینی مشکلات کے حل میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ رصدگاہوں کے انکشافات، موسمیات کے حسابات، نجوم کے اندازے اور زائچے ہمیں رویت ہلال پر یقین کی طرف قریب تر کرنے میں غیر معمولی طور پر مفید ہو سکتے ہیں۔

رویت ہلال کے سلسلے میں ہی ان علوم ریاضیہ سے استفادہ کرنے پر بس نہ کریں بلکہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ایسی ایجادات کی طرف توجہ دیں جو ہماری زندگی اور عظمت کا معیار بڑھا سکیں۔ لیکن افسوس کہ قدیم زمانے کے برعکس اس سائنس کے دور جدید میں مسلم ممالک کی طرف سے کوئی ایسی خبر سننے میں نہیں آئی کہ فلاں مسلم ملک میں فلاں مسلمان سائنسدان نے یہ چیز ایجاد کی ہے۔ سائنس کی لیبارٹریوں میں رات دن تجربہ کرنے والے مسلمان سائنسدان آخر کب تک اس مہر سکوت کو توڑ سکنے میں کامیاب ہونگے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

ہندوستان کی پارلیمنٹ میں مسٹر کرشنا مینن نے اعلان کیا ہے

کہ ہندوستان صرف اِدھر اُدھر کی معلومات کی فراہمی کے ذریعہ سے میزائل تیار کر رہا ہے لیکن مصر، ایران، ترکی جو مسلمانوں کے قدیم آزاد ملک ہیں۔ اس جدید دور میں آج تک کوئی ایجاد کی خبر بہم پہنچانے سے قاصر رہے ہیں۔ حالی نے یہی تو کہا تھا ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

دوربین کے ذریعے رؤیت ہلال

اگر کوئی شخص انتیس رمضان کی رات کو دوربین کے ذریعہ چاند دیکھ لیتا ہے۔ تو روزہ واجب ہو جائے گا مولانا اشرف علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

دوربین محض آلۂ تحدید بصر است ورؤیت بہ بصر واقع است پس حکمش مثل عینک باشد و برین دیدن رؤیت کہ مدار وجوب احکام است صادق است پس لامحالہ صحیح و معتبر و مناط احکام باشد۔ البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین

دوربین محض نگاہ کو تیز کرنے کا آلہ ہے اور چاند کی رؤیت نظر سے واقع ہوتی ہے لہٰذا اس کا حکم عینک کی مانند ہے اور اس طرح دیکھنے سے رؤیت جس پر احکام کی فرضیت ہے درست ہے اس لئے یقیناً صحیح، معتبر اور احکام کی فرضیت کا سبب ہے۔ البتہ اگر فنی دلائل سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ دوربین کی خاصیت

چنین است کہ ہلال با وجود تحت افق بودن بواسطہ آں منظر می آید حتیٰ کہ شمس ہم با وجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آری صحیح و معتبر نباشد"
(امداد الفتاوی صفحہ ۸۶-۸۷)

یہ ہے کہ ہلال کے آسمان کے کنارے سے نیچے ہونے کے باوجود بھی دوربین میں نظر آجاتا ہے یہاں تک کہ سورج بھی طلوع نہ ہونے کے باوجود اس میں نظر آجاتا ہے تو اس وقت دوربین سے دیکھنا معتبر نہ ہوگا۔

دریا یا پانی میں رویت ہلال

اگر افق پر ابر و غبار رہنے والے تیس کا چاند کسی معتمد شخص نے پانی میں دیکھ لیا تو اس شخص کی شہادت رویت قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ اگرچہ اُس نے آسمان پر تو چاند نہیں دیکھا لیکن پانی میں اس کا عکس دیکھ لیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک چاند آسمان پر نہ ہوا ہو پانی میں اس کا عکس ناممکن ہے۔ بہرحال اگر کسی شخص کو ابر کی صورت میں دریا یا حوض یا طشت غرض کسی قسم کے پانی میں چاند نظر آگیا اور پھر اس نے آسمان پر نظر دوڑائی تو چاند بادلوں میں روپوش ہو گیا ایسی صورت میں رمضان کے چاند کا اس ایک شخص کی گواہی پر اعتماد کیا جائے گا۔ لیکن عید کے چاند کی صورت میں دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہوگی۔

آئینے میں رویت ہلال

آئینے میں بھی چاند دیکھنے کا وہی حکم ہے جو آنکھ، دوربین، دریا، عینک کا حکم ہے۔ ان سب کے مسائل یکساں ہیں۔

تار یا خطوط کے ذریعے چاند کی خبر

تار یا خطوط کے متعلق گزشتہ اوراق میں مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محل کا فتوٰی نجومیوں کے حساب سے چاند کے ہونے پر اعتبار کے ضمن میں دوسرے پیرے میں گذرا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے اُس فارسی عبارت کو اور اس کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے۔ مولانا مرحوم کی اُس عبارت کا مطلب تار یا خطوط کے ذریعے چاند کی خبر کے متعلق حسب ذیل ہے:-

"اگر خطوط اور تار کے ذریعے چاند کے دیکھے جانے کی بکثرت اطلاعات مل رہی ہیں کہ جن پر گمان غالب حاصل ہو جائے اور شبہ کی جانب مغلوب اور پست ہو جائے تو خطوط اور تاروں پر اعتماد کرکے روزہ اور عید منانا جائز ہے بشرطیکہ جس کی طرف خط لکھا گیا ہے وہ خط لکھنے والے کی تحریر کو یقین کے ساتھ پہچانتا ہو کہ یہ اسی کی تحریر ہے لیکن اگر تار کی خبر کسی غیر مسلم تار کلرک کے ذریعے ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ دین کے معاملے میں غیر مسلم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مسلمانوں کی حکومت میں اعتماد کیا جائے گا۔ البتہ مسلم تار کلرک بھی کئی دفعہ غلطیاں کرتے ہیں۔ اس لئے کسی ایک آدھ خط یا تار کے ذریعہ جو خبر آئی اور اس کی اطراف و جوانب سے خبریں تائید نہیں کرتیں تو پھر تار کا اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر خط بھیجنے والے کے خط کے متعلق یقین ہے کہ یہ اسی کی تحریر ہے اور وہ لکھتا ہے کہ میں نے اور یہاں کے بعض آدمیوں نے

چاند دیکھا ہے اور چاند کے دیکھنے کی گواہی دی تو پھر اعتبار کیا جائے گا جبکہ تحریر پر یقین ہو اور تحریر میں خود دیکھنے یا دوسرے لوگوں کی گواہی کا یقین دلایا گیا ہو مگر عیار کے لئے ایک آدمی کی تحریر معتبر نہ ہو گی۔ بلکہ دو آدمیوں کے خطوط آنا چاہئیں جو یہ لکھیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے"

آخری اصول

تار اور خط یا دیگر خبروں کے ذریعے ایک شہر سے رویت ہلال کی مسلسل اور متواتر خبریں، تحریریں اخباروں کی تائیدات ٹیلیفون، ریڈیو کی تائیدوں کے ذریعہ جب استفاضے کے درجے پر پہنچ جائیں کہ مسلمانوں کو یقین کے قریب یا ظن غالب کے قریب کر دیں تو پھر یہ ساری مجموعی چیزیں اعتماد کے قابل ہوں گی چنانچہ درمختار میں ہے :۔

نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب۔ مجموعہ فتاوی عبدالحی حاشیہ صفحہ ۲۶۴)	ہاں ایک شہر میں چاند دیکھنے کی خبر دوسرے شہروں میں اگر پھیل گئی تو صحیح مذہب کی بنا پر دوسرے شہر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنا ہوگا۔

یعنی دوسرے شہروں کے نصف یا زائد آدمیوں میں خبروں کی اشاعت استفاضہ کا حکم رکھتی ہے۔ فقیہ طحطاوی لکھتے ہیں :۔

یعتبر فیہ تحدث غالب اھل البلد بہ او نصفھا۔ بحوالہ فتاوی عبدالحی حاشیہ صفحہ ۲۶۴)	یعنی شہر کے نصف یا نصف سے زیادہ لوگوں میں خبر کا شائع ہونا معتبر سمجھا جائے گا۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی شہر کے نصف آدمیوں سے کم میں خبر کی اشاعت ہوگی یا اور کم میں تو پھر یہ اشاعت اور استفاضہ نہ ہوگا دراصل فقہا کا اس تعداد سے یہ منشا ہے کہ یقین اور گمان کی جانب غالب ہوجائے۔ اب اگر یقین کم عدد میں بھی ہوجائے تو یہ بھی استفاضہ کے خلاف نہیں ہے چنانچہ درمختار میں ہے :۔

یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو مفوض برای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذھب (درمختار ج۲ صفحہ ۱۲۰)	خبر کے ذریعہ علم شرعی حاصل ہوجائے اور وہ ظن کا غلبہ ہے اور یہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ عدد کی اس میں شرط نہیں۔

چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں :۔

اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بشب گذشتہ در انجا رویت ہلال شد یا بوساطت تاربرقی دریافت ایں امر شدہ تاوقتیکہ شہرت آں نشود و از تحریرات کثیرہ و اخبار عدیدہ معلوم نشود اعتبار آں نباید ساخت۔ (مجموعۃ الفتاویٰ حاشیہ صفحہ ۲۶۲)	اگر کسی شہر سے خبر پہنچے کہ گذشتہ رات وہاں چاند دیکھا گیا یا تار کے ذریعہ یہ بات دریافت ہوئی۔ تاوقتیکہ اس کی شہرت نہ ہوجائے اور بہت سی تحریروں اور متعدد خبروں سے معلوم نہ ہوجائے اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔

مولانا تھانوی کی نظر میں تار کا حکم

سوال :۔ رویت ہلال پر

رمضان وماہ شوال تار برقی کی خبر پر معتبر ہے یا نہیں اور تار کی خبر پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا۔

الجواب:- اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے لہٰذا وہ خط سے بھی ادون (کم درجے کا ثبوت) ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو معرفت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی "الخط یشبہ الخط" (خط، خط کے مشابہ ہو سکتا ہے) بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر (سحری کا نقارہ) و مدفع افطار (افطاری کی توپ) سے بھی اضعف (کمزور ناقص) ہے ...... تار میں یہ بھی نہیں ان امور پر نظر کر کے ...... اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار و لائق عمل نہیں۔ واللہ اعلم ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

(امداد الفتاویٰ جلد دوم کتاب الصوم صفحہ ۷۰-۷۱ مطبوعہ ادارہ اشرف العلوم کراچی)

وضاحت:- واضح رہے کہ تار کی خبر بعض قیدوں اور شرطوں کے ساتھ مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے ایک فتوے میں رویت ہلال کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن لوگوں کی بے احتیاطیوں اور ان شرائط کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث جو ملحوظ رکھنی چاہئیں، مولانا کو آخر میں یہ فتویٰ دینا پڑا کہ تار کی خبر مطلقاً درست نہیں اور یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب کا بھی یہی مقصد ہے کہ ثقاہت جگہ سے تاروں اور خطوط کے سلسلے سے یقین کا مقام حاصل ہو جائے تو معتبر ہوگی۔

چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگر مختلف اطراف و جوانب سے تار آئیں کہ جس میں کذب اور جھوٹ کا شائبہ نہ رہے اور پہلے سے لوگوں میں یہ خط و کتابت کے ذریعے طے ہو جائے کہ فلاں تاریخ فلاں وقت رویت کے متعلق خبر بھیجیں گے اور وہ ایسے مسلمان ہوں جو قابل وثوق معتبر ثقاہ ہوں۔ ایسی صورت میں مولانا اشرف علی صاحب تاروں کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ایسی صورت میں یہ خبر متواتر شرعاً بھی معتبر ہے۔ خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو۔" (امداد الفتاوی جلد دوم صـ۷۷)

ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر اگر ٹیلیفون پر خبر دینے والے کی آواز پہچانی جاتی ہے اور وہ کہے کہ میں نے یا یہاں کے معتبر آدمیوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو یہ خبر معتبر سمجھی جائے گی اور اگر آواز ٹیلیفون یا ریڈیو پر نہیں پہچانی جاتی تو معتبر نہ ہو گی لیکن اگر مسلمان اسٹیٹ کا ریڈیو ذمہ دارانہ طور پر پہلے اعلان کر دے کہ شہادت کے حاصل کر لینے کے بعد حکومت فلاں وقت اپنی ذمہ داری میں چاند کا اعلان کرے گی تو یہ بھی قابل قبول ہو گی۔

خلاصہ غرض فقہا کا منشا یہ ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو یا مختلف شہروں سے دوسرے شہر کو اگر بکثرت تاروں خطوط، ریڈیو، ٹیلیفون سے اتنی خبریں پہنچ گئیں کہ جن سے یقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے تو ان سب تاروں وغیرہ کا مجموعہ یقین اور

اختیار کرکے مقام پر پہنچا دے گا۔ بس ساری تحقیق کا یہی خلاصہ ہے۔

اخبار اور روزناموں کے ذریعہ متواتر خبریں

اگر کسی ملک کے اخبارون میں بکثرت کہیں چاند ہونے کی اطلاع دی گئی ہو جس سے یقین کا درجہ حاصل ہو جائے تو اخبارون کی اس مسلسل متواتر و متعدد خبر کو صحیح سمجھا جائے گا۔

دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا

یہ ایک منطقی اور عقلی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اگر کسی شہر میں رمضان یا عید کا انتیسویں کا چاند ابر وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آسکے کیا تو دوسرے شہروں سے چاند کی خبر منگانا واجب ہے یا نہیں۔ علما نے اس مسئلہ میں دوسرے شہروں سے خبر منگانا ضروری قرار نہیں دیا۔ مولانا اشرف علی صاحب نے ایسے ہی سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:-

"چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے (یعنی کسی دوسرے شہر سے خبر منگوانے کے) وجوب کی کوئی دلیل نہیں للذا یہ امر (خبر معلوم کرنا) واجب نہیں ہے" (امداد الفتاوی جلد دوم صفحہ [illegible])

مسئلہ شہادت

شہادت بڑی اہم چیز ہے۔ شہادت کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت

اور معاملات میں ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے قرآن کریم میں فَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (تم دو گواہ اپنوں میں سے یعنی مسلمان بنالو) سے صاف شہادت کا پتہ چلتا ہے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے:۔

البینۃ للمدعی والیمین	مدعی کے ذمے گواہوں کا پیش کرنا ہے
علی من انکر۔	اور مدعا علیہ کے ذمے قسم ہے۔

قرآن و سنت سے جا بجا گواہوں کے بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

شاہد کا عادل اور بیباک ہونا

چونکہ شہادتوں پر قتل، دیۃ، قصاص، پھانسی اور دیگر معاملات کا دارومدار ہے اس لئے مذہب اسلام نے گواہوں پر سخت پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ گواہ معتبر، صادق، عامل مذہب ہو، اور فاسق و فاجر نہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس بات کا صاف ثبوت موجود ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت کو تہمت لگائے اسکے متعلق یہ حکم ہے:۔

فَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا	ان کی شہادت کبھی قبول مت کرو مگر یہ
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا۔	کہ وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ایک پاکدامن کو تہمت لگا سکتا ہے وہ دوسرے معاملات میں بھی جھوٹی گواہی دے سکتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ نے فاسقوں، بدکاروں، جھوٹوں کی گواہی کو ہمیشہ

کے لئے ناقابل قبول قرار دیا۔ البتہ اگر فسق و فجور وغیرہ سے کوئی شخص توبہ کرے اور اس توبہ پر عمل کرکے دکھلائے جس کا نام اصلاح کہا گیا ہے تو پھر اس کی گواہی قابل قبول سمجھی جائے گی۔ بہرحال شہادت اور شاہد پر شریعت نے کڑی نظر رکھی ہے۔ اس لئے رمضان اور عید کے چاند کے سلسلے میں بھی شہادت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

گواہ کیسا ہونا چاہیئے

پس جب کوئی شخص ہلال رمضان یا عید کے چاند کی ابر کی صورت میں گواہی دیتا ہے تو اس کے متعلق یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ فاسق و فاجر تو نہیں۔ فقہ کی مستند اور جید کتابوں بحر الرائق اور در مختار میں ہے :-

وتشترط العدالة فی الکل لان قول الفاسق فی الدیانات التی یمکن تلقیها من العدل غیر مقبول کالهلال وروایة الاخبار ولو تعدد کفاسقین فاکثر (در مختار صفحہ ۹/۲) (بحر الرائق صفحہ ۲۶۶/۲)

اور ہر معاملے میں گواہ کی عدالت و دیانت ضروری ہے کیونکہ فاسق کا قول دیانات میں کہ ان میں انصاف سے ہٹ جانا ممکن ہے مقبول نہیں ہے جس طرح ہلال اور خبروں کی روایت اگرچہ وہ فاسق کئی ہوں۔

فاسق کی تعریف

دراصل فاسق اس کو کہتے ہیں جو دین کی پابندی نہ کرے۔ مثلاً نماز نہیں پڑھتا یا روزہ نہیں رکھتا۔ جھوٹ بولتا ہے گناہ کرتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو شریعت میں فاسق کہتے ہیں۔ ایسے شخص کا شریعت میں اعتبار نہیں اور نہ عند الشرع

اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی، دو قسمیں کہ اگرچہ حق کیوں نہ بیان کرے بلکہ اس قسم کے دو تین آدمی بھی اگر کسی گواہی میں متفق ہونگے تو بھی ان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مستورالحال کی گواہی

لیکن اگر کوئی شخص بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کی سی صورت ہے اور اس کے باطنی حالات چھپے ہوئے نامعلوم ہوں تو ایسے مستورالحال شخص کی گواہی کو شریعت میں معتبر سمجھا جائے گا۔ بقول سعدیؒ

هر کرا جامه پارسا بینی   پارسا دان و نیک مرد انگار
ور ندانی که در نهانش چیست   محتسب را درون خانه چه کار

لہٰذا بظاہر درست اور بباطن نامعلوم الحال انسان کی گواہی شہادت کے بارے میں قبول کی جائے گی۔ ورنہ شہادتوں کا حصول ناممکن ہو کر عدالت اور دیانت میں فیصلے دشوار ہو جائیں گے۔ اس لئے مستورالحال گواہ کے بارے میں تحقیقات کی وجہ سے موجودہ دور میں تزکیہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ امام صاحب امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت ہے کہ مستورالحال کی گواہی قبول کی جائے گی۔ مولانا عبدالحی صاحب مجموعۃ الفتاوی میں لکھتے ہیں:۔

و در روایتی از امام ابو حنیفہؒ	اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ
عدالت شرط نیست شہادت	عدالت شرط نہیں ہے مستور
مستور الحال ہم مقبول است انتہی	الحال کی شہادت بھی قبول ہے اھ

استحسنه الطحاوی و شمس
الائمة الحلوانی و مشائخ بلخ
روایة و صحح لعسرة الناس۔
(مجموعۃ الفتاوی صفحہ ۱۲۶ برحاشیہ خلاصۃ الفتاوی)

یعنی طحاوی اور شمس الائمہ حلوانی نے
اس کو مستحسن سمجھا اور لوگوں کی آسانی کے لئے
فتویٰ کے لئے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ موجودہ دور میں اگر شہادت کے بارے میں زیادہ سختی سے کام لیا جائے تو شہادت کے معیار پر لوگوں کا آنا مشکل ہو جائے گا اور معاملات دینی اور دنیوی میں سخت حرج لازم آئے گا۔ مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے مجموعۃ الفتاوی میں رسائل ارکان کی عبارت کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے:۔

ان شرط العدالة فی امثال
هذا فی زماننا یخل باکثر
الاعمال لاسیما فی الصیام
فالاحری ان یفتی بما عن
الامام ابی یوسف ان کان
الشاهد ذا مروة و وجاهة
یغلب علی الظن صدقه یقبل
قوله لئلا یختل امر الصیام
(مجموعۃ الفتاوی برحاشیہ خلاصۃ الفتاوی)

کہ عدالت کی شرط لگانا ایسے امور میں
ہمارے زمانہ میں اکثر معاملات میں خلل کا باعث ہوگی
خصوصاً روزوں کے بارے میں۔ لہٰذا
زیادہ مناسب یہی ہے کہ امام ابویوسف
سے جو کچھ منقول ہے اس پر فتویٰ دیا جائے
یعنی اگر گواہ صاحب مروت ہے کہ اس کی
سچائی کا غالب گمان ہے کہ وہ سچا ہے تو اس
کی بات قبول کر لی جائے گی تاکہ
روزہ جیسا اہم معاملہ خراب نہ ہو جائے۔

فیصلہ شہادت | لہٰذا ان تمام مباحث کے پیش نظر یہ کہتے ہیں

یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص بالکل تو پابند شریعت نہیں ہے ہاں اس کی شخصیت کے متعلق لوگوں کا غالب گمان یہی ہے کہ یہ سچ بولتا ہے تو رمضان کے چاند کے بارے میں بالخصوص اس کی گواہی کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ آخری بات یہ ہے کہ زمانے میں اگر اچھے لوگ بھی جھوٹ بولنے کے عادی ہوں تو قاضی کو حالات کا جائزہ لینا چاہیئے اور اس کے مطابق گواہوں کی گواہی کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اگر کسی ملک کے مسلمان یوں تو پابند شرع نہ ہوں لیکن ان کے کیریکٹر کے متعلق یہ طے شدہ بات ہو کہ یہ جھوٹ نہیں بولتے تو پھر مذکورہ بالا فقہی روشنی میں ایسے لوگوں کی شہادت کو چاند کے بارے میں مان لینا مناسب ہوگا۔ لیکن اگر ماحول ہی گندہ ہو اور عام شہادتیں پیشہ ورانہ ہونے کا دستور ہو تو مفتی اور قاضی کو ان حالات کے مطابق غیر دیندار لوگوں کی گواہیوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ بہر حال امام ابو یوسف کے قول کی روشنی میں گواہ اگر بھلا مانس آدمی اور شریف ہے تو زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں۔ مگر احتیاط کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔

روزے اور عید کے واجب ہونے کے طریقے اور ذرائع

شہادت کی اس مختصر سی بحث کے بعد روزوں اور عید کے واجب کرنے والے ذرائع حسب ذیل ہیں

۱۔ شہادت رویت ہلال: یعنی کوئی شخص گواہی دے کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ یا دو نیک صادق آدمی انتیسویں شب کو

چاند کے ابر کی وجہ سے نظر نہ آنے کے بارے میں گواہی دیں تو رویت ہلال کی شہادت ہوگی اور روزہ واجب ہو جائے گا۔

۲۔ **شہادت رویت ہلال پر شہادت:۔** یعنی اگر کسی ایک شخص یا دو شخصوں نے ابر کی حالت میں چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہیوں کے متعلق کوئی اور گواہی دے کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو اس صورت میں بھی روزہ یا عید واجب ہوگی۔

۳۔ **حکم حاکم پر شہادت:۔** کسی شہر کے قاضی یا مفتی نے لوگوں کی گواہی پر روزہ رکھنے یا عید کرنے کا فیصلہ صادر کیا تو دوسرے شہر میں اگر اس بات کی معتبر شہادت پہنچائی جائے تو اس صورت میں بھی دوسرے شہر والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا واجب ہوگا۔

۴۔ **استفاضہ:۔** استفاضہ کے ذریعہ بھی روزہ یا عید کرنا واجب ہو جاتا ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ کہ کسی شہر سے دوسرے شہر میں چاند دیکھے جانے کی خبریں مسلسل خطوط، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ سے اتنی پہنچ رہی ہیں کہ ان کی اس درجے شہرت ہوگئی کہ یقین یا ظن غالب ہو گیا تو یہ استفاضہ کہلاتا ہے۔

شہادت کس کو دی جائے

ابر کی صورت میں اگر بعض لوگ چاند دیکھیں تو یہ شہر کے قاضی یا شہر کا مفتی یا جو بھی شہر کا عالم ہو اس کے پاس جا کر چاند دیکھنے کی خبر کرنی چاہیئے پھر وہ مستند عالم دین، یا قاضی جو فیصلہ دیں گے معتبر

ہوگا۔ لیکن اگر کسی گاؤں میں کوئی قاضی یا مفتی یا عالم دین نہیں ہے تو وہاں معتبر چاند دیکھنے والوں کی گواہی پر بھی روزہ رکھا جاسکے اور عید منائی جاسکے۔ درمختار میں ہے:۔

ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم
فیہا صاموا بقول ثقۃ
وافطروا باخبار عدلین
مع العلۃ (باب الصوم)

اگر لوگ ایسے شہر میں ہوں کہ وہاں
کوئی عالم نہیں تو ایک معتبر آدمی کی
شہادت پر روزہ رکھیں اور دو عادل
آدمیوں کی گواہی پر عید کریں جبکہ مطلع

نقطۂ بحث

فقہاء نے رویت ہلال کے متعلق بحث کو جس تفصیل سے لکھا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ شعبان، رمضان اور شوال کی حدود میں امتیاز قائم رہے۔ کیونکہ ان کے باہم امتیاز نہ ہونے سے احکام میں سخت انتشار پیدا ہو جائے گا۔ بھلا ایام شعبان اور ایام رمضان و ایام شوال میں کس قدر زبردست فرق ہے۔ اوّل و آخر ماہ کے اطراف میں روزہ فرض نہیں اور ماہ رمضان کے اوّل و آخر ایام میں روزے فرض ہیں۔ تو گویا فرضیت اور عدم فرضیت کا فرق کتنا بڑا فرق ہے۔

پھر ایک ملک کو دوسرے ملک سے سرحدوں اور باؤنڈریوں کے ذریعہ جدا کیا جاتا ہے۔ اگر ایک ملک اپنی سرحد کی ایک گز زمین دوسرے کے ملک میں داخل پاتا ہے تو ملکوں میں صرف اتنی سی بات پر تلواریں، توپیں، ٹینک، راکٹ باہر نکل آتے ہیں اور میدان کارزار گرم ہو جاتا

ہے۔ کیونکہ ہمہ عبادوں کا انحصار اور ان کی حفاظت ہر ملک و ملت کے قوانین بھی فرض اور اہم ہے یہی صورت شعبان، رمضان اور شوال کی حدود ہیں تاہم گڑبڑ ہونے سے بچانے کے لئے رویت ہلال کے لئے اس قدر اہم اور طویل بحثوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ شعبان اور شوال اور رمضان کی حدود قائم کرنے کے لئے سخت تحقیق اور قوانین کی ضرورت ہے یہی حال دوسرے مہینوں کا بھی ہے خصوصاً عید الاضحیٰ کے چاند کی اہمیت بھی حج اور عید الاضحیٰ اور ایام قربانی و تشریق کی وجہ سے حاصل ہے۔ بہرحال درمختار میں ہے:-

وهلال الاضحیٰ وبقية الاشهر التسعة کالفطر۔	عید الاضحیٰ اور بقیہ نو مہینوں کے ہلال کے احکام عید فطر کے چاند کی طرح ہیں۔

رمضان و شوال کے چاند کا دن میں دیکھنا

آخر میں یہ مسائل بھی دریافت کرنے چاہئیں جو ضروری ہیں کہ اگر کوئی شخص عید کا یا رمضان کا چاند دن میں زوال کے وقت سے پہلے دیکھ لے تو اس کا حساب شام سے سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ چونکہ رمضان کا چاند ۲۹ شعبان کو سورج کے زوال سے پہلے دیکھ لیا تو اسی وقت سے روزہ رکھنا ضروری ہو جائے گا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کوئی شخص عید کا چاند رمضان کے آخری دن میں زوال سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے بھی عید اگلے دن کرنا ہوگی۔

چاند کے مطلعوں کا اختلاف

رویت ہلال کی بحث کے ختم کرنے کے بعد اگر چاند کے مطلعوں کے مختلف ہونے کی بحث پر مختصر طور پر تبصرہ نہ کیا جائے تو ہم اپنی اس تصنیف میں ایک کوتاہی محسوس کریں گے اور مضمون بھی تشنۂ تکمیل رہ جائے گا۔ اس لئے ہم یہاں قدرے اختلاف مطالع کے متعلق کچھ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ سورج کے طلوع ہونے کے مختلف اوقات ہیں اور جاڑوں اور گرمیوں کے حساب سے سورج کے طلوع و غروب کے اوقات بدلتے رہتے ہیں۔ مشرقی ممالک میں سورج پہلے نکلتا ہے۔ اور مغربی ملکوں میں بعد میں طلوع ہوتا ہے اور سیکنڈوں اور منٹوں کے حساب سے مختلف شہروں میں سورج یکے بعد دیگرے منٹوں کے اختلاف سے نکلتا ہے۔ گویا جس طرح ملکوں ملکوں میں مشرق و مغرب کے حساب سے سورج کے طلوع ہونے کے اوقات آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں اسی طرح ایک ہی ملک کے مختلف شہروں میں بھی سورج کے طلوع و غروب میں منٹوں اور سیکنڈوں کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً لاہور میں کسی وقت سورج ۶ بجکر ۴۵ منٹ پر طلوع یا غروب ہوتا ہے تو لائل پور میں پانچ منٹ کے بعد طلوع و غروب ہوتا ہے۔ یہی حال چاند کا بھی ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

اعلم ان نفس اختلاف   جان لیجئے کہ نفس اختلاف مطالع

المطالع لا نزاع فیه بمعنی انه قد یکون بین البلدتین بعد بحیث یطلع الهلال لیلة کذا فی احدی البلدتین دون الاخری وکذا مطالع الشمس لان انفصال الهلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار حتی اذا زالت الشمس فی المشرق لا یلزم ان تزول فی المغرب وکذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل کلما تحرکت الشمس درجة وتلک طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرین وغروب لبعض ونصف لیل لغیرهم۔

(شامی مطبوعہ مصر صفحہ ۹۹ جلد ۲)

میں کوئی جھگڑا نہیں بایں معنی کہ دو شہروں میں کبھی اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ہلال ایک شہر میں ایک رات ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے شہر میں نہیں یہی حال سورج کے مطلعوں کا ہے کیونکہ سورج کی شعاع سے ہلال کا جدا رہنا قطروں کے مختلف ہونے کے سبب سے مختلف ہوتا ہے تا آنکہ جب کہ سورج مشرق میں زوال پا جاتا ہے تو ضروری نہیں کہ مغرب میں بھی زوال ہو یہی حال فجر کے طلوع ہونے اور سورج کے غروب ہونے کا ہے بلکہ جس قدر سورج آگے بڑھتا ہے تو کسی ملک کے لوگوں کے لئے صبح کا وقت ہوتا ہے اور کسی کے لئے طلوع شمس کا اور بعض لوگوں کے لئے غروب کا اور بعض جگہ آدھی رات ہوتی ہے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں طلوع و غروب شمس و قمر مختلف ہوتا ہے۔ سب جگہ ایک ہی وقت میں سورج اور چاند طلوع

زائل اور نظر آئیں غلط ہے۔ اس لئے چاند کو اپنے فاصلوں کے اعتبار سے کہیں نظر آتا ہے اور کہیں نظر نہیں آتا۔ مثلاً مغرب کی سمت میں قدر دور تک جاتا چلے نظر آئے گا۔ لیکن جس قدر مشرق کی طرف بڑھتے جاتے ہیں وہاں ایک خاص فاصلے پر چاند نظر نہیں آئے گا۔ چنانچہ ہمارے ملک پاکستان کی نسبت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ چونکہ مغرب میں ہم سے زیادہ واقع ہیں اس لئے وہاں ہمیشہ ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور بعض دفعہ دو دن پہلے بھی نظر آجاتا ہے۔ اور یہ بھی اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ خبریں پہنچتی رہتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں چاند پاکستان سے ایک دن پہلے ہو گیا لیکن اہل پاکستان یا یہاں کے علما اس خبر کو سن کر کبھی یہ اعلان نہیں کرتے کہ چونکہ وہاں چاند ہو گیا ہے لہٰذا یہاں بھی ایک دن کا روزہ قضا کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملک عرب کو ہمارے یہاں سے تقریباً ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے اور اتنے فاصلے پر چاند کے مطلعوں میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے علما کا خیال اس طرف جاتا ہی نہیں کہ وہ یہاں ایک دن کا روزہ قضا کرائیں۔ گویا ہمیشہ کا عمل یہی ہوتا آیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کتنے فاصلے پر چاند کا مطلع بدل جاتا ہے اور ایک شہر میں اس فاصلے پر نظر آجاتا ہے اور دوسرے شہر میں نہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:-

وتقدیر البعد الذی تختلف	اور فاصلے کی مقدار جس میں مطلعے بدل
فیہ المطالع مسیرۃ شہر فاکثر	جاتے ہیں ایک ماہ کی مسافت یا اس سے

علی ما فی القہستانی
عن الجواہر اعتبارا
بقصة سلیمان علیه
السلام فانه قد انتقل
کل غدو و رواح من اقلیم
الی اقلیم وبینهما شہر۔
(کتاب الصوم صفحہ ۹۹)

زیادہ جیسا کہ قہستانی میں جواہر سے
سلیمان علیہ السلام کے قصہ پر اعتبار
کرتے ہوئے زیادہ لگایا گیا ہے کیونکہ
سلیمان علیہ السلام ہر صبح و شام ایک
ولایت سے دوسری ولایت جاتے
اور ان دونوں ولایتوں کے درمیان
ایک ماہ کا سفر تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر شام سے [illegible] لے جاتے تھے اور وہ راستہ ایک پیدل متوسط درجے کی رفتار سے ایک ماہ کا تھا۔ لہٰذا بعض فقہائے احناف نے اسے مطالع کے اختلاف کا فاصلہ بنا لیا۔ جیسا کہ قہستانی نے جواہر سے نقل کیا ہے لیکن علامہ شامی اس دلیل سے مطمئن نہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

ولا یخفی ما فی هذا
الاستدلال۔

اور جو کچھ اس دلیل میں ہے وہ پوشیدہ
نہیں۔

پھر اس کے بعد علامہ شامی بعض دوسرے اقوال پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

وفی شرح المنہاج للرملی
وقد نبہ التاج التبریزی
علی ان اختلاف المطالع لا یمکن
فی اقل من اربعة وعشرین فرسخا
(کتاب الصوم صفحہ [illegible])

اور رملی کی شرح منہاج میں ہے کہ
تاج تبریزی نے آگاہ کیا ہے کہ
مطالع کا اختلاف چوبیس فرسخ
سے کم فاصلے میں ممکن نہیں ہو سکتا۔

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس فرسخ کے فاصلے پر مطلعوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب دو شہروں کے درمیان چوبیس فرسخ کا فاصلہ ہو تو وہاں مطلعوں کا اختلاف معتبر سمجھا جائے گا۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:۔

اھل بلدۃ اذا رأوا الھلال	اگر کسی شہر کے آدمی ہلال کو دیکھ لیں تو
یلزم فی حق کل بلدۃ	کیا تمام شہروں کے لئے وہ رویت
فبعضھم قالوا لا یلزم فانما	لازم ہو جاتی ہے تو بعض نے کہا کہ لازم
المعتبر فی حق اھل بلدۃ رؤیتھم	نہیں کیونکہ ہر شخص کے حق میں اس کے
(فتاویٰ تاتارخانیہ رؤیت ہلال واختلاف مطالع)	باشندوں کی رویت معتبر ہے۔

اس عبارت سے بعض فقہا کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلعے مختلف ہوں تو ایک جگہ کی رویت دوسروں کے لئے لازم نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اپنے ملک یا شہر کے لوگوں کی رویت معتبر ہوگی۔

اور فقہ کی کتاب ظہیریہ میں ہے:۔

عن ابن عباس رضی اللہ	ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
عنہ انہ کان یعتبر فی	متعلق ہے کہ وہ ہر شہر کے اپنے
حق کل بلدۃ رؤیۃ اھلھا۔	باشندوں کی رویت کو معتبر سمجھتے تھے۔

یعنی اگر کسی ملک کے ایک شہر مثلاً تہران میں چاند کی رویت ہوئی۔ تو وہیں کے باشندوں پر روزہ فرض ہوگا۔ لیکن اگر دوری کی وجہ سے لاہور میں چاند نظر نہیں آیا تو تہران میں چاند دیکھے جانے کی وجہ سے

لاہور والوں پر کہ اس کا مطلع مختلف ہے روزے فرض نہ ہونگے۔ بلکہ لاہور والوں پر اگلے روز چاند دیکھ کر روزہ فرض ہوگا اور اسی طرح عید بھی۔

اور فقہ کی مشہور اور مستند کتاب قدوری میں ہے:۔

ان کان بین البلدتین	اگر دو شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ
تفاوت لا تختلف بالمطالع	ہو کہ جس میں مطلعے مختلف نہیں ہوتے
یلزمه وذکر الشیخ شمس	تو ایک جگہ کی رویت دوسرے کے
الائمة الحلوانی انه الصحیح	لئے لازم ہوگی اور شمس الائمہ حلوائی
من مذهب اصحابنا۔	نے کہا ہے کہ یہی بات ہمارے حنفیوں
(بحوالہ مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحی)	کے مذہب میں صحیح ہے۔

اس عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ اگر دو شہروں کے درمیان کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ جس میں ان کے مطلعے بدل جائیں تو پھر ایک شہر میں چاند دکھائی دے جانے پر دوسرے شہر کے لوگوں پر بھی احکام لازم ہو جائیں گے۔

میرے ناقص خیال میں یہ فقہی فیصلہ جو قدوری کے مصنف نے کیا ہے طبع سلیم کے موافق ہے۔ کیونکہ خود حضرت ابن عباسؓ سے ایک حقیقت جو ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے:۔

روی عن کریب ان ام الفضل	کریبؓ سے مروی ہے کہ ام فضل نے
بعثه الی معاویة رضی الله عنه	ان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف

بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ میں ملک شام آیا
اور ام فضل کا کام کیا اور رمضان کا
ہلال جب میں شام میں تھا نمودار ہوا۔
میں نے جمعہ کی رات ہلال کو دیکھا پھر
میں مدینہ میں شہر کے آخری وقت ابن
عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور
ہلال کے متعلق ذکر کیا۔ انہوں نے
پوچھا تم نے ہلال کب دیکھا۔ میں نے
کہا جمعہ کی رات میں ہم نے دیکھا انہوں
نے پوچھا کیا تم نے ہلال دیکھا۔ میں نے
کہا ہاں۔ اور لوگوں نے بھی دیکھا اور
روزہ رکھا اور معاویہؓ نے بھی روزہ
رکھا ابن عباس نے کہا لیکن ہم نے تو ہلال
ہفتہ کی رات دیکھا پس ہم تو روزہ رکھتے
رہیں گے تا آنکہ تیس دن پورے کر لیں یا
(اس سے پہلے) چاند دیکھ لیں۔ میں نے
کہا کیا آپ کے لئے معاویہؓ کا چاند دیکھنا
اور روزہ رکھنا کافی نہیں ہے تو انہوں نے کہا
نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا

قال فقدمت الشام فقضيت
حاجتها واستهل علي رمضان
وانا بالشام فرأيت الهلال
ليلة الجمعة ثم قدمت
المدينة في آخر الشهر الى
ابن عباس رضي الله عنه
فذكر الهلال فقال متى رأيتم
الهلال فقلت رأيناه ليلة
الجمعة فقال انت رأيته
قلت نعم ورآه الناس
وصاموا وصام معاوية
فقال لكنا رأيناه ليلة
السبت فلا نزال نصوم حتى
نكمل ثلثين يوما او نراه
فقلت اولا تكتفي برؤية
معاوية وصيامه فقال لا
هكذا امرنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم
(رواه مسلم [illegible])

اس روایت کو علماء نے اختلاف مطالع کے لئے دلیل ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام میں رویت ہلال کو اپنے لئے دلیل نہیں ٹھہرایا۔

اور کنز کی شرح زیلعی میں ہے:۔

اکثر المشائخ علی انہ لا	اکثر فقہ کے بزرگ اس بات کے موافق
یعتبر اختلاف المطالع	ہیں کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں
والاشبہ ان یعتبر	لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ
لان کل قوم مخاطبون	اعتبار کیا جائے کیونکہ ہر قوم اسی
بما عندھم۔	چیز کی مخاطب ہے جو اس کے پاس ہے۔

بہر حال علما و فقہا نے اگرچہ ظاہری روایت یہ نقل کی ہے کہ مطلعوں کا اعتبار نہیں ہے اگر ایک جگہ چاند ہو گیا اور دوسرے کسی ملک یا شہر کے مطلع پر باوجود صاف ہونے کے چاند نظر نہیں آیا تو سب پر روزہ فرض ہوگا (خلاصہ) اس شکل کا عمل درآمد محال ہے اور وجہ یہ ہے کہ عام طور پر پچھلے ملکوں کی خبر بہ واجب طریقے سے ہم تک نہیں پہنچتی اور یہاں مطلعوں کا اختلاف ہوتا ہے لہٰذا اختلاف مطالع کی صورت میں خود صحابہ کا عملی قدم اپنے ملک میں رویت ہلال کی طرف اٹھانا جس سے معلوم ہوا کہ لکل بلدۃ رؤیتہم یعنی ہر شہر کے لئے وہاں کی رویت کی خبر ہی معتبر مانی گئی ہے۔

مقتضائے قیاس | قیاس بھی اسی امر کا مقتضی ہے کہ [illegible]

کی فرضیت کا سبب اس کے صحیح اوقات ہیں۔ مثلاً جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو مغرب کی نماز فرض ہوتی ہے اور جب صبح صادق طلوع کرتی ہے تو صبح کی نماز فرض ہوتی ہے اسی طرح جب جس ملک اور شہر میں چاند دکھائی دیتا ہے تو روزہ یا عید عائد ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں اور اگر ہم یہی مطلب اس حدیث کا سمجھیں کہ صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته یعنی روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور عید مناؤ چاند دیکھ کر یعنی اپنے اپنے ملک میں جب تمہیں چاند دکھائی دے اسی کے مطابق روزہ رکھو لکل اهل بلد رؤیتهم اور صوموا لرؤیته دونوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اختلاف مطالع درست ہے لیکن اگر علمائے ربانی اس کو منظور نہ کریں تو ان کو چاہیئے کہ مکہ معظمہ سے آئی مصدقہ خبر پر روزے رکھنے کا اعلان فرمائیں۔ اس صورت میں بعض اوقات ہمارے اکتیس روزے ہو سکنے کا امکان ہو سکتا ہے جبکہ ہم اپنے مطلع کی بجائے وہاں کے مطلع پر روزہ رکھیں اور عید کا چاند یہاں تیس کا ہو۔

عمل رویت

مگر اصل صورت عمل کی شکل میں اسی طرح جلوہ گر ہوتی ہے۔ کہ تمام ملکوں کے مسلمان اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی رویت کے مطابق روزے رکھتے اور عید مناتے ہیں گویا تمام دنیا کے علماء اور صلحا کا یہ تعامل ہی مسئلے کی اصل حقیقت بن کر رہ گیا ہے۔

فضائلِ رمضان و صیام

○ رمضان میں نزول قرآن ○ رمضان میں بڑے بڑے شیطانوں کو قید ○ بہشت کے دروازوں کا کھلنا اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا ○ اللہ تعالیٰ روزے کی خود جزا بن جائے گا ○ خلوص نیت سے روزہ رکھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں ○ روزے سے ملکوتی قوت پیدا ہوتی ہے جس کے باعث ملاقات ربی نصیب ہوتی ہے ○ روزے میں زبان سے بری بات نہ نکالئے ورنہ روزہ خراب ہو جائے گا ○ روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے ○ روزے کی بدولت معبود حقیقی سے واصل ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی نگاہیں آسمان پر لگی ہیں۔ بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں رویت ہلال کے لیے سراپا انتظار ہیں۔ [illegible] میں ہر شخص کھویا کھویا نظر آتا ہے۔ اور اس کوشش میں ہے کہ پہلے میری نگاہیں ہلال کے جمال سے لطف اندوز ہوں۔ [illegible] کوٹھیوں کی چھتوں، جھروکوں، [illegible] کسی چیز کے لیے تلاش ہے [illegible] ایک بچی اپنی امی سے [illegible] دیکھئے وہ رہا ہلال جیسے آدھی ٹوٹی ہوئی چوڑی۔ ہاں نظر آ گیا ہے [illegible]

اور سلامتی کا راستہ دکھاتے تھے۔ بھلا یہ باتیں جو جاننے کی تھیں جب یہ چھوٹے لڑکے اور نو عمر بچے تھے ان کے حساب میں کہاں۔ بہرحال شعبان کا مہینہ ختم ہوا افق پر ہلال رمضان نمودار ہو چکا۔ توپیں چھوٹیں، نقاروں کی آوازوں سے شہر گونج اٹھے۔ گولوں کے زبردست دھماکوں نے رمضان کی آمد کا اعلان کیا۔ روزے داروں نے روزوں اور رمضان کا استقبال کیا۔ نیکی پانے کا مہینہ آ پہنچا، عبادت کا سیزن شروع ہو گیا۔ خدا کی رحمتوں کے دروازے کھل گئے اور اپنے اللہ سے خاص طور پر بہت کچھ لینے کا وقت آ گیا۔

رمضان میں قرآن کا نزول ہوا

رمضان کا مبارک مہینا اس لئے مبارک ہے کہ اس میں قرآن کریم جیسی رحمت، سب سے بڑی خدا کی رحمت، رحمت مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس لئے اس کے روزے فرض ہوئے اور اسی لئے یہ مہینہ سب مہینوں سے افضل ٹھہرا۔ اس فضیلت میں قرآن کریم کے اس رکوع کی طرف جو روزوں کی فرضیت سے متعلق ہم نے ابتدائے کتاب میں تحریر کیا ہے آپ کی توجہ دلانا چاہتے ہیں:—

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ	رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن
فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ	کریم جو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہدایت
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى	ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں
وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ	اور حق و باطل میں امتیاز کا بیان ہے

مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ — نازل کیا گیا۔ لہٰذا جو اس مہینے کو تم میں سے پائے وہ اس کے روزے رکھے۔

(قرآن)

اس آیت کی بنا پر یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہی ہوا ہے اور اسی لئے محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت بھی رمضان المبارک کو عطا ہوا اور جب ہی قرآن نازل ہوا۔ اس حساب سے آنحضورؐ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ کی تھی۔

واستدل علیہ [illegible] فی رمضان

حافظ عسقلانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ غار حرا کا اعتکاف آنحضورؐ رمضان ہی میں فرمایا کرتے تھے (زرقانی صفحہ ۲۰۶ جلد ۱۔ فتح الباری صفحہ ۲۳ جلد ۱)

دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ — ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے سب سے پہلے نازل ہونے کے وقت شب قدر رمضان میں ہوتی اور اسی میں قرآن کریم اترا۔ پھر ماہ رمضان کی فضیلت اور شرف کی وجہ نزول قرآن ہے اور اسی لئے اس ماہ روزے فرض کئے گئے۔ ہم نے نزول قرآن کے سلسلے میں دو مختلف باتیں چھوڑ دی ہیں جس میں بارگاہ خداوندی سے آسمان اول پر اور پھر وہاں سے دنیا میں نازل ہونے کی مختلف توجیہات لکھی ہیں۔ بلکہ ایک آسان اور صاف راستہ اختیار کیا۔ رمضان کی فضیلت کے بارے میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جھنم وسلسلت الشیاطین وفی روایۃ فتحت ابواب الرحمۃ۔

(بخاری مسلم)

ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کے بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

آسمان کے دروازے کھلنے کا یہ منشا ہے کہ خدا کی رحمت مسلسل اور لگاتار اس مہینے میں نازل ہوتی ہے۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اچھے اعمال کے آسمانوں کی طرف بلند ہونے کے لئے تمام رکاوٹیں دور کر دی جاتی ہیں۔ بہشت کے دروازوں کے کھل جانے کا بھی منشا واضح ہے۔ اس ماہ میں طاعت اور نیک کاموں کی زیادہ توفیق ہوتی ہے۔ جن کے باعث جنّت میں داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ گویا جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جب رمضان اور روزوں کے باعث نیک اعمال کا ظہور ہوگا تو جہنّم کے عذاب سے بچنا لازم ہو جائے گا اور جب بندوں سے رمضان کی برکت کے باعث جرائم کا ارتکاب ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ جیل کے دروازے بند ہو

ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی طرح جہنم بھی معطل ہو جائے گا۔

رہا شیطانوں کا قید کر دیا جانا تو اس کا منشا یہ ہے کہ شیطانوں کو روزہ داروں کے بہکانے اور ان کو وسوسوں میں ڈالنے کا موقع کم ملتا ہے۔ کیونکہ اتنی مشقت کی عبادت میں روزہ دار ان تمام برائیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو روزے کے منافی ہوتی ہیں۔ بخلاف دوسرے مہینوں کے کہ ان میں شیطانی جال کے پھندوں میں پھنسنا آسان ہے کہ دفاعی لائن مضبوط نہیں ہوتی۔

رہا کفار کا معاملہ تو ان کے لئے شیطانوں کی شیطنت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کی بعینہٖ وہی مثال سمجھئے کہ جب سورج نکلتا ہے تو چور اور ڈاکو روپوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب سورج چھپ جاتا ہے تو رہزن اور قزاق، چور اور اوباش اس کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح جب رمضان کی تجلیات، برکات اور رحمتیں فضائے آسمان و زمین میں نمودار ہوتی ہیں اور بہیمی قوتیں روزوں کے باعث پست ہو جاتی ہیں تو شیطانی قوتوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا دوسرے الفاظ میں سمجھئے کہ جب کسی ملک میں معزز مہمان آتا ہے اور اس ملک کے بعض لوگ جو اس کے مخالف ہوں اور معزز مہمان کے لئے ان سے خدشہ ہو تو ان کو نظر بند کر دیا جاتا ہے بعینہٖ یہی صورت رمضان المبارک میں بڑے بڑے شیطانوں کی ہوتی ہے کہ ان کو نظر بند کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود جو برائیاں سرزد ہوتی ہیں ان میں مطلقاً نفس امارہ کو دخل ہوتا ہے

ایک اور حدیث میں ہے جس کو ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان اول لیلة من شهر رمضان صفدت الشیاطین ومردة الجن وغلقت ابواب النار فلم یفتح منها باب وفتحت ابواب الجنة فلم یغلق منها باب وینادی منادیا یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر ولله عتقاء من النار وذلک کل لیلة

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کے مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطان اور بڑے بڑے جن قید کر دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں کہ ایک بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ ایک بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور ایک منادی ندا دیتا ہے کہ اے طالب خیر آگے بڑھ اور اے شر کے طالب باز آجا اور بہت سے اللہ کے لیے آگ سے آزاد ہو جاتے ہیں اور یہ ہر رات (یکساں) رہتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے :-

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتاکم رمضان شهر مبارک فرض الله

ابی ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس رمضان کا مبارک مہینہ آ پہنچا اللہ نے اس کے روزے

علیکم صیامہ تفتح فیہ
ابواب السماء وتغلق
فیہ ابواب الجحیم و
تغل فیہ مردۃ الشیاطین
للہ فیہ لیلۃ خیر من
الف شہر من حرم
خیرھا فقد حرم۔
(احمد اور نسائی)

فرض کیے ہیں اس میں آسمان کے دروازے
کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے
بند کر دیئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے
شیطان اللہ کے لئے بیڑیاں پہنا دیئے
جاتے ہیں۔ اس رمضان میں ایک
رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے
جو اس رات سے محروم رہا وہ کمالات
سے محروم ہی رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے علاوہ روزوں کی وجہ سے بھی ماہ عظیم و محترم ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے بڑے سرکش شیطان تو بند کر دیئے جاتے ہیں۔ البتہ چھوٹے چھوٹے جن سے کوئی خاص خطرہ نہیں ہوتا آزاد ہوتے ہیں اور اس ماہ میں جو بعض گناہ ہوتے ہیں وہ انہی کے باعث اور نفس امارہ کے سبب سے ہوتے ہیں۔ پھر رمضان کی فضیلت کی وجہ یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس میں شب قدر ہوتی ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے:۔

عن سلمان الفارسی قال
خطبنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی آخر یوم من
شعبان فقال یا ایہا الناس

سلمان فارسی سے روایت ہے انہوں نے کہا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں
شعبان کے آخری دن میں خطبہ دیا
اور فرمایا اے لوگو تم پر ایک بڑے مہینے

قد اظلکم شهر عظیم شهر مبارك شهر فیه لیلة خیر من الف شهر جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعًا من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادّی فریضة فیما سواه ومن ادّی فریضة فیه سواه وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة وشهر المواساة وشهر یزاد فیه رزق المؤمن من فطّر فیه صائمًا کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شیٔ قلنا یا رسول الله لیس کلنا نجد ما نفطّر به الصائم فقال

اور مبارک مہینے نے سایہ کیا ہے یہ مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہزار مہینے سے بہتر ہے اللہ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے ہیں اور اسکی راتوں میں عبادت کرنا نفل قرار دیا ہے جس نے کسی نیکی سے خدا کی نزدیکی حاصل کی تو ایسا ہے جیسا غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں ایک فریضہ ادا کیا تو ایسا ہے گویا کہ اس نے ستر فریضے غیر رمضان میں ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ مہینہ غمخواری کا ہے اور مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے جس نے اس ماہ میں کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کے گناہوں کی بخشش ہے اور آگ سے اس کی گردن کو خلاصی اور اسکو روزہ دار کا سی ہی ثواب ملے گا کہ اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے سب ایسے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماء ومن اشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربۃ لا یظما حتی یدخل الجنۃ۔ وھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر اللہ لہ واعتقہ من النار۔
(شعب الایمان از امام بیہقی)

نہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرا سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا یہی ثواب اللہ تعالیٰ اس کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو لسّی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ پر روزہ افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا تو اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (کوثر) سے ایسا شربت پلائے گا کہ جنّت میں داخل ہونے تک اس کو پیاس ہی نہ لگے گی اور یہ مہینہ اس کا اوّل حصّہ رحمت، درمیانہ حصّہ مغفرت اور اس کا آخری حصّہ جہنم سے آزادی کا ہے اور جس نے اس ماہ میں اپنے غلام پر تخفیف کی تو اللہ اس کو بخش دے گا اور جہنم سے آزاد کر دے گا۔

اس ماہ میں کتنی رعائتیں دی گئی ہیں کہ اس مہینے میں نفل کا ثواب فرض کی برابر اور فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستّر فرضوں کے برابر کر دیا گیا ہے۔ نیز صبر کے باعث کہ روزہ دار خواہشات کو ترک کر دیتا ہے جنّت حاصل کرتا ہے۔ اس میں خصوصی رعایت کے باعث مومن کی روزی میں بھی اضافہ

کردیا جاتا ہے اور کیسا فیاضانہ انعام ہے کہ روزہ دار کو جو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اس کو حوض کوثر سے شربت پینے کا موقع ملے گا اور جس کے پاس پیٹ بھر کر کھلانے کو نہ ہو وہ ایک کھجور یا لسی کے ایک گھونٹ اور پانی سے بھی انتہائی خلوص سے روزہ افطار کرائے تو یہی اجر اس کو بھی مل جائے گا۔

وضاحت بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کھجور سے روزہ افطار کرانے میں اتنا اجر اور ثواب کیونکر ملنا چاہیئے۔ مگر یہ بات قابل تعجب نہیں۔ کیونکہ عطا کرنے والی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے خزانے بے شمار ہیں اور اس کی طرف سے معمولی بخشش شایان شان نہیں۔ آپ ہی ذرا سوچئے کہ اگر کوئی سائل کسی بادشاہ کے سامنے دست سوال دراز کرے تو کیا ایک دو پیسوں یا ایک دو آنوں کی بخشش اس کے شایان ہوگی۔ اسی طرح زمین و آسمان کی سب سے بڑی بارگاہ سے مانگنے والے کے لئے تھوڑا سا انعام شایان رزاقی کے خلاف ہے وہ تو یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (جس کو چاہتا ہے بے حساب ہی رزق دیتا ہے) کا نعرہ لگاتا ہے اور اس کی ذات تو ایک ایسا مالک ہے غرض ایک کھجور سے روزہ افطار کرانے والے انسان کی نیت کے اخلاص کی قیمت لگائی گئی ہے یہ تسلیم کیجئے۔ اسی حقیقت قرآنی کے سلسلے میں فرمایا :-

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُہَا وَلَا	اللہ تعالیٰ کو نہ ان قربانیوں کا گوشت
دِمَآؤُہَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ	پہنچتا ہے اور نہ خون اس کو تو تمہارا
التَّقْوٰی مِنْکُمْ	تقویٰ (اور اخلاص نیت) پہنچتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:-

عن ابن عباس قال کان	اور ابن عباسؓ سے ہے انہوں نے
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ	کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم اذا دخل شہر رمضان	جب رمضان آتا ہر قیدی
اطلق کل اسیر واعطی کل	کو چھوڑ دیتے اور ہر سائل کو دیتے۔
سائل (رواہ البیہقی)	

یعنی آپ کے عہد میں جو قیدی آتا آپ اس کو آزاد فرما دیا کرتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں خصوصیت سے سائل کو بخشتے۔ ورنہ یوں تو ہمیشہ کی عادت بخشنے اور آزاد کر دینے کی ہمیشہ رہی۔

ایک اور حدیث میں ہے:-

عن ابن عمرؓ ان النبی صلی	ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
اللّٰہ علیہ وسلم قال	علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت رمضان کے
ان الجنۃ لتزخرف	لئے شروع سال سے آخر سال تک
لرمضان من راس الحول	کے لئے زینت اختیار کرتی ہے فرمایا
الی حول قابل قال فاذا	جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو جنت
کان اول یوم من رمضان	کے پتوں سے عرش کے نیچے سے ہوا
ھبت ریح من تحت العرش	[illegible]
من ورق الجنۃ علی الحور	[illegible]
العین فیقلن یا رب	[illegible]

واجعل لنا من عبادك ازواجا	ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور
تقر بهم اعيننا وتقر اعينهم	ان کی آنکھیں ہماری وجہ سے ٹھنڈی
بنا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)	ہو جائیں۔

جس طرح دنیا میں خصوصی تقریبات میں گھروں کو سجایا جاتا ہے اسی طرح رمضان میں جنتوں کی خاص طور پر زینت کی جاتی ہے اور یہ عین عقل سلیم کے مطابق ہے اور جنت کی حوروں کی وہ خواہش جس کا وہ اظہار کرتی ہیں یہ بھی عقل سلیم کی زد میں آنے والی حقیقت ہے کہ بہرحال ہر مکان کی آبادی مکین سے ہوتی ہے اور مکینوں میں بھی جوڑوں سے۔

فضائل صیام

ہم نے اب تک رمضان کی فضیلت اور برکت کے متعلق احادیث پیش کی ہیں اب صرف رمضان کی فضیلت اور بزرگی کے متعلق چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ دراصل کسی مقدس وقت کی عبادت اتنی ہی برکت و رحمت، فضیلت و شرف کا باعث ہوتی ہے جس قدر اس میں بندوں کو تکلیفات، تحمل اور صبر کرنا پڑتا ہے اور جب تک بندوں کو اس کی عزت، شرف اور فضیلت کا علم نہ ہو اس وقت تک ان کے ذوق و شوق میں بے تابی پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ اور قرآن و سنت کے مزاج میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ پہلے کسی چیز کو فرض کرتی ہے اور پھر اس کی فضیلت اور انعام و اجر پر روشنی ڈالتی ہے۔ دونوں کے فضائل کی اپنی جگہ خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ احادیث میں ہے:-

عن ابی ھریرۃ قال قال
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم من صام رمضان
ایمانًا واحتسابا غفر لہ
ما تقدم من ذنبہ ومن
قام رمضان ایمانا واحتسابا
غفر لہ ما تقدم من ذنبہ
ومن قام لیلۃ القدر
ایمانا واحتسابا غفر لہ
ما تقدم من ذنبہ
(بخاری ومسلم) (باب فضائل رمضان)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کا
روزہ رکھتے ہوئے اور ثواب کے لئے
رکھا اس کے اگلے گناہ بخش دئے جائیں گے
اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا
ایمان کے ساتھ اور ثواب کے لئے
تو اس کے پہلے گناہ بخش دئے جائیں گے
اور جس شخص نے شب قدر میں عبادت
کے لئے قیام کیا اس کے بھی پہلے گناہ
بخش دئے جائیں گے۔

ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ شریعت پر ایمان رکھتا ہو، رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہو اور محض ثواب اور رضائے الٰہی کیلئے روزہ رکھے نہ کہ لوگوں کے دکھانے اور سنانے کے لئے (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ) کتاب الصوم صفحہ ۱۴۲)

رہا رمضان کی راتوں کا قیام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح و دیگر نوافل، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی اور تسبیح وغیرہ سے راتوں کو بیدار رہنا جیسا کہ رمضان اور شب قدر کی راتوں میں عبادت سے انسان کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ ہلکے ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے

حساب میں آتا ہے نہیں پہونچتی تو اس عبادت سے اس کے درجات بلند ہوتے
ہیں۔ جیسا کہ امام نووی نے لکھا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے:-

وعن ابی ھریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کل عمل ابن آدم
یضاعف الحسنۃ بعشر
امثالہا الی سبع مائۃ
ضعف قال اللہ تعالی الا
الصوم فانہ لی وانا اجزی
بہ یدع شھوتہ و
طعامہ من اجلی۔
للصائم فرحتان فرحۃ
عند فطرہ وفرحۃ عند
لقاء ربہ ولخلوف فم
الصائم اطیب عند
اللہ من ریح المسک
والصیام جنۃ فاذا کان
یوم صوم احدکم فلا
یرفث ولا یصخب فان

اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر نیک عمل د
نیکیوں سے سات سو کے برابر تک
بڑھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
روزہ (کہ اسکی کوئی حد نہیں) وہ میرے
لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں
(کیونکہ) روزہ دار اپنی خواہش اور کھا
میری وجہ سے چھوڑتا ہے روزہ دار
دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں ایک
روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری
خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت
اور روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ
یہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر
اور روزے ڈھال ہیں لہذا جب
تم میں سے کسی کا روزے کا دن
تو نہ بیہودہ بات کرے اور نہ بکواس

سابه احد او قاتله	پس اگر اس کو کوئی برا کہے یا اس سے
فليقل انى امرؤ صائم	لڑنے کا ارادہ کرے تو کہہ دے کہ میں
(بخاری و مسلم)	روزہ دار ہوں۔

یہ حدیث روزے کی فضیلت میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور خصوصی شرف و عظمت کی آئینہ دار ہے۔ بایں معنی کہ اللہ تعالٰے ایک نیک عمل کا دس نیکیوں کی برابر ثواب دیتا ہے اور اس نیکی میں جوشش صدق صفا اور جذب و شوق جس قدر بھی مومن کی طرف سے زیادہ ہوتا چلا جائے گا اسی قدر ستر درجے تک نیکیاں حاصل کرتا چلا جائے گا۔ بلکہ خانۂ کعبہ میں تو ایک نیکی کی لاکھ نیکیاں ملتی ہیں۔ لیکن روزے دار کی نیکیوں کی کوئی حد نہیں۔ اس کو بے حد و حساب ثواب ملتا ہے۔ روز کی یہ فضیلت جیسا کہ خود حدیث سے واضح ہے دو وجہ سے ہے۔

اوّل اس لئے کہ روزہ ایک پوشیدہ عبادت ہے جس کو بجز ذات رب العالمین اور کوئی نہیں جانتا لیکن دوسری عبادتیں دیکھی جا سکتی اور دیکھی جاتی ہیں۔ لہٰذا روزہ دار کا خلوص اور جذبۂ شوق و وجد کی فراوانیوں کا علم اللہ ہی کو ہو سکتا ہے پھر اس میں ریا کا دخل بھی اپنی پوشیدگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ بندہ چونکہ خالص میری مرضی اور خوشنودی کے لئے روزہ رکھتا ہے اس لئے میں ہی اس کی جزا قیامت میں دوں گا۔ بخلاف نماز، زکوٰۃ اور حج کے کہ ان کے انعامات ملائکہ کے ذریعہ دلا دئے جائیں گے اور روزے کے

اس بے حساب ثواب اور برکات خود اجر عطا فرمانے کی وجہ پر بھی روشنی ڈال دی گئی کہ وہ اپنی خواہش نفسانی اور اکل و شرب اور اپنے کھانے پینے کو میری خوشنودی اور رضا کے لئے قربان کر دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے لئے قربانی کرنا اور اپنی خواہشات کو ترک کر دینے کا یہی عمل ہونا چاہیئے۔

بعض محدثین نے اَنَا اَجزِیْ کو اَنَا اُجْزٰی پڑھا ہے یعنی میں خود روزہ دار کو اس کے روزے کی جزا کی صورت میں مل جاؤں گا۔ چنانچہ آگے چل کر اس کی ان الفاظ میں وضاحت کی گئی کہ روزہ دار کو دو طرح کی خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔ ایک تو افطارنے کے وقت کہ وہ اپنی قربانی اور اپنے ایثار میں پورا اترا اور دوسری خوشی یہ کہ وہ قیامت میں اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ گویا روزے کی جزا میں تو ایسے خود مل جائیگا۔ خدا کرے کہ وہ ہمارا بھی ہو جائے اور ہمیں بھی ایسے ہی روزے رکھنے کی توفیق دے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے الصوم لی وانا اجزی بہ کے تحت بعض علما کا قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ روزہ میرے ہی لئے ہے کا یہ مطلب ہے کہ اور عبادتوں میں تو دوسروں کو بھی اہل عرب شریک کر لیتے تھے لیکن روزہ صرف خدا کیلئے ہی رکھتے تھے۔

رہا یہ معاملہ کہ روزے ڈھال ہیں۔ یعنی جس طرح ڈھال انسان کے لئے تلوار کے وار کو روکنے کے کام آتی ہے اسی طرح روزے ہر برائی کے حملے یا عذاب جہنم سے ڈھال بن کر روزہ دار کو ہر برائی یا جہنم کی آگ

سے بچاتے ہیں۔

آخر میں آنحضورؐ نے فرمایا کہ جب تمہارا روزہ ہو اور تم مذکورہ بالا انعامات حاصل کرنے کی خواہش کرو تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ روزے کی حالت میں تم سے کوئی بری بات یا برا فعل سرزد نہ ہو۔

روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ کے یہاں مشک سے بہتر ہے

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے روزہ دار کی منہ کی بدبو مشک سے بہتر ہے کے متعلق ایک دل لگتی بات کہی ہے اور وہ دراصل عند اللہ سے متعلق ہے یعنی اللہ کے یہاں اعمال حسنہ جسمانیت اختیار کرلیں گے اور ایسا ہونا احادیث سے ثابت ہے تو اس وقت روزہ دار کے منہ کی بدبو جو صورت اختیار کریگی وہ مشک کی خوشبو سے بہتر ہوگی۔ مزید وضاحت کے لئے یوں خیال فرمائیے کہ ذکر الٰہی اور حدیث و قرآن اور وعظ کی مجالس جو عام طور پر خوشبوؤں سے معطر اور پاکیزہ بنائی جاتی ہیں۔ ان کے معطر کرنے میں مشک وغیرہ کی جو خوشبوئیں استعمال کیئے جانے کی عادت ہوتی ہے، روزہ دار کے منہ کی بدبو کا ثواب اللہ کے نزدیک اس مشک کی خوشبو سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے وہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ مشمومات اور خوشبودار چیزوں کی خوشبوؤں سے محظوظ ہونے سے مبرا نہیں ہے حالانکہ یہ خصوصیات مخلوقات کی ہیں۔

ایک اور حدیث میں روزوں کی فضیلت کا ان الفاظ میں تذکرہ

فرمایا گیا ہے :-

وعن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الصیام والقرآن یشفعان للعبد یقول الصیام یا رب انی منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعنی فیه ویقول القرآن منعته النوم باللیل فشفعنی فیه فیشفعان - (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

اور عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کرینگے۔ روزے کہیں گے۔ اے رب میں نے اس کو کھانے اور شہوتوں سے دن میں روکے رکھا لہٰذا اس کے بارے میں میری سفارش قبول کیجئے اور قرآن کہے گا میں نے اس کو رات میں سونے سے روکا لہٰذا اس کے متعلق میری سفارش قبول فرمائیے پس دونوں کی سفارش قبول کی جائیگی۔

ایک اور حدیث میں ہے :-

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لکل شئی زکوٰة وزکوٰة الجسد الصوم (رواه ابن ماجه)

اور ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے (ابن ماجہ نے روایت کیا)

ایک اور حدیث میں جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے روزے کی فضیلت میں فرمایا گیا :-

وعن ابی سعید الخدری
قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم من صام
یوما فی سبیل اللہ بعّد
اللہ وجھہ من النار
سبعین خریفا۔
(بخاری مسلم)

اور ابو سعید خدریؓ سے ہے انہوں
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ
میں ایک روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس
کے چہرے (یعنی اس کو) ستر برس
کے سفر کے فاصلے کی برابر آگ سے
دور رکھے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ
الی الجمعۃ ورمضان الی
رمضان مکفرات لما بینھن
اذا اجتنب الکبائر (مسلم)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں
نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ
تک اور رمضان سے رمضان تک کے
درمیان کے چھوٹے گناہوں کا اگر کبیرہ
گناہوں سے بچا جائے کفارہ ہو جاتے ہیں

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت بریدہؓ سے روزے کی فضیلت
میں حسب ذیل حدیث نقل کی ہے:۔

عن بریدۃ قال دخل بلال
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وھو یتغدّی فقال

بریدہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا
کہ بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ناشتہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الغداء یا بلال قال
انی صائم یا رسول اللہ
فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نأکل رزقنا
وفضل رزق بلال فی
الجنۃ اشعرت یا بلال
ان الصائم یسبح عظامہ
ویستغفر لہ الملائکۃ ما
اکل عندہ (رواہ البیہقی)

فرما رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا اے بلال کھانا حاضر ہے
انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں روزے
سے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہم اپنا رزق کھاتے ہیں اور بلال
کا بہتر رزق جنت میں ہے۔ اے بلال کیا
تو نے جانا کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی
ہیں اور فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت
کرتے ہیں جب تک اس کے پاس کھایا جائے
(روایت بیہقی)

فضیلت صیام بہ عام گفتگو

فضائل رمضان و صیام پر اگر مسلسل کلام کیا جائے تو مستقل کتاب تحریر میں لائی جا سکتی ہے۔ لیکن ہم نے اس سلسلے میں ان فضائل کو جو احادیث میں آئے ہیں پیش کر دیا ہے تاہم علما اور ائمہ اور صوفیا نے روزوں کے بارے میں بہت تفصیلات سے بحثیں کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:-

ان الصوم حسنۃ عظیمۃ
یقوی الملکیۃ ویضعف
البہیمیۃ ولا شیء مثلہ

روزہ ایک بہترین نیکی ہے جو روحانی
اور ملکوتی قوت کو بڑھاتا ہے اور بہیمیت
کو کمزور کرتا ہے اور روح کو صیقل اور

في صيقلة وجه الروح وقهر الطبيعة۔ والإنسان إذا سعى في قهر النفس وإذالة رذائلها كانت لعمله صورة تقديسية في المثال ومن أذكياء العارفين من يتوجه إلى هذه الصورة فيمد من الغيب في علمه فيصل إلى الذات من قبل التنزيه والتقديس۔

کرنے میں اور نفس کو شکست دینے میں روزے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اور انسان جب نفس پر غلبہ پانے اور رذائل نفس کے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل عالم مثال میں ایک پاکیزہ صورت و شکل اختیار کر لیتا ہے اور حساس عارفین و صوفیا میں جو اس عالم مثال کی صورت کی طرف توجہ دیتا ہے تو اس کے غیبی علم کا اضافہ ہوتا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ تنزیہہ و تقدیس و پاکیزگی کے باعث ذات خداوندی سے جا ملتا ہے۔

روزے کی ضرورت ہمارے نزدیک روزے کی ضرورت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان جو ایک قطرہ ہے اپنے دریا سے جا ملتا ہے یا ذرہ آفتاب سے یا بندہ اپنے معبود سے واصل ہو جاتا ہے اور یہی مقصد زندگی ہے۔ کیونکہ روزے میں ایک گونہ اخلاق الٰہیہ پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ سوتا ہے، نہ اسے خواہشات سے کوئی تعلق ہے۔ اسی طرح روزہ دار بھی خوشنودی

خداوندی کی خاطر اپنے محبوب کی طرح نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ راتوں کو عبادت کی وجہ سے سوتا ہے۔ بلکہ تمام خواہشات کو ترک کر کے اللہ کے اخلاق اختیار کر لیتا ہے۔ جب حال یہ ہو تو بس روزے کے ذریعہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ بس یہی روزے کی کستوری ہے۔ اس لئے نسائی کی ایک حدیث میں جو ابی امامہ سے مروی ہے یہ ہے:۔

علیک بالصوم فانہ لا   تم اپنے لئے روزہ کو لازم پکڑ لو کیونکہ
مثل لہ (نسائی)   اس کی مانند کوئی چیز نہیں ہے۔

روزہ مادیت سے خارج کر کے روحانیت کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ کیونکہ نہ کھانے سے مادیت کو شکست ہوتی ہے اور اس صورت میں تجلیات کا ظہور روزہ دار کے دل پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہوا تو رمضان کے ایام تھے اور آنحضورؐ غار حرا میں اکثر جاتے اور وہاں آپ وظائف گذار رہتے تھے۔ یہی موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا کہ پہلے کوہ طور پر آ کر معتکف ہو گئے اور جب تزکیہ نفس سے ہمکنار ہو گئے تو انہیں توریت دی گئی۔

حقیقت صیام پر مولانا جلال الدین رومی نے انہی حقیقتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لب فرو بند از طعام و از شراب   سوئے خوانِ آسمانی کن شتاب
کھانے پینے سے ہونٹ بند کر لے   آسمانی دسترخوان کی طرف جلدی کر
ایں دہاں بستی دہانے باز شد   کو خورندہ لقمہائے راز شد

تو نے یہ (ظاہری) منہ بند کر لیا تو وہ منہ کھل گیا۔ کیونکہ وہ روزہ دار راز کے لقمے کھا رہا ہے۔

زیں خورشہا اندک باز بُر — کیں غذائے خر بود نے آں حُر
یہ غذائیں تھوڑی تھوڑی چھوڑ دے — کیونکہ یہ تو گدھے کی غذا ہے نہ کہ حُر کی

تا غذائے اصل را قابل شوی — لقمہائے نور را آکل شوی
تاکہ تو اصلی (روحانی) غذا کے قابل ہو جائے (اور) نور کے لقموں کو کھانے والا بن جائے

یَا حَرِیْصَ الْبَطْنِ عَرِّجْ ھٰکَذَا — اِنَّمَا الْمِنْھَاجُ تَبْدِیْلُ الْغِذَا
اے پیٹ کے لالچی اسی طرح عروج اختیار کر کیونکہ غذا کا بدلنا ہی طریقہ ہے۔

یَا مَرِیْضَ الْقَلْبِ عَرِّجْ لِلْعِلَاجْ — جُمْلَۃُ التَّدْبِیْرِ تَبْدِیْلُ الْمِزَاجْ
اے دل کے مریض علاج کی طرف توجّہ کر کیونکہ مزاج کی تبدیلی پوری تدبیر ہے

اَیُّھَا الْمَحْبُوْسُ فِیْ رَھْنِ الطَّعَامْ — سَوْفَ تَنْجُوْ اِنْ تَحَمَّلْتَ الْفِطَامْ
اے کھانے کے رہن میں محبوس اگر تو نے بڑے بڑے امور کو برداشت کر لیا تو چھٹکارا پا جائیگا

ہر گرسنہ عاقبت قوتے بیافت — آفتاب دولتے بر وے بتافت
ہر روزہ دار بھوکے نے آخر ایک غذا پائی — اس (روزہ دار) پر دولت کا آفتاب چمکا

قوتِ جبریل از مطبخ نبود — بود از دیدارِ خلّاقِ ودود
جبرئیل کی قوت باورچی خانہ کے ذریعہ نہ تھی — بلکہ وہ تو خلّاق ودود کے دیدار سے تھی

ایں جہاد و صوم سخت است و خشن — لیک ایں بہتر ز ابطالِ شکن
یہ جہاد اور روزہ بہت ہی سخت دباؤ ہیں — لیکن آزمائش ہی [illegible] بہتر ہوتی ہیں۔

رنج کے ماند دمے کہ ذو المنن — گویدت چونی تو اے رنجورِ من
بھلا تکلیف کب رہتی ہے جبکہ دم بھر کے لئے احسان والا تجھ سے پوچھتا ہو کہ اے میرے بیمار کیا حال ہے

چوں ملک تسبیح حق را کن غذا
فرشتے کی طرح خدا کی تسبیح کو اپنی غذا بنا لے
تا رہی ہمچوں ملائک از اذی
تاکہ تو فرشتوں کی مانند تکلیف سے چھوٹ جائے

کچھ روزہ خوروں کے متعلق

اور کچھ

باپرہیز روزہ داروں کے لیے

○ — روزہ نہ رکھنے والا سخت مجرم ہے ○ — روزہ ہر عاقل، بالغ، تندرست مرد اور عورت پر فرض ہے ○ — روزہ جذبہ شوق کے آگے آسان بات ہے ○ — بیمار، حائضہ، دودھ پلانے والی عورت قضا کر سکتی ہے جو بعد میں رکھے ○ — شیخ فانی ہر روزے کے بدلے میں فدیہ ادا کرے گا۔

روزہ ارکان اسلام میں چوتھا رکن ہے۔ عذر کے بغیر جان کر روزہ نہ رکھنا اعلیٰ درجے کی بدبختی ہے اور ایسا وہی کرتے ہیں جن کے دل میں روزے اور احکام دین کی وقعت نہ ہو۔ ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو روزوں سے محبت ہوتی ہے ان کا جذبہ شوق روزوں کو ان کے لیے آسان

بتا دیتا ہے۔

کسی دشوار کام کے کرنے کا بہت کچھ تعلق نفسیات سے ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ فرہاد شیریں کے محل تک سخت پتھروں کو کاٹ کر جوئے شیر لے آیا تھا۔ تو ہمیں اس کے ماننے میں کوئی عقلی اشکال نہیں۔ عشق، جنون، غصہ، شوق و حقیقتیں ہیں جو انسان میں قوت کی کرنٹ جاری کر دیتے ہیں۔ یہ کرنٹ انسان کی اعتدالی حالت میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنی اعتدالی حالت اور نارمل پوزیشن میں ہوتا ہے۔ اس کی بہ نسبت اس وقت اس میں زیادہ طاقت ہوتی ہے جب اس کو کسی بات پر طیش آتا ہے یا عشق میں ہو یا جنون میں یا جذبہ بے اختیار شوق میں ہو تو ان حالات میں وہ ایسے کام کر گزرتا ہے کہ اعتدال کی حالت میں کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ حافظ نے فرہاد کے متعلق ایک نفسیاتی کیفیت میں بے ستون پہاڑ کو کاٹ ڈالنے کا اس طرح نکتہ حل کیا ہے ؎

نہ بہ تیشہ بے ستون را زدہ کوہکن زہر سو
کہ ز درد کوہکن شد دل خارہ پارہ پارہ

شاعر نے ایک واضح حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ فرہاد نے بے ستون پہاڑ کو تیشے سے نہیں کاٹا بلکہ کوہکن کے درد عشق اور ولولہ شوق وصال سے پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

دنیا میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ جوش، حوصلہ، لگن اور جذبہ شوق و ذوق سے وہ دشوار کام آسان ہوئے ہیں کہ

جو بے شوقی و بے ذوقی میں انجام نہ پا سکے۔

قلعہ خیبر کا دروازہ جو فتح ہونا دشوار ہو رہا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی جذبہ اسلامی اور شوق جہاد میں تنہا اکھاڑ کر پھینک دیا جس کو ستر آدمی بھی نہ اکھاڑ سکتے تھے۔

اسی جوش ایمانی کا نتیجہ تھا کہ جنگ بدر کا جہاد جو رمضان کے روزوں میں لڑا گیا سخت دھوپ اور شدت کی گرمی کے باوجود صحابہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کفار مکہ کے ستر سرداروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

اسی طرح اگر جوش ایمان رگوں میں خون بنکر دوڑتا ہو تو جون اور جولائی کے چودہ گھنٹوں کے سخت گرمی کے روزے، روزہ دار مومن کا منہ پھیرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پھر حیرانی ہے ان مسلمانوں پر جو روزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور گرمیوں کو تو چھوڑیئے جاڑوں میں بھی روزہ رکھنے سے کانپتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف بے ذوقی اور بے شوقی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ان نتائج سے غافل ہیں۔ جو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

رمضان میں بے باکانہ خورد و نوش

وہ لوگ جو رمضان میں بے باکانہ بغیر عذر شرعی قصداً علی الاعلان کھاتے ہیں وہ اسلام کے ایک رکن عظیم کی توہین کرتے ہیں۔

اسلامی قانون جن ملکوں میں رائج ہو اور وہاں پر محکمہ احتساب موجود ہو تو یہ کام قاضی وقت کا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو دائرۂ شریعت میں سخت سزا دے۔ البتہ مسلم ممالک میں جہاں روزوں کی علی الاعلان بے باکانہ ذلیل بے احترامی ہوتی ہو وہاں کے اہل حل وعقد خدائے قدوس وعزیز کے سامنے جواب دِہ ہوں گے اور وہ لوگ بھی جو روزوں کا احترام نہیں کرتے۔ درمختار میں ایسے شخص کھلا قصداً روزوں میں بلا عذر کھانے والوں کے لئے قاضی وقت کو کہا گیا ہے:۔

لَو اَکَلَ عَمَدًا شُھْرَۃً بِلَا عُذْرٍ یُقْتَلْ۔	اگر کوئی شخص رمضان میں قصداً بلا عذر علی الاعلان اور بے باکانہ کھائے تو قتل کر دیا جائے۔

(درمختار باب مایفسد الصوم)

واضح رہے کہ اس قانون کو عوام اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے یہ کام صرف ان ممالک میں قضاۃ کا ہوگا جہاں اسلامی قانون رائج ہو۔

ہمارا مقصد درمختار کی عبارت پیش کرنے سے صرف یہ ہے کہ جو شخص بے باکانہ، دکھا کر بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھے اور سب کے سامنے کھاتا پھرے اور دندناتا پھرے وہ روزے کی توہین اور اس سے مذاق کر رہا ہے ایسے شخص کی سزا سخت سے سخت تر ہونی چاہئے۔ اکہ دوسرے روزہ خوروں کو عبرت ہو اور بے احترامی کے اس سیلاب سے روزوں کی کشتی باہر نکل جائے۔ یہی سزا جان کر نماز چھوڑنے والے ہے جس کی تفصیلات ائمہ کے اقوال میں موجود ہیں۔ البتہ بعض

اگر مثلاً امام احمد بن حنبل تو تارک نماز کے بارے میں بہت سخت ہیں سب سے زیادہ نرمی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تارک نماز کو قید کر دیا جائے تا آنکہ توبہ کرے اور نماز پڑھنے لگے۔ اگر قید و بند کے باوجود نہ مانے اور نماز نہ پڑھے۔ تو پھر اسے آزاد نہ کیا جائے تا آنکہ جیل میں پڑا پڑا مر جائے

امام ذہبی جو جلیل القدر آئمہ میں سے ہیں تحریر فرماتے ہیں:۔

وعند المومنین مقرر ان
ترک صوم رمضان بلا
مرض انه شر من الزانی
ومدمن الخمر بل یشکون
فی اسلامه ویظنون به
الزندقة والانحلال
(ذہبی)

اور یہ بات اہل ایمان کے نزدیک
طے شدہ ہے کہ بغیر مرض کے روزہ چھوڑ
دینے والا زانی اور ہمیشہ کے شرابی سے
بھی بدتر ہے۔ بلکہ اس کے اسلام میں
بھی انہیں شک ہے اور اہل ایمان
ایسے شخص کو لامذہب اور بے دین
خیال کرتے ہیں۔

امام ذہبی نے مومنین کے اس طے شدہ نظریہ میں یہ فرمایا ہے کہ زانی اور ہمیشہ کا عادی شرابی اتنا برا نہیں جتنا بغیر عذر شرعی روزے کا ترک کر دینے والا مسلمان۔ بلکہ ایسے شخص کے اسلام میں بھی اہل ایمان کو شک ہے اور اس کو زندیق سمجھا گیا ہے۔

احادیث کی وہ چھ کتابیں جن کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے اور جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے ان میں سنن ابو داؤد کا بھی شمار ہے۔ امام ابو داؤد لکھتے ہیں

من افطر یوما من رمضان	جس شخص نے رمضان کے ایک دن کا
فی غیر رخصۃ رخصہا	روزہ بھی، اللہ کی رخصت کے بغیر بھی
اللہ لہ لم یقض عنہ	اس نے روزہ دار کر دی ہے، کھا لیا
صیام الدھر کلہ وان	وہ اگر تمام عمر بھی روزہ رکھتا رہے
صامہ - (ابوداؤد)	تب بھی اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنی جگہ بالکل واضح اور صاف ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے ماہ کے روزوں کی مسلسل کڑیوں میں سے ایک کڑی بھی اگر ٹوٹ جائے تو تمام سلسلۂ فرضیت و رحمت کٹ کر منتشر ہو جائے گا۔ اب اس روزے کو جو رمضان میں ہونے کی وجہ سے اپنے اندر بے شمار برکات رکھتا تھا۔ تمام عمر کے روزے بھی تو واپس نہیں لا سکتے۔ وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نمی آید۔ جو وقت گزر گیا اور جو تیر کمان سے نکل گیا وہ کسی صورت سے کبھی واپس نہیں آ سکتا۔ اس لئے جو روزہ عذرِ شرعی کے بغیر کھایا گیا وہ کبھی واپس نہیں آ سکتا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:۔

علیک بالصوم فانہ لا	روزے کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ
عدیل لہ	اس کا بدل کوئی نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ روزہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کی برکات کسی

اور تیسرے سے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا روزوں کی سختی سے پابندی کرنی چاہیئے کہ اور اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔

ان ائمہ اور فقہا کے اقوال سے روزے کی اہمیت واضح ہے جن کا ماخذ قرآن و سنّت ہے۔

روزہ خوروں کی مختلف قسمیں

ہم نے آغاز کتاب میں روزہ داروں کی تین قسمیں بتائی ہیں یعنی

۱۔ عوام روزہ دار:- جو صرف کھانا پینا اور خواہش نفس کے ترک کر دینے کا نام روزہ سمجھتے ہیں۔

۲۔ خواص روزہ دار:- جو آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں سے بھی روزہ دار رہتے ہیں۔

۳۔ اخص الخواص روزہ دار:- جو روزوں میں کھانا، پینا، خواہش نفسانی کو ترک کرنا ہی روزہ نہیں سمجھتے بلکہ آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کے روزہ دار ہونے کے علاوہ افطار کے انتظام اہتمام کو تصوّر میں لانے کو بھی روزے کے منافی سمجھتے ہیں اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے نزدیک روزہ خوروں کی بھی تین قسمیں ہو سکتی ہیں:-

۱۔ اوّل وہ روزہ خور جو روزہ نہیں رکھتے لیکن چھپ کر کھاتے پیتے ہیں۔ ہوٹلوں، ڈھابوں، قہوہ خانوں میں پردے ڈال لیتے ہیں اور کھاتے پیتے رہتے ہیں۔

۲ - دوسرے قسم کے روزہ خور لوگ وہ ہیں جو روزہ نہیں رکھتے اور کچھ بازار میں کھلم کھلا سگریٹ، پیالے، حقے پیتے اور کھانا کھاتے ہیں لیکن روزے کو فرض سمجھتے ہیں۔

۳ - تیسرے قسم کے روزہ خور وہ ہیں جو روزے کو روزہ ہی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ دقیانوسی قسم کی عبادت عرب کے بدوؤں کے لئے تو ٹھیک تھی کہ وہ غذا کی کمی اور شارٹیج (shortage) سے دوچار تھے۔ اس قسم کی باتیں کرنے والے بھی مسلمانوں کے افراد ہی میں سے ہیں جو نہایت بے باکی سے یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ کہ دیکھئے صاحب اس علم و سائنس کے دور میں بھی روزہ رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو پسماندگی کا نتیجہ ہے۔

اس قسم کی باتیں کہنے والے دنیائے اسلام کے انتہا پسند آزاد خیال ہیں۔ ورنہ الحمد للہ ہمارے ملک میں اسلامی قدروں کا جو احترام ہوتا ہے وہ شاید دوسرے آزاد خیال اسلامی ممالک میں نہ ہو۔ اگرچہ یہاں بھی بعض اس قسم کے خیال کے لوگ موجود ہیں۔

مجھ سے میرے ایک ملاقاتی نے جو بعض ممالک اسلامیہ میں رہ آیا ہے بیان کیا کہ میں نے فلاں اسلامی ملک کے ایک شیخ کو دیکھا کہ اس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی مگر مسجد میں باقاعدہ امامت کرتا اور نماز پڑھاتے وقت مصنوعی ڈاڑھی لگاتا اور لمبا جبہ پہنتا اور فرائض پڑھنے کے بعد جبہ اور ڈاڑھی کھونٹی پر ٹانگ رکھتا۔ اس لئے ہمیں

اس قسم کے ممالک کو اپنے لئے نمونہ بنانا یا ان کے اجتہاد کی تقلید کرنا ضروری نہیں۔

بہرحال تیسرے درجے کے روزہ خور اعتدال کی حد سے ہی نہیں بلکہ اسلام کی حدود کو بھی پھلانگ چکے ہیں۔

ہم دراصل ان سر بسجود، پا بقعود، قد بقیام، تن برکوع، رو بقبلہ اور دل بخدا لوگوں کی عبادتوں اور نفوس قدسیہ کی برکت کے صدقے ہیں زندہ ہیں جو اپنے صوم و صلوٰۃ سے ہمارے لئے ڈھال بنے ہوئے ہیں ورنہ اس قسم کی بے باکیاں کسی وقت بھی قہر خدا کا باعث بن سکتی اور بنتی ہیں ہمیں قرآن کریم کی اس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے :۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا
مِنْ دَآبَّةٍ ط وَلٰكِنْ
يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۝

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی زیادتی کی وجہ سے پکڑنے لگے تو زمین پر ایک چوپایہ بھی نہ چھوڑے لیکن وہ ایک مقررہ مدت تک کے لئے ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔

احترام صیام

روزہ اللہ کے شعائر میں سے ہے اس کا اور دوسرے شعائر اللہ، حرمات اور آیات الٰہیہ کا احترام فرض ہے نماز، حج، قربانی کا جانور، مساجد اللہ، صفا و مروہ، ناقہ صالح علیہ السلام یہ ساری چیزیں جو کسی نہ کسی نوعیت کے اعتبار سے اللہ کی نشانیاں، آیات اور حرمت کی چیزیں قابل احترام ہیں

قرآن کریم میں ہے:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ	صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے
شَعَائِرِ اللّٰہِ۔	ہیں۔

صالح علیہ السلام نے فرمایا:۔

یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ	اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے
اٰیَةً۔	نشانی ہے۔
وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا	اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ ٹھہراؤ۔
وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ	اور جو اللہ کی حرمات کی عزت کرتا ہے
خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط	تو اسکے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے
وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ	اور جو اللہ کے شعائر کی عظمت کرتا
فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ط	ہے تو یہ دلوں کے تقوے کا نتیجہ ہے

بہرحال مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں روزوں کا احترام اور ان کی عظمت مسلمان کے لئے فرض ہے۔

بے احتیاط روزہ دار

روزہ ایک اثباتی چیز ہے اور نفس امارہ کے امراض کے لئے بہترین تریاق ہے۔ لیکن جہاں کسی مرض کے علاج کا سبب دوائی ہے۔ وہاں علاج کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی نہایت ضروری حقیقت ہے۔ ورنہ پرہیز کے بغیر علاج بے سود ہے۔ گویا روزہ مثبت اور پرہیز منفی چیز ہے اور ان دونوں مثبت و منفی یعنی Positive اور Negative سے

ایک روحانی روشنی ہوتی ہے جو مقصود ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ بجلی کے مثبت اور منفی تاروں کے ملنے سے ہی روشنی اور لائٹ پیدا ہوتی ہے اس لئے روزے کے ذریعے روحانی برق اور روشنی حاصل کرنے کے لئے ایک طرف بھوکا، پیاسا ہونا اور خواہش نفسانی سے دور رہنا اور زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں کو روزہ دار رہنا ہوگا تو دوسری طرف شطرنج جوا، تاش، گنجفہ، چوسر اور دیگر ناجائز لہو و لعب سے پرہیز کرنا ہوگا۔ تب جا کر روزے کے ذریعہ نور حاصل ہوگا۔

وہ روزہ دار جو صرف بھوک، پیاس اور خواہش نفس سے تو کنارہ کش رہتا ہے لیکن غیبت، بدگوئی، چغلخوری، تاش اور شطرنج سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کا روزہ اندھا اور بے نور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:—

عن ابی ھریرۃ قال قال	ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
وسلم من لم یدع قول	شخص نے (روزے میں) بیہودہ بات
الزور والعمل بہ فلیس	اور برا عمل نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی
للہ حاجۃ فی ان یدع	پروا نہیں کہ اس نے اپنا کھانا اور
طعامہ وشرابہ (بخاری)۔	پینا چھوڑ دیا۔ (بخاری)

قول زور میں بیہودہ گفتگو، غیبت، چغلخوری، کذب، جھوٹی گواہی، افترا، تہمت، سب و شتم سب ہی شامل ہیں۔ اور عمل بد میں ہر وہ عمل

شامل ہے جس سے گناہ لازم ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث کا منشا اور خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ قول اور عمل جو گناہ کا باعث ہو روزے میں ان سے احتراز اور پرہیز لازم ہے۔ اگر روزہ دار ان سے اجتناب نہ کرے گا۔ تو اس کے روزے اور بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بے نور اور ناقص روزے سے راضی نہیں ہوتا۔

صوم (روزے) کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

اور

اس کی فرضیت تاریخ کی روشنی میں!

○ صوم کے لغوی اور اصطلاحی معنی ○ روزے کے وقت کی ابتدا اور انتہا ○ روزہ کن پر فرض ہے ○ روزہ تاریخ کی روشنی میں ○ رمضان کے لفظی معنی ○ کیا رمضان اللہ کا نام ہے؟

صوم کے لغوی اور اصطلاحی معنی

"صاحب البدائع" مشہور حنفی فقیہ صوم کی لغوی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

الصوم اللغوی فهو الامساك المطلق وهو الامساك عن ای شئ كان فيسمى الممسك عن [illegible] وهو الصامت صائما قال الله تعالىٰ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔

لغت میں صوم (روزے) کے معنی مطلقاً رکنے کے ہیں خواہ وہ کسی چیز سے ہی رکنا کیوں نہ ہو۔ چنانچہ جو شخص کلام کرنے سے رکنے والا ہو اس کو بھی صامت کہتے ہیں اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم کی زبانی فرمایا۔ "میں نے اللہ کے لئے خموشی کی نذر مانی ہے۔ چنانچہ میں آج کسی انسان سے کلام نہیں کرونگی۔"

مذکورہ آیت میں صوم کے معنی رکنے کے ہیں۔ لیکن آگے جس چیز سے رکنے کی تشریح کی گئی ہے۔ وہ کلام کرنے اور بات چیت کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔ لیکن صوم کے اصطلاحی معنی حسب ذیل ہیں:-

اما الشرعی فهو الامساك عن اشياء مخصوصة وهى الاكل والشرب والجماع بنية التقرب

لیکن شریعت میں روزہ خاص چیزوں سے رکنے کا نام ہے اور وہ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنے کے ہیں جسکا مقصد اللہ سے نزدیکی حاصل کرنا ہو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص روزے کی نیت کے بغیر بھوکا پیاسا رہے گا اور جماع سے بچے گا۔ تو وہ روزہ دار نہیں ہوگا۔ بلکہ روزے کے

لئے نیت شرط ہے۔

روزے کے اوقات کی حدبندی

روزہ کس وقت سے کس وقت تک رکھنا ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اس کے حدود کی تعیین ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے:-

وَكُلُوْا وَشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ۔

اور رات کو اس وقت تک کھا سکتے اور پی سکتے ہو جب تک صبح نمودار ہو پھر صبح سے رات تک (سورج چھپنے) تک روزہ پورا کرو۔

اس آیت میں خدائے کریم نے روزے کے ابتدائی اور انتہائی یعنی صبح صادق سے سورج کے چھپ جانے تک کا وقت مقرر فرما دیا۔

روزہ کس پر فرض ہے

فقہ کی عام کتابوں میں لکھا ہے:-

صوم رمضان فرض على كل مسلم ومسلمة مكلف ومكلفة اى بالغ وبالغة الا المجنون والحائضة والمريض والصبيان والشيخ الفانى والمرضعة۔

رمضان کا روزہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر جو بالغ اور بالغہ ہو فرض ہے۔ البتہ پاگل اور حائضہ عورت اور مریض اور بچوں اور ناطاقت بڈھے پر اور دودھ پلانے والی پر۔

البتہ مجنون جب اچھا ہو جائے اور حائضہ جب حیض سے پاک ہو جائے اور دودھ پلانے والی جب دودھ پلا چکے اور مریض جب صحتیاب ہو کر روزے کی طاقت پیدا کرے اور بچے جب بالغ ہو جائیں۔ تو سب روزے رکھیں گے۔ لیکن شیخ فانی وہ بوڑھا جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ رہی اور امید بھی نہیں رہی کہ کس وقت اس میں طاقت آسکتی ہے۔ تو اس پر روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ فدیہ ادا کرتا رہے گا۔ بقیہ مسائل آئندہ اوراق میں آپ تفصیل سے پڑھیں گے

بچوں کو روزوں کی عادت

بچے روزوں کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ سخت سے سخت گرمی میں نو دس سال کے بچے روزے رکھ لیتے ہیں ہمارے سامنے اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔ اس لئے بالغ ہونے سے پہلے ہی بچوں کو نماز کی طرح روزوں کی عادت ڈلوانی چاہیئے۔ انہیں نماز کی طرح سات سال سے روزہ رکھنے کی نصیحت کرنی چاہیئے۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں۔ تو اب بھی اگر روزہ نہ رکھیں۔ تو نماز کی طرح تنبیہ کی جانی مصلحت سے خالی نہیں کیونکہ مقصد احساس دلانا ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ تمام مہینے کے روزے رکھوائے جائیں۔ مقصد ابھی سے روزے رکھنے کی عادت پیدا کرنا اور اس اہم فریضے کی طرف توجہ دلانا ہے۔

روزہ تاریخ کی روشنی میں

علامہ عثمانی فتح الملہم شرح مسلم

میں لکھتے ہیں :-

ونزلت فریضۃ رمضان	اور رمضان کے روزوں کی فرضیت
فی شعبان من السنۃ	کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال
الثانیۃ من الہجرۃ	شعبان میں نازل ہوا۔ بایں حساب
فصام رسول اللہ تسع	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
رمضانات (فتح الملہم کتاب الصوم جلد ۳)	نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

مشکوٰۃ کے شارح صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں :-

"پھر ہوئی فرضیت رمضان کی دس روز بعد تحویل قبلہ کے شعبان کے مہینے میں کہ اٹھارہواں مہینہ تھا ہجرت سے"

(کتاب الصوم صفحہ ۱۴۸ جلد دوم)

لفظ رمضان کی تحقیق

اگرچہ رمضان کے متعلق ہم پہلے ابتدائی اوراق میں کچھ لکھ چکے ہیں تاہم یہاں لفظ صوم کی لغوی اور شرعی تحقیق کے ساتھ رمضان کے لفظ کی لغوی تحقیق بھی قدرے بیان کرنا مناسب و ضروری سمجھتے ہیں۔

مواہب اور شرح مواہب میں ہے :-

اعلم ان لفظ رمضان	واضح رہے کہ لفظ رمضان رَمَض
مشتق من الرمض بفتح	سے نکلا ہے جو میم کے زبر سے ہے۔
المیم قال فی المصباح	مصباح میں کہا ہے کہ رمض
یقال رمض یومنا یرمض	یومنا یرمض رمضا باب

رمضا من تعب وهو شدة الحر لان العرب لما ارادوان يضعوا اسماء الشهور وافق الشهر المذكور شديد الحر فسموه بذالك لموافقة الوضع الازمنة فقالوا رمضان ثم كثر حتى استعملوها في الاهلة وان لم توافق ذالك الزمن كما سمي الربيعان لموافقتهما زمن الربيع وذالك حين اربعت الارض۔

تعب سے بولا جاتا ہے جس کے معنی شدت حرارت کے ہیں کیونکہ اہل عرب نے جب مہینوں کے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو مذکورہ ماہ رمضان سخت گرمی میں واقع ہوا۔ اسی وجہ سے اس کا نام موسموں کی وضع کی موافقت سے رمضان رکھ دیا پھر کثرت استعمال کی وجہ سے ان کا مہینوں کے لئے استعمال ہونے لگا خواہ پھر ان موسموں کے موافق ہوں یا نہ ہوں جس طرح ربیع الاول اور ربیع الآخر موسم بہار میں واقع ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ نام دئے گئے جبکہ زمین بہار لارہی تھی۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوا کہ عربوں نے جب مہینوں کے نام رکھے تو موسموں کے اعتبار سے رمضان کا مہینہ سخت گرمی میں آیا اور چونکہ رمض کے معنی گرمی کی شدت کے ہیں۔ لہٰذا شدت حرارت کے باعث اس کو رمضان کا نام دے دیا گیا ہے۔ بعدازاں خواہ رمضان جاڑوں میں ہی کیوں نہ آئے لیکن اب یہ مہینے کے نام سے موسوم ہو گیا جس طرح ربیع الاول اور ربیع الآخر کے نام بہار میں آنے کے باعث ربیع رکھے گئے کہ ربیع کے معنی بہار کے ہیں کہ اس وقت نام رکھتے وقت یہ مہینے بہار میں واقع ہوتے تھے۔ بعدازاں وہ مہینوں کے معنی میں استعمال ہوئے خواہ وہ مہینے خزاں کے موسم ہی میں کیوں

نہ واقع ہوں۔

رمضان، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے

یہ بات بھی معلومات کے سلسلے کی ایک معمولی سی کڑی بن سکتی ہے کہ بعض علما کے مطابق رمضان، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ لہٰذا صرف رمضان کا تنہا لفظ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ماہ رمضان یا شہر رمضان (رمضان کا مہینہ) کہنا چاہیے جس طرح عبدالرحمٰن میں رحمٰن اللہ کا صفاتی نام ہے لہٰذا کسی شخص کو جس کا نام عبدالرحمٰن ہو صرف رحمٰن کہنا درست نہیں۔ یہ نظریہ ایک ضعیف اور کمزور حدیث کی بنا پر قائم کیا گیا جس کو ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

عن ابی هریرة لا تقولوا رمضان	ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ
فان رمضان اسم من اسماء اللّٰه	رمضان مت کہو کہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے
ولکن قولوا شهر رمضان۔	ہے لیکن شہر رمضان (ماہ رمضان) کہا کرو

بہر حال امام مالک کے اصحاب سے مطلقاً رمضان کہنے کی کراہت ثابت ہے۔ وہ مذکورہ حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ ماہ رمضان کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں لیکن عام جمہور علما صرف لفظ رمضان بغیر ماہ یا شہر کے الفاظ بھی بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:۔

وعامة المشائخ علی انه لا یکره	اور عام مشائخ علما اس پر قائم ہیں کہ صرف
لمجیئه فی الاحادیث الصحیحة	لفظ رمضان بولنا مکروہ نہیں کیونکہ صحیح
کقوله صلی اللّٰه علیه وسلم من	احادیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه وعمرة فی رمضان تعدل حجة ولم یثبت فی المشاهیر کونه من اسماء الله تعالی ولئن ثبت فهو من الاسماء المشترکة کالحکیم کذا فی الدرایة (شامی کتاب الصوم جلد ۲)

روایت ہے من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه و عمرۃ فی رمضان تعدل حجة ۔ اور مشاہیر سے رمضان کا اللہ کے ناموں میں سے ہونا ثابت نہیں ۔ اور اگر ثابت بھی ہو تو وہ حکیم کے اسم کی طرح مشترک ناموں میں سے ہے جیسا کہ درایہ (فقہ کی کتاب) میں ہے

بہرحال لفظ رمضان کا اللہ کے ناموں میں سے ہونا ثابت نہیں ۔ اور ابوہریرہؓ والی حدیث ضعیف ہے ۔ اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے خود رمضان کا تنہا لفظ بغیر شہر رمضان استعمال فرمایا ہے ۔ اکثر شافعی المذہب علما کا قول یہ ہے کہ اگر رمضان کے استعمال میں کوئی قرینہ ایسا ہو جس سے مہینہ مراد ہو تو صرف رمضان کے لفظ کا استعمال مکروہ نہیں اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو پھر مکروہ ہے

ملا علی قاری کا قول ہے کہ اگر یہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تو پھر رمضان کے معنی غافر کے ہیں کہ وہ گناہوں کو مٹا دیتا اور دور کر دیتا ہے ۔ مگر اس پر بھی اک گونہ شبہ ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے رمضان، مہینے کا نام رکھا گیا ہے
بہرحال رمضان کو اللہ کے ناموں میں سے قرار دینا غیر یقینی ہے ۔

روزے کی قسمیں

فرض روزے ٥ واجب روزے ٥ سنت، نفل اور مندوب
روزے جو سب نفل کہلاتے ہیں ٥ کفارے کے روزے
٥ نفل روزوں کے فضائل ٥

دنیا کے معاملات اور عبادات مناظر اور کیفیات میں رنگ برنگی اور تقسیم کچھ فطرت کے اصول کے خصوصی تقاضوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح نماز مختلف اقسام فرض، واجب، سنت اور نفل میں منقسم ہے۔ اسی طرح روزے کی بھی فرض، واجب، سنت، نفل، مستحب اور مندوب مختلف قسمیں ہیں اور سنت، نفل، مستحب اور مندوب کی ساری قسموں پر نفل کا لفظ بولا جاتا ہے۔ گویا کہ مختصر طور پر اصطلاح فقہ میں روزے کی تین قسمیں طے شدہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

فرض[۱] ۔ واجب[۲] ۔ نفل[۳] ۔ سنت روزے بھی نفل میں شامل ہیں۔

پھر فرض روزہ بھی یا فرض عین ہے جو ہر عاقل، بالغ، تندرست مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اس قسم کے روزے رمضان المبارک کے روزے ہیں جو ہر مسلمان مرد اور عورت پر اپنی شرائط کے ساتھ فرض عین ہیں۔ اور

یا وہ روزے ہیں جو فرض عین نہیں بلکہ ان ہی پر فرض ہوتے ہیں جن پر روزوں کا قانون حاوی ہے۔ واضح رہے کہ اصطلاح فقہ میں فرض کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل ۱ فرض عین اور دوسرے ۲ فرض کفایہ۔

فرض عین ایک ایسا فرض ہوتا ہے جو ہر مسلمان مرد اور عورت پر اپنی شرطوں کے ساتھ فرض ہوتا ہے اور ہر ایک فرد کو اس کا ادا کرنا ضروری ہے لیکن فرض کفایہ، یہ ایک ایسا فرض ہے جو چند مسلمانوں کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور باقی قوم کی طرف سے بھی چند آدمیوں کی نمائندگی کفایت کر جاتی ہے۔ فرض عین کی مثال میں پنجگانہ نماز اور رمضان کے روزے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اور فرض کفایہ کی مثال نماز جنازہ ہے جو چند آدمیوں کے ادا کرنے سے باقی تمام شہر کے لوگوں کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہو جاتا لیکن اگر کسی شہر میں کوئی شخص بھی نماز جنازہ نہ پڑھے تو تمام شہر کے مسل گنہگار ہوں گے۔ اس کے برعکس پنجگانہ نماز کی ادائگی اور رمضان کے روز ہر ہر مسلمان بالغ مرد اور عورت کے ادا کرنے سے ادا ہوں گے۔

فرض روزے

رمضان شریف کے روزے فرض ہیں ان کی فرضیت قرآن کریم، حدیث، اجماع اور عقل سب سے ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

۱۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

۲۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

حدیث سے رمضان کے روزوں کی فرضیت کے ثبوت میں آنحضور صلی اللہ

کے مبارک خطبے کے وہ اجزا پیش کرنا چاہئیں جو حضور نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمائے :۔

أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَ	اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو اور
صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ	پانچ وقت کی نماز پڑھو اور رمضان کے
وَحُجُّوا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَأَدُّوا زَكٰوةَ	روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اور اپنے
أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ	اموال کی زکوٰۃ بطیب نفس ادا کرو۔ تم اپنے
تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ	رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اجماعِ امت سے بھی روزوں کی فرضیت طے شدہ ہے۔ اجماعِ امت سے مراد یہ ہے کہ تمام علمائے اُمت کے متفقہ فیصلے کے مطابق رمضان کے روزے فرض ہیں اور جو ان کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے۔

قضا روزے بھی فرض ہیں

رمضان المبارک کے جو روزے کسی شرعی عذر کی وجہ سے حائضہ، حاملہ، مرضعہ (دودھ پلانے والی) بیمار، مسافر وغیرہ وغیرہ۔ مرد اور عورتیں، نہ رکھ سکیں تو عذر گزر جانے پر رمضان کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کا قضا کرنا بھی فرض ہے اور یہ روزے بھی فرض کی فہرست میں شامل ہیں۔

کفارے کے فرض روزے

کفارہ کے معنی کسی کوتاہی کو پورا کرنے اور کسی گناہ کی پاداش اور خطا کی مکافات کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث میں بعض خصوصی کوتاہیوں اور گناہوں کی مکافات میں کچھ روزے رکھوائے گئے ہیں جن سے ان غلطیوں

کی مکافات ہو جاتی ہے۔ ایسے روزے کفارے کے روزے کہلاتے ہیں۔ یہ روزے بھی فرض ہی ہیں کہ قرآن کریم سے ثابت ہیں لیکن ان پر ہی فرض ہوتے ہیں جن سے وہ قصور سرزد ہوتے ہیں جن پر روزوں کا کفارہ قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً قسم کھانے اور اس کو توڑ دینے کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

کفارۂ قسم میں روزے

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ
فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَا
خِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ
عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ
مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ
اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ
كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ
وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝

(پارہ ۷ سورہ مائدہ رکوع ۱۲)

اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری لغو (بیہودہ) قسموں پر نہیں پکڑتا ولیکن تم سے مواخذہ کرتا ہے ان قسموں پر جو تم نے مضبوط باندھیں سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا دینا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا دس محتاجوں کو کپڑا پہنانا یا ایک گردن (یعنی غلام) کو آزاد کرنا۔ لیکن اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنے ہیں۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جو تم قسم کھا بیٹھو۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

واضح رہے کہ قسم کی دو قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ ایک تو یمین لغو ہے یہ ایسی قسم ہے جو محض عادت اور عرف کے موافق

بے ساختہ اور بغیر ارادہ نکل جائے اور دل میں قسم کا ارادہ نہ ہو۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا قسم تکیہ کلام ہی بن جاتی ہے۔ تو ایسی قسم کو لغو، بیہودہ قسم کہا جاتا ہے اس پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ ہے۔

(۲) یمین منعقدہ :۔ دوسری قسم یمین منعقدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان قصداً قسم کے الفاظ بخدا، یا واللہ باللہ، خدا کی قسم وغیرہ کہتا ہے اور اس سے تاکید مقصود ہو چاہے قسم کا ارادہ بھی نہ ہو تو اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ یعنی جو شخص جان بوجھ کر قسم کھائے اور دل بھی زبان کی موافقت کرے۔ ایسی قسم کو یمین منعقدہ (مضبوط قسم) کہتے ہیں اور اس کے توڑنے کی سزا یہ ہے کہ :۔

۱۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ یا غلّہ دے دینا یا اس کی قیمت دے دینا۔ کھانا اوسط درجے کا جو گھر میں عموماً کھایا جاتا ہے۔

۲۔ یا دس محتاجوں کو کپڑا پہنانا۔ جس میں بدن کا اکثر حصّہ چھپ جائے۔ مثلاً کرتا پاجامہ یا چادر اور تہبند۔

۳۔ یا غلام آزاد کرنا۔ خواہ مسلمان غلام ہو یا کافر کیونکہ قرآن کریم میں اس کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

۴۔ لیکن اگر ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہ ہو تو پھر آخری کفارہ یہ ہے کہ تین دن کے روزے رکھے۔

قتل مسلم میں روزوں کا کفارہ

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی اور بھول چوک سے

قتل کر دے مثلاً یہ سمجھا کہ یہ شیر ہے اور شیر سمجھ کر شکار کیا اور اتفاق سے وہ مسلمان نکلا یا کوئی مسلمان کفار میں رہتا ہو اور مجاہدین اسے کافر سمجھ کر غلطی سے قتل کر ڈالیں تو ایسے قتل کو قتل خطا کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں ایسے قتل خطا کے احکام یہ ہیں :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا
اِلَّا خَطَاً ج وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ
وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ
اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ط فَاِنْ كَانَ
مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ط وَاِنْ
كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى
اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ط
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَ
مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا

اور مسلمان کا یہ کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے تو ایک غلام کو آزاد کرنا اور مقتول کے ورثہ کو خون بہا دینا مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر مقتول ایسی قوم میں سے تھا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور وہ مقتول مسلمان تھا تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اور اگر مقتول ایسی قوم میں سے تھا کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو مقتول کے ورثہ کو خون بہا ادا کرے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے لیکن اگر کسی کو میسر نہ ہو تو دو مہینے کے متواتر (بلا ناغہ) روزے رکھے اللہ سے توبہ کے لئے اور اللہ علیم و حکیم ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کو

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ
اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝
(پارہ ۵ النساء رکوع ۱۳)

جان کر قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے اسی میں
پڑا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کی
لعنت اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے

اس آیت میں غلطی سے قتل کرنے کے دو حکم بتائے گئے ہیں۔

۱۔ ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو مسلسل اور لگاتار بلا ناغہ دو مہینے کے روزے رکھنا۔ یہ کفارے کے طور پر ہے۔

۲۔ دوسرے اس مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا۔ یہ وارثوں کا حق ہے۔ اور اگر وہ معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ لیکن کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ یہ تعزیر ہے جو خدائی آرڈیننس ہے اس کے متعلق تین صورتیں ہیں:۔

۱۔ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا ہے اس کے وارث یا مسلمان ہوں گے یا کافر۔ اگر کافر ہیں تو ان سے مسلمانوں کی مصالحت ہے یا دشمنی۔ پہلی دو صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔ تیسری صورت میں جبکہ دشمنی ہو تو خون بہا لازم نہ ہوگا اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا پڑے گا کہ یہ خدائی سزا ہے۔

خون بہے کی رقم

واضح رہے کہ خون بہے کی رقم حنفیوں کے نزدیک تقریباً دو ہزار سات سو چالیس روپیہ ہوتی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قصداً بلا شرعی حکم کے قتل کرے تو وہ جہنمی ہے اللہ کا اس پر غضب اور لعنت ہے۔ اور اس کا معاملہ

اللہ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے اس کے ساتھ کافر کا سا معاملہ کرے اور چاہے کبھی چھوڑ دے لیکن قتل عمد کفر کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

ہمارا مقصد تو مذکورہ بالا آیات میں صرف روزوں سے ہے۔ یعنی اگر کوئی مسلمان قاتل کسی مسلمان مقتول کے کفارے میں یہ طاقت نہ رکھتا ہو کہ وہ غلام کو آزاد کر سکے تو پھر دو مہینے مسلسل کفارے میں گناہ بخشوانے کے لئے روزے رکھنے پڑیں گے۔

حالت احرام میں بصورت زخم سر یا درد سر، سر منڈوانے کا کفارہ تین روزے

کفارے میں تین روزے رکھنے کی ایک اور صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے حج یا عمرہ شروع کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اس کا پورا کرنا لازم ہو گیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ درمیان میں احرام کھول ڈالے اور حج و عمرہ چھوڑ بیٹھے۔ یا احرام کی حالت میں جن امور کی اجازت نہیں مثلاً بال منڈوانے یا کتروانے وغیرہ کا ارتکاب کرنا۔ لیکن اگر کوئی شخص احرام باندھے ہوئے ہے اور اس کے سر میں زخم ہے یا ایسا درد ہے کہ سر منڈوانے کے بغیر چارہ نہیں تو ایسی صورت میں بحالت احرام اس کو حجامت کرانے کی اجازت ہے مگر اس کا کفارہ دینا پڑے گا جو تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے یا ایک دنبہ یا بکری کی قربانی کرنا یہ دم جنایت ہے کہ بحالت احرام بضرورت لاچار ہو کر ایسا کام کرنا پڑا جو احرام کے مخالف ہے۔ قرآن کریم میں حج و عمرے کے احرام باندھنے کے بعد کسی وجہ سے

حرم میں پہنچنے سے پہلے عازم حج کو روک دیا گیا اور وہاں نہ پہنچ سکا تو اس کے احکام بیان کرنے کے بعد حالت احرام میں زخم یا کسی اور تکلیف سے حجامت کرا لینے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ	جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس
اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ	کے سر میں تکلیف ہو تو تین دن
صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج	کے روزے رکھنا ہیں یا صدقہ دینا
(پارہ ۲ البقرہ رکوع ۲۴)	یا قربانی کرنا۔

حج کی قربانی میسر نہ آنے کی صورت میں دس دن کے روزوں کا کفارہ

اگر کسی شخص نے حج کی نیت سے احرام باندھا تو ظاہر ہے کہ اس کو قربانی بھی دینی پڑتی ہے لیکن اگر کسی وجہ سے اسے قربانی میسر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ حج کے ایام میں تین روزے رکھے جو ۹ ذی الحجہ کو عرفات کے دن ختم ہوتے ہیں یعنی ۷ - ۸ - ۹ ذی الحجہ کو رکھ لے اور جب حج ختم ہو جائے تو حج سے فراغت کے بعد سات روزے رکھے۔

قرآن کریم میں اس حکم کو ان الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے:۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ	جو شخص حج کے ساتھ عمرہ ملا کر فائدہ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ	اٹھائے تو اس پر قربانی ہے جو میسر
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ	آئے پس اگر قربانی نہ ملی تو تین دن
اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ	کے روزے ایام حج میں رکھنا ہیں

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ	اور سات حج سے واپسی پر۔ یہ پورے
لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی	دس روزے ہوئے۔ یہ حکم اس کے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	لئے ہے جس کے گھر والے حرم کعبہ
(سیقول۔ بقرہ رکوع ۲۴)	(میقات احرام) سے باہر رہتے ہوں۔

لیکن اگر حاجی حرم کعبہ اور میقات کے اندر رہنے والا ہو تو اس پر صرف حج کا احرام باندھا ہوتا ہے عمرہ نہیں ہوتا۔ جس کو افراد کہتے ہیں بہر حال مذکورہ بالا صورت میں قربانی میسر نہ ہونے کی صورت میں دس دن کے روزوں کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

کفارۂ ظہار کے روزے

حنفیہ کے نزدیک ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف اس کو دیکھنا منع ہو مثلاً یوں کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ اور اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اپنے آپ پر اپنی بیوی سے صحبت کرنے کو حرام قرار دے رہا ہے تو یہ ظہار کہلاتا ہے۔ لیکن ایسا کہنے سے بیوی واقعی ماں یا بہن کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہو جاتی جیسا کہ ایام جاہلیت میں کفار کا عقیدہ تھا۔ البتہ چونکہ اس نے ایک سخت بات کہی ہے اس لئے بیوی کے پاس جانے سے پہلے اس کو کفارہ دینا ہوگا۔

قرآن کریم میں حسب ذیل آیات پر غور کیجئے:۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ
هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّتَمَآسَّا ط ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ
بِهٖ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ط
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ
سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ط

اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کر بیٹھیں
پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کو کہا ہے
تو آزاد کرنا ہے ایک غلام کا ایک دوسرے
کو چھونے سے پہلے۔ اس سے تم کو
نصیحت ہوگی اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو
خبردار ہے۔ پس اگر نہ میسر ہو تو لگاتار
دو ماہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ
آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی طاقت نہ
رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

مذکورہ آیت میں ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ ہمارا مقصد صرف روزوں سے ہے جو دو ماہ کے کفارے کے طور پر اس صورت میں رکھنے پڑتے ہیں جبکہ غلام آزاد کرانے کی طاقت نہ ہو۔

روزۂ رمضان بغیر عذر توڑنے کا کفارہ

قرآن کریم میں جہاں تک کفارے کے روزوں کا ذکر ہے وہ یہی چند مقامات ہیں جن میں روزے کفارے کے طور پر فرض ہیں۔ لیکن حدیث میں جس کفارے کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر کسی عذر شرعی کے روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس کے کفارے میں دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی بھی ایک صورت ہے حسب ذیل حدیث مسلم نے روایت کی ہے:۔

عن حمید بن عبد الرحمٰن ان اباھریرۃ حدثه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم امر رجلا افطر فی رمضان ان یعتق رقبة او یصوم شھرین او یطعم ستین مسکینا۔
(مسلم کتاب الصوم)

حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ابوہریرہؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے رمضان میں روزہ توڑ دیا تھا حکم دیا کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینے کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ان صحابی کا نام جنہوں نے قصداً روزہ توڑ دیا تھا مشکوٰۃ کے شارح صاحب مظاہر حق نے سلمہ بن صخر انصاری بیاضی تحریر کیا ہے۔ بہر حال معلوم ہوا کہ ایسے شخص کی سزا غلام آزاد کرنا ہے تاکہ جہنم سے اس کو آزادی مل سکے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پھر دو ماہ کے روزے کو توڑ دینے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس نے ایک روزہ توڑ کر پورا مہینہ تباہ کر دیا لہٰذا ایک ماہ کے مقابلہ میں دو ماہ کے روزے کفارے میں تجویز کئے گئے اور اگر دو ماہ روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ دو مہینے میں ہر ایک روزے کے کفارے میں ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے حساب سے ساٹھ مساکین کا حساب بنتا ہے۔

٢۔ منت کے واجب روزے

مذکورہ بالا صفحات میں فرض روزوں کا ذکر تھا۔ فرض کے علاوہ روزے کی دوسری قسم واجب روزہ ہے۔ یہ منت کا روزہ ہے۔ مثلاً کسی شخص نے

منت مانی کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے تو میں دو دن کے روزے رکھوں گا۔ لہٰذا کام ہو جانے پر دو دن کے روزے رکھنے واجب ہیں۔ پھر منت کے روزوں کی دو شکلیں ہیں:-

۱۔ ایک تو نذر مطلق کہ اس میں روزوں کی تاریخ اور دن کا تعین نہ ہو اور ۲۔ دوسرے نذر معین جس میں نذر ماننے والا تاریخیں اور دن مقرر کر دے کہ فلاں فلاں تاریخوں اور دنوں کا روزہ رکھوں گا۔ لہٰذا ان مقررہ دنوں میں ہی روزہ رکھنا پڑے گا۔ واجب روزے کا منکر کافر تو نہیں ہوتا لیکن فاسق اور گنہگار رہتا ہے۔ جب تک وہ روزہ نہ رکھے گا اس سے گناہ دور نہ ہو گا۔

نذر کے روزوں کے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

ولو قال لِلّٰهِ عَلَيَّ ان اصوم يومين او ثلثة او عشرة لزمه ذالك و يعين وقتا يؤدي فيه فان شاء فرق وان شاء تابع الا ان ينوي التتابع عند النذر فحينئذ يلزمه متتابعا فان نوى فيه التتابع وافطر يوما فيه او حاضت المرأة في مدة الصوم استانف واستانفت (عالمگیری ص ۱۲۲ ج ۱)

اگر کسی نے کہا کہ اللہ کے لئے میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ میں دو دن یا تین یا دس دن کے روزے رکھوں گا تو اس پر لازم ہو جائیں گے اور جو وقت چاہے مقرر کرے کہ اس میں منت ادا کرے۔ چاہے متفرق روزے ناغہ کر کے رکھ لے اور چاہے لگاتار مگر یہ کہ منت کے وقت مسلسل روزے رکھنے کی نیت کرے تو اس وقت اس کو مسلسل بلا ناغہ رکھنے ضروری ہیں۔ پس اگر اس منت میں مسلسل رکھنے کی نیت کی تھی اور ایک دن ناغہ کر دیا یا عورت کو روزے کے دنوں میں حیض آنے لگا تو مرد اور عورت از سر نو روزے رکھیں۔

واضح رہے کہ منت ماننے والا جس طرح کی نیت کرے گا اسی طور اور طرز پر منت ادا کرنا لازم ہے۔ البتہ ناجائز بات کی منت کرنا جائز نہیں۔ مثلاً اگر یہ منت مانی کہ اگر میں امتحان میں پاس ہو جاؤں تو اللہ کے لئے ناچ کراؤں گا۔ اس قسم کی منت ماننے سے لازم نہیں ہوتی بلکہ اس پر عمل کرنے سے گناہگار ہوگا۔ کیونکہ نذر ایک قسم کی قسم ہوتی ہے اس لئے کفارہ لازم آئے گا۔ بلکہ ایسی نذر میں کفر کا ارتکاب ہوگا کہ اس نے رب العزت کی توہین کر دی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

وان نذر بما هو معصية لا يصح فان فعله يلزمه الكفارة ۔	اگر کسی شخص نے ایسی بات کی نذر کی کہ اس میں گناہ ہے تو صحیح نہیں۔ اگر ایسی منت ملنے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔
(فتاویٰ عالمگیری ص۴۲ جلد۳)	(یعنی قسم توڑنے کا جو پہلے گزرا)

واضح رہے کہ منت کے مسائل تفصیل سے فقہ کی کتابوں میں درج ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

نفل روزہ توڑنے سے واجب ہو جاتا ہے

واجب روزے کی دوسری صورت منت کے روزوں کے علاوہ یہ ہے کہ کسی شخص نے نفل روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اب یہ نفل روزہ واجب بن گیا۔ اور اس کی قضا واجب ہے۔ ورنہ گناہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے :-

عن الزهري عن عروة عن	زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور

عائشه قالت كنت انا وحفصة صائمتين نعرض لنا طعام اشتهيناه فاكلنا منه فقالت حفصة يا رسول الله انا كنا صائمتين نعرض لنا طعام اشتهيناه فاكلنا منه قال اقضيا يوما آخر مكانه

(مشکوٰۃ کتاب الصوم)

عروہ نے عائشہؓ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں اور حفصہ دونوں روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا کہ ہمیں اس کی خواہش پیدا ہوئی ہم نے اس میں سے کھا لیا۔ حفصہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ اور ہم دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا کہ ہم نے اس کی خواہش کی ہم نے اس میں سے کھا لیا۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اس روزے کی جگہ کسی اور دن کی قضا کرو۔

٣۔ نفل روزے اور ان کے فضائل

رمضان، کفارے اور واجب روزوں کے علاوہ نفل روزے کا مفہوم باقی تمام روزوں کو شامل ہے۔ مسنون، مندوب اور صیام نوافل سب کو ہی صیام تطوع (نفلی روزے) کہا جاتا ہے۔ نفل روزے مسلمان کی مزید قوت ایمانی کے نتیجے کے سبب وجود میں آتے ہیں۔ خدائے کریم کی طرف سے بندوں پر فرض نہیں ہوتے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ مومن کی آزمائش اگرچہ فرائض کی ادائگی میں بھی ہوتی ہے لیکن صحیح معنی میں فرائض سے گذر کر جب رضائے ربی کے لئے رضاکارانہ روزے رکھتا ہے تو یہ رب کریم کی خوشنودی کا مزید باعث ہوتے ہیں۔

فرائض اور نوافل میں نہایت ہی حسین اور خوبصورت فرق یہی ہے

کہ فرائض بارگاہ رب العزت کی طرف سے بندے پر عائد کئے جاتے ہیں اور نوافل بندوں کی اپنی محبت کے تقاضوں کا ثمرہ ہوتا ہے۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں رمضان اور اس کے فرض روزوں کے فضائل تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں کچھ اور نفل روزوں کی فضیلتوں کا ذکر نفل روزے رکھنے والے اور خالق اکبر کے لئے اپنی خواہشات نفس کو کچل دینے والوں کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے:۔

عن ابی امامۃ قال قال	ابوامامہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
من صام یومًا فی سبیل اللہ	جس شخص نے اللہ کی راہ میں روزہ رکھا
جعل اللہ بینہ وبین النار	تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان
خندقًا کما بین السمآء الارض	ایک اتنی بڑی خندق حائل کر دے گا جتنا کہ
(رواہ الترمذی)	آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

علمائے محدثین نے فی سبیل اللہ سے جہاد، حج یا جو بھی اللہ کی رضامندی کی راہ ہو مراد لی ہے اور ایسی صورت میں بندۂ مومن جب روزے سے ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے نفل روزہ دار اور جہنم کے درمیان بے حد طویل فاصلہ قائم کر دے گا یعنی ایسا روزہ دار جہنم سے بہت دور رہے گا اور وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ ہاں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی شرط خود بخود قائم ہے یعنی فرائض و حقوق سے عہدہ برا ہونے کے بعد یہ مقام روزہ دار کو حاصل ہونا ذہنوں میں متعین اور معلوم (Understood) ہے۔

ایک اور حدیث میں جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں درج کیا ہے یہ ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول	ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس
صام یوماً ابتغاء وجہ اللہ	شخص نے اللہ کی رضامندی چاہنے کے لئے
لجَّدہ اللّٰہ من جھنم کبعد	کسی دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے
غراب طائر وھو فرخ حتی	اتنی دور رکھے گا جتنا کہ کوے کی اڑان کا فاصلہ
مات ھرماً (مشکوٰۃ)	جب وہ بچہ ہو یہاں تک بوڑھا ہو کر مرے،

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ "کہا گیا ہے کہ کوے کی عمر ہزار برس کی ہوتی ہے" لہذا اگر کوّا ایک ہزار برس تک اڑتا رہے تو بے حد فاصلہ کر چکے گا۔ اس حدیث کا بھی مقصد وہی ہے کہ ایسا شخص جہنّم سے بے حد دُور رہے گا۔ البتہ جس انداز بیان سے فاصلے کی دوری کا اندازہ پیش کیا گیا ہے وہ قابل داد ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے :-

عن ام عمارۃ بنت کعب ان	ام عمارہ بنت کعب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ
النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے انہوں نے
دخل علیھا فدعت لہ بطعام	حضرتؐ کے لئے کھانا منگوایا حضورؐ نے ان سے
فقال لھا کل فقالت انی صائمۃ	فرمایا تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میں روزے سے
فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار
ان الصائم اذا اُکل عندہ صلت	جس وقت اس کے پاس کچھ کھایا جاتا ہے تو

عليه الملائكة حتى يفرغوا (رواه احمد والترمذی و ابن ماجه والدارمی)

فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں یہاں تک کہ کھانے والے فارغ ہوجائیں۔ (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے)

حدیث سے صاف واضح ہے کہ ام عمارہ کا روزہ نفلی تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ ہے کہ اگر روزہ دار کسی غیر روزہ دار کی کھانے سے تواضع کرے اور خود کھانے کی طرف رغبت کے باوجود صبر سے کام لے تو اس پر اس صبر کی وجہ سے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں۔

اسی قسم کی پیاری حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے۔

عن بريدة قال دخل بلال على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يتغدى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغداء يا بلال قال انی صائم يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نأكل رزقنا وفضل رزق بلال فی الجنة أشعرت يا بلال ان الصائم تسبح عظامه و تستغفر له الملائكة ما اكل عنده (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

بریدہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہ حضورؐ ناشتہ فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال ناشتہ کرلو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں روزے سے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنا رزق کھاتے ہیں اور بلال کا بہتر رزق جنت میں ہے، اے بلال کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزہ دار اس کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں اور فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں جب تک کہ اس کے پاس کھایا جائے۔ (یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے)

حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت بلال کا نفلی روزہ تھا اور اسی موقع پر حضور نے یہ بیان فرمایا۔ اس حدیث میں جو معرفت و عشق کی جھلک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کے پاس بیٹھ کر جو بے روزہ شخص کھانا کھاتا ہے اور اس پر روزہ دار صبر و سکون اور ضبط نفس کے ساتھ کھانے پر رغبت کے باوجود تحمل سے کام لیتا ہے اس پر روزہ دار کی ہڈیاں ذکر اللہ میں مصروف ہو جاتی ہیں اور فرشتے اس کے اس ضبط نفس پر اس کے گناہوں کے لئے کھانے کے ختم ہونے تک استغفار کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث روزوں کی فضیلت میں امام بیہقی سے منقول ہے کہ:۔

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور اس کا خاموش رہنا تسبیح ہے اور اس کا عمل مضاعف (دوگنا) ہے اور اس کی دعا مقبول اور اس کا گناہ بخشا گیا ہے۔" (مظاہر حق کتاب الصوم)

اور خطیب نے روایت کی ہے کہ:۔

> "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص نفل روزہ رکھے کہ اس کا کسی کو بھی علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے ثواب کے سوا راضی نہیں ہوتا۔ (یعنی جنت میں داخل کرتا ہے) (مظاہر حق)

اور طبرانی نے حسب ذیل حدیث روایت کی ہے کہ:۔

> "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک

دسترخوان ہے کہ اس پر ایسی چیزیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سُنی ہیں اور نہ کسی کے دل میں ان کا خطرہ تک آیا ہے۔ اس دسترخوان پر صرف روزہ دار بیٹھیں گے۔ (مظاہر حق کتاب الصیام)

ہم نے اب تک رمضان کے فرض اور رمضان کے علاوہ نفل روزوں کے جو فضائل بیان کئے ہیں وہ ایسے ہیں جو عقل انسانی کو اپیل کرتے ہیں اور فطرت انسانی ان کے اجر و ثواب کا تقاضا کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح دنیا کی زندگی میں دنیاوی امور انجام دینے والے انسان اپنی خدمات کا صلہ چاہتے ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں تو یہ بھی عقل کے خلاف نہیں۔ خود خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ — کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد نہ
وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ ○ — کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

روزوں کے مذکورہ فضائل و برکات کے بعد کون مسلمان ہو سکتا ہے کہ روزہ رکھنے سے غفلت اختیار کرے اور اتنی بلند و بالا عبادت سے محروم رہے۔

سنت و نفل روزوں کی تفصیل

ہمارے مضمون کی ترتیب یہ تھی کہ روزے کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں فرض[1] اور واجب[2] کے علاوہ نفلی[3] روزے بھی ہیں جن کا مفہوم مسنون، مستحب روزوں پر بھی حاوی اور شامل ہے اور جن کی تفصیل

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مبارک زندگی میں حسب ذیل ہے :-

روزۂ عاشوراء ۱۰ محرم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت سے پہلے محرم کی دس تاریخ کا روزہ رکھا ہے۔ شیخ بدرالدین عینی نے کہا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے کونسا روزہ واجب ہوا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ عاشورا یعنی ۱۰ محرم کا روزہ واجب ہوا اور بعض محدثین نے کہا ہے کہ ہر مہینے کے تین روزے واجب تھے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر مہینے کے تین روزے رکھا کرتے تھے جیسا کہ بیہقی نے روایت کیا ہے۔ بہرحال عاشورے کا روزہ اور ہر ماہ میں تین دن کے روزے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ثابت ہیں لیکن رمضان کے روزوں کے بعد عاشورہ اور ہر ماہ کے تین دن کے روزوں کا واجب ہونا تو ختم ہو گیا تاہم نفلی طور پر آنحضور کبھی کبھی یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ عاشورہ کے روزے کا ماخذ اور سرچشمہ حسب ذیل حدیث ہے جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحت میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے :-

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیہود صیاماً یوم عاشوراء فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ہذا الیوم الذی تصومونہ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورا کا روزہ رکھتے پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو

فقالوا هذا يوم عظيم انجى الله فيه
موسى وقومه وغرق فرعون وقومه
فصامه موسى شكرا فنحن نصومه فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
فنحن احق واولى بموسى منكم
فصامه رسول الله صلى الله
عليه وسلم وامر بصيامه

(بخاری و مسلم)

انہوں نے کہا کہ یہ بڑا عظمت والا دن ہے
کہ اللہ نے اس میں موسیٰؑ اور ان کی قوم کو نجات
دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا اس لئے
موسیٰؑ نے شکرانے میں اس دن کا روزہ رکھا تو
ہم بھی رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ ہم تمہاری بہ نسبت موسیٰؑ کا ساتھ
دینے کے لئے زیادہ حقدار اور زیادہ مقدم ہیں
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن
کا روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم کر دیا

انبیا علیہم السلام کا ایک مشن ہے جس میں وہ سب متحد ہیں اور وہ ہے خدا کے دین کی تبلیغ اور اس کو کامیاب بنانا لیکن جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ خدا اور تمام انبیا کا دشمن ہے۔ لہذا اس سلسلے میں کسی نبی کا کسی دشمن خدا و دین کے مقابلے میں کامیاب ہونا تمام انبیا کا کامیاب ہونا ہے۔ اسی لئے حضورؐ کو جب یوم عاشوراء کی حقیقت معلوم ہوئی تو آپ نے بھی خوشی کا مظاہرہ فرمایا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا یہودیوں کی بہ نسبت کہ انہوں نے دین موسیٰؑ کو صحیح معنی میں چھوڑ دیا۔ اپنے آپ کو زیادہ حقدار تصور کیا اور خود صحابہ کو روزے کا حکم دیا۔ مگر ظاہر ہے کہ اگرچہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی تائید تو تھی تاہم مسلمانوں کی انفرادیت اور شان امتیازی کے پیش نظر یہودیوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت پائی جاتی تھی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تعظیم یہود و نصاریٰ

کرتے ہیں اور ہم ان کے شعائر کے ساتھ اشتراک مناسب نہیں سمجھتے۔ اس پر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ تاکہ ایک گونہ امتیاز ہو جائے۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال محرم سے پہلے ہی وصال فرما گئے اور روزہ نہ رکھ سکے۔ اس لئے علماء نے کہا ہے کہ اگرچہ حضور روزہ نہ رکھ سکے لیکن آپ کا ارادہ ہو چکا تھا لہٰذا محض ارادے سے ہی سنت کا ثبوت مل گیا۔ حدیث میں ہے:

عن ابن عباس قال حین صام	ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
یوم عاشوراء وامر بصیامہ قالوا	عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم
یارسول اللہ انہ یوم الیہود و	دیا تو صحابہ نے کہا یارسول اللہ یہ تو ایسا دن
النصاری فقال رسول اللہ صلی	ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو
اللہ علیہ وسلم لئن بقیت الی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں
قابل لاصومن التاسع	سال آئندہ تک زندہ رہا تو البتہ نویں محرم کا
(رواہ مسلم)	بھی روزہ رکھوں گا۔

اس لئے عاشوراء کا تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے اس کے ساتھ ایک دن اور لینا چاہئے۔ بہرحال عاشوراء کا روزہ اپنی جگہ پر سنت ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب مراقی الفلاح میں ہے:

واما المسنون فہو صوم عاشوراء	سنت روزہ محرم کی دس تاریخ کا ہے کیونکہ
فانہ یکفر سنۃ ماضیۃ مع	وہ گزشتہ ایک سال کے (صغیرہ) گناہوں کا

صوم التاسع (مراقی الفلاح صہ ۳۵)	کفارہ کر دیتا ہے۔ ساتھ میں نویں محرم کا روزہ بھی سنت ہے۔ (مراقی)

ایام بیض کے روزے

ایام بیض کے روزے ہر چاند کے ماہ کی تیرہ۔ چودہ۔ پندرہ تاریخوں کے روزے ہوتے ہیں۔ یہ روزے سنت ہیں کیونکہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے

وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباذر اذا صمت من الشہر ثلاثۃ ایام فصم ثلاث عشرۃ واربع عشرۃ وخمس عشرۃ ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)	ابوذرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر اگر تو مہینے کے تین روزے رکھے تو تیرہ۔ چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھا کر (ترمذی۔ نسائی)

ایک اور حدیث میں ہے جس کو عبداللہ بن مسعود نے روایت کیا ہے:۔

وعن عبد اللہ بن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم من غرۃ کل شہر ثلاثۃ ایام وقلما کان یفطر یوم الجمعۃ (رواہ الترمذی والنسائی)	اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن کا روزہ شاذ ہی کبھی چھوڑتے تھے۔ (ترمذی، نسائی)

یہی وہ تین دن کے روزے ہیں جو ابتدا میں بعض علماء کے قول کے مطابق واجب تھے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ ایام بیض اور تین دن ہر ماہ کے روزے ایک ہی چیز ہیں۔ ایام بیض کو ایام بیض کہنے کی وجہ کے متعلق صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:۔

سمیت بذالک لتکامل البیض وشدۃ البیاض (مرقاۃ)	ایام بیض نام رکھنے کی وجہ چاند کی روشنی کے مکمل اور شدید ہونے کی وجہ سے ہے۔

یوم عرفہ کا روزہ

یوم عرفہ سے ۹؍ ذوالحجہ کا دن مراد ہوتا ہے جو حج کا دن ہے عرفہ کے معنی معرفت اور پہچان کے ہیں تین روز تک مسلسل خوابوں کے بعد اس روز کے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی پوری معرفت حاصل ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں اور یہ کہ خواب کی حقیقت میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہا تھا اس لئے اس دن کو عرفہ کا دن کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس دن کے علاوہ اور کوئی عرفے کا دن نہیں ہے۔ عرفے کے دن کا روزہ رکھنا اس شخص کو جو حاجی نہ ہو سنت ہے۔ حاجی کے لئے سنت نہیں۔ اور اگر یکم ذی الحجہ سے ۹؍ ذی الحجہ تک روزے رکھے یعنی بقرعید سے پہلے نو دنوں کے تو اور بھی بہتر ہے۔ حدیث میں ہے:۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن صوم یوم عرفۃ بعرفہ (رواہ ابو داؤد)	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں عرفے کے دن کے روزے سے منع فرمایا۔

فقہا نے لکھا ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں یعنی اس دن حاجی کو روزہ رکھنا حرام نہیں البتہ آپ نے اس لئے منع فرمایا کہ وہ حج کا دن ہے ایسا نہ ہو کہ روزے کے باعث کمزوری کی وجہ سے افعال حج میں کوتاہی ہو جائے۔ پورے نو دن کے ابتدائی ذی الحجہ کے روزوں کے متعلق عالمگیری میں ہے:۔

ويستحب صوم تسعة ايام من اول ذي الحجة (عالمگیری صفحہ ۲۰۱ ج ۱)

اور ذوالحجہ کے پہلے نو دن کے روزے رکھنا مستحب ہیں۔

حضرت ابوقتادہ کی ایک لمبی حدیث کا حسب ذیل حصہ ملاحظہ فرمائیے:۔

صیام یوم عرفة احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التی قبلہ والسنة التی بعدہ (رواہ مسلم)

یوم عرفہ کے روزے اللہ کے لئے ایک سال پہلے اور ایک سال اس کے بعد کے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

شوال کے چھ روزے

رمضان المبارک کے فرض روزوں کے بعد آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ماہ شوال کے آغاز میں چھ روزے رکھا کرتے تھے۔ یہ روزے سنت ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

عن ابی ایوب الانصاری انہ حدثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صام رمضان ثم اتبعہ ستا من شوال کان کصیام الدھر (رواہ مسلم)

ابوایوب انصاری سے روایت ہے انہوں نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کے رکھے اور اس کے ساتھ شوال کے (عید کو چھوڑ کر) چھ روزے رکھے تو گویا اس نے ہمیشہ کے روزے رکھے۔

رمضان اور شوال کے چھ روزے سال کی برابر کس طرح

ہمیشہ روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس نے سال بھر کے روزے ادا کئے۔ اور ہر سال جب یہ عمل جاری رہے گا تو گویا وہ رمضان اور شوال کے چھ روزے رکھ کر سال بھر کے

روزوں کی ادائگی کا حساب عقلی طور پر صاف سمجھ میں آتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اگر چاند کا مہینہ تیس دن کا لگایا جائے تو قمری سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا اور اس نظریئے کے ماتحت کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے رمضان کے تیس دن کے روزوں کا ثواب گویا تین سو دن کا ہوتا ہے کیونکہ تیس کو دس سے ضرب دینے میں حاصل ضرب تین سو (۳۰۰) ہوتا ہے۔ اور شوال کے چھ روزوں کو دس نیکیوں سے ضرب دینے میں حاصل ضرب ساٹھ (۶۰) ہوتا ہے اس لئے رمضان کے تیس اور شوال کے چھ روزوں کے ثواب کا مجموعہ ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور یہی قمری سال کے پورے دن ہوتے ہیں۔

شعبان کے روزے

شعبان کے بعد چونکہ رمضان کا مہینہ آتا ہے۔ اس لئے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم شعبان کے مہینے میں اکثر ایام کے روزے رکھا کرتے تھے تاکہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے ہی عادت کو قائم کیا جائے۔ علاوہ ازیں شعبان میں روزے رکھ کر روزہ دار اپنے آپ کو روحانی طور پر پاک و صاف کر کے رمضان کے روزوں کو زیادہ خوبصورتی، طہارت اور پاکیزگی سے ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ	عائشہ رضی سے روایت ہے انہوں نے کہا
صلی اللہ علیہ وسلم یصوم	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ
حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی	رکھا کرتے یہاں تک کہ ہم کہتے تھے افطار
نقول لا یصوم وما رأیت	ہی نہ کریں گے اور افطار کرتے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استکمل صیام شہر قط الا رمضان وما رأیتہ فی شہر اکثر منہ صیاما فی شعبان وفی روایۃ قالت کان یصوم شعبان کلہ کان یصوم شعبان الا قلیلا (بخاری ومسلم)

افطار فرماتے حتی کہ ہم کہتے کہ روزہ رکھیں گے ہی نہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے رمضان کے سوا کسی مہینے کے روزے پورے کیئے ہوں اور شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ عائشہؓ نے کہا کہ تمام شعبان کے روزے رکھتے تھے قلیل کے سوا تمام شعبان کے روزے رکھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم شعبان کے ماہ میں اکثر ایام کے روزے رکھا کرتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شعبان کے ایام کے روزے رکھنا سنت ہیں۔

روزۂ نصف شعبان یعنی ۱۵ شعبان

یوں تو شعبان کے ماہ میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اکثر روزے رکھتے تھے لیکن شعبان کی پندرھویں تاریخ کے لئے خصوصیت سے آپ نے روزہ رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اس لئے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا بھی سنت قرار پایا۔ حدیث میں ہے:-

عن علیؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان لیلۃ النصف

حضرت علیؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب نصف

من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان الله ينزل فيها لغروب الشمس الى السماء الدنيا فيقول الا من مستغفر فاغفر له الا من مسترزق فارزقه الا من مبتلى فاعافيه الا كذا الا كذا حتى يطلع الفجر

(رواه ابن ماجه والبيهقي)

شعبان (پندرھویں) کی رات ہو تو اس میں عبادت کرو اور اس دن کا روزہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات بعد غروب شمس کے نزدیک آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور فرماتے ہیں ہاں کوئی بخشش چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں، کوئی رزق کا طالب ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اس کو عافیت دوں، ہاں کوئی ایسا اور ایسا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے (ابن ماجہ اور بیہقی)

ظاہر ہے کہ جس رات میں باری تعالیٰ آسمان اوّل پر نزول فرمائیں اور گناہگاروں، رزق کے طلبگاروں اور مصیبت کے ماروں کو کامیابی عطا فرمانا چاہیں تو اس رات کو عبادت اور دن کے روزے میں گزارنا خدائے کریم کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بہرحال ۱۵ شعبان کا روزہ رکھنا بھی سنت ہے۔

پیر اور جمعرات کا روزہ سنت ہے

منجملہ اور دنوں کے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پیر اور جمعرات کے دنوں کا بھی روزہ رکھا کرتے تھے ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم الاثنين والخميس

(ترمذی ونسائی)

حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

جمعرات اور پیر کا روزہ رکھنے کی وجہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بیان فرمائی چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم (رواہ الترمذی)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے روز (بارگاہ خداوندی میں) پیش کئے جاتے ہیں میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حالت میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔

پیر کے دن حضورؐ کی ولادت ہوئی اور قرآن کریم کا نزول ہوا

پیر کے دن کے روزے کی خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور اسی دن آپ پر قرآن کریم اترنا شروع ہوا۔ چنانچہ آنحضورؐ نے خود پیر کے دن کا روزہ رکھنے کی وجہ حسب ذیل حدیث میں بیان فرمائی ہے :-

عن ابی قتادۃ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علی (مسلم)

ابوقتادہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کا روزہ رکھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا (مسلم)

حنفی فقہ کی مشہور کتاب مراقی الفلاح میں ہے :-

ومن هذا القسم (المندوب) صوم يوم الاثنين ويوم الخميس و منه صوم ست من شهر شوال (ص۱۰۱)	اور (مندوب) روزے کی قسم میں سے پیر اور جمعرات کا روزہ اور شوال کے چھ روزے بھی ہیں۔

پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے بھی سنت ہیں

پیر اور جمعرات کے دنوں کے علاوہ منگل اور بدھ کے روزے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث ہے، جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے حسب ذیل الفاظ ہیں:

وعن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم من الشهر السبت والاحد والاثنين ومن الشهر الآخر الثلثاء والاربعاء والخميس (رواه الترمذي)	اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے میں ہفتہ اتوار منگل کا روزہ رکھتے اور ایک اور مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مہینے میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہفتہ، اتوار اور پیر کو روزہ رکھتے اور کسی دوسرے ماہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔ ایسا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہفتے کے تمام ایام اللہ کی [illegible] ہو جاتے ہیں اس لئے ان میں عدل قائم کرنا چاہئے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی خاص دن روزہ رکھا جائے اور کسی دن نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہر ماہ کے کسی تین ہفتوں میں روزہ رکھنے کی یہ صورت تھی۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ماہ کے ہر ہفتے [illegible]

روزے حضور رکھا کرتے تھے۔

جمعہ کا روزہ بھی سنت ہے

مذکورہ بالا احادیث سے ہفتے کے چھ دنوں کا روزہ رکھنا حضورؐ سے ثابت ہوتا ہے لیکن جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا ایک اور حدیث میں ذکر ہے:۔

وعن عبد الله بن مسعود قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصوم من غرّة کل شهر ثلاثة ایام وقلّما کان یفطر یوم الجمعة (رواه الترمذی والنسائی)

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھار ہی جمعہ کے دن کا روزہ چھوڑتے تھے۔ (ترمذی ونسائی)

بعض حدیثوں میں صرف تنہا جمعہ کے روزے کو آنحضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعده (بخاری ومسلم)

ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی (صرف) جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ ایک دن پہلے اور ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھے

اس حدیث میں جو حضور نے صرف جمعہ کے دن کے روزے کی ممانعت فرمائی ہے وہ بھی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود ہفتے کے دن کی اور عیسائی اتوار کے دن کی تعظیم میں غلو سے کام لیتے تھے حضورؐ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ تم ان کی طرح جمعہ کی تعظیم میں مبالغہ سے کام نہ لینا کہ جمعہ کی عظمت کے پیش نظر

بس اس کے روزے ہی میں محدود ہو کر رہ جاؤ۔ ہاں جمعہ اپنی جگہ احادیث اور قرآن کی رو سے جتنے درجے تک محترم ہے اس کی عظمت اتنے درجے میں اپنی جگہ قائم ہے۔ ورنہ جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہی نہیں بلکہ مذکورہ ابن مسعود کی حدیث کی بنا پر سنت اور ثواب ہے عالمگیری میں ہے کہ صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا جائز ہے بلکہ درمختار میں مستحب لکھا ہے۔ لیکن اگر جمعہ کے ساتھ جمعرات کا یا ہفتے کا بھی روزہ رکھ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں۔

محترم اور عزت کے مہینوں میں جمعرات، جمعہ اور ہفتے کا روزہ رکھنا دو سال کی عبادت کے برابر ہے

اچھے اعمال کرنے کے بارے میں جو حدیث بھی معلوم ہو اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اس پر عمل کرنا ثواب و برکت سے خالی نہیں۔ چنانچہ محترم مہینوں کے بارے میں کسی ہفتے کی جمعرات، جمعہ اور ہفتے کا روزہ رکھنا دو سال کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اور عزت و احترام کے مہینے چار ہیں یعنی رجب۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ کے پہلے دس دن اور محرم کا مہینہ۔ البتہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنا جائز نہیں۔ طبرانی نے اوسط میں یہ حدیث روایت کی ہے:۔

عن ابن عباس من صام ثلثة ایام من شهر حرام الخميس والجمعة والسبت كتب الله تعالى له عبادة سنتين انتهى (طبرانی)	ابن عباس سے روایت ہے کہ جس شخص نے حرمت کے مہینوں میں سے تین دن جمعرات، جمعہ اور ہفتے کا روزہ رکھا اللہ تعالی اس کے اعمال نامے میں دو سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیتے ہیں

چالیس دن کے مسلسل روزوں کی فضیلت

دیلمی نے واثلہ سے روایت کی ہے جو حسب ذیل ہے جس میں اللہ کی خوشنودی کے لئے چالیس دن کے مسلسل روزہ رکھنے والے کے لئے عظیم الشان خوشخبری دی گئی ہے :-

عن واثلة من صام اربعين صياماً ما يريد به الا وجه الله تعالى لم يسأل الله تعالى شيئاً الا اعطاه (دیلمی)

واثلہ سے ہے کہ جس نے چالیس دن کے (لگاتار) روزے رکھے جن سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو تو وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا وہ اس کو عطا فرمائے گا۔

صوفیا نے جو چالیس دن کے چلّے کی صورت تجویز کی ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ چالیس روز تک تعلقات دنیا کو چھوڑ کر کسی مسجد میں عبادت کرنے اور روزے سے رہنے سے بندے میں ایک خاص روحانی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی برکت سے نور ایمانی اور معرفت پیدا ہونے کے باعث علوم معرفت کا دل پر کشف ہوتا ہے اور روحانی قوتوں میں اضافے کے باعث اور تکدرات اور معاصی کی گندگیوں سے صفائی کے باعث اس کی دعائیں قبولیت کا جامہ پہنتی ہیں لہذا اس کی ہر دعا جو اللہ کے نزدیک مناسب ہو گی قبول ہو گی۔ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی لئے کوہ طور پر چالیس دن کا اعتکاف کرایا گیا اور چالیس دن کے روزے رکھائے گئے اور اس کے بعد ان کو توریت عطا فرمائی گئی۔ ان حقیقتوں سے چالیس دن کی چلّہ کشی چالیس دن کے مسلسل روزوں کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔

صیام دھر کی (ہمیشہ روزہ رکھنا)

بعض زبردست روحانی شخصیت کے

بلکہ اللہ والے ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کو ہمیشہ عبادت کرتے ہیں۔ ان ہستیوں کو قائم اللیل اور صائم الدہر کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ان ایام کے روزے چھوڑ کر جن میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ ہمیشہ روزہ رکھنا اسی صورت میں درست ہے جبکہ فرائض اور واجب حقوق اللہ اور حقوق العباد میں خلل واقع نہ ہو۔ نیز انسان کے نفس کو نامناسب حد تک اور صحت کو پامال نہ کریں۔ لیکن اگر صائم الدہر رہنے سے اتنی کمزوری لاحق ہو جائے جس سے صحت خراب ہونے کا اندیشہ یا پنجگانہ نماز کی ادائیگی بھی دشوار ہو جائے یا ہمیشہ کے روزے کے باعث نماز کا قیام دشوار ہو جائے یا بیوی بچوں کے حقوق معاش و زوجیت سے علیحدگی کا باعث بن جائیں تو پھر صائم الدہر رہنا جائز نہیں ہے اور یہی جمہور علما کا مذہب ہے۔ صاحب فتح الملہم شارح مسلم لکھتے ہیں:۔

وذهب آخرون الى استحباب	اور دوسرے علما صیام دہری کے مستحب
صيام الدهر لمن قوى عليه	ہونے کی طرف گئے ہیں۔ تو اس کے لئے
ولم يفوت فيه حقا والى ذالك	جو اس کی طاقت رکھتا ہو اور اس میں حق
ذهب الجمهور (فتح الملہم جلد سوم صفحہ ۱۸۱)	چھوٹنے نہ پائے چنانچہ یہی جمہور کا مذہب ہے

استحقاق کے فوت ہونے کی مختلف شکلیں ہیں۔ اگر صیام دہری (ہمیشہ روزہ رکھنے) سے واجب و فرض حقوق تلف ہوتے ہیں تو صیام دہری حرام ہوں گے اور اگر مندوب و مستحب حقوق جو صیام دہری سے بہتر ہیں فوت ہو رہے ہوں تو پھر صیام دہری مکروہ ہیں۔ اور اگر صیام دہری سے واجب اور مندوب حقوق فوت نہ ہو رہے ہوں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ان سے کوئی

رکاوٹ نہ ہو تو پھر صیام دہری جائز ہیں اور یہی مطلب ہے حسب ذیل حدیث کا۔

وعن ابی قتادة ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال کیف تصوم فغضب رسول اللہ صلی اللہ من قوله فلما رای عمر غضبه قال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسوله فجعل عمر یردد هذا الکلام حتی سکن غضبه فقال عمر یا رسول اللہ کیف من یصوم الدهر کله قال لا صام ولا افطر او قال لم یصم ولم یفطر کیف من یصوم یومین ویفطر یومًا قال ویطیق ذلك احد قال کیف من یصوم یوما ویفطر یومین قال وددت انی طُوِّقتُ ذلك ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلث من کل

اور ابو قتادہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بات پر غصہ آیا جب عمرؓ نے آپ کا غصہ دیکھا تو کہا ہم اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمدؐ کے نبی ہونے پر راضی ہوئے۔ اور ہم اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے بار بار یہی کلام کرنا شروع کیا یہاں تک آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو حضرت عمر نے کہا کہ کیا حال ہے اس شخص کا جو ہمیشہ روزہ رکھے۔ حضورؐ نے فرمایا اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا یا فرمایا نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔ پھر عمرؓ نے کہا کیا حال ہے اس شخص کا جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے فرمایا کیا اس کی کوئی طاقت رکھتا ہے۔ کہا کیا حال ہے اس کا جو ایک دن روزہ رکھے

شہر رمضان الی رمضان فھذا صیام
الدھر کلہ صیام یوم عرفۃ
احتسب علی اللہ ان یکفر
السنۃ التی قبلہ والسنۃ
التی بعدہ وصیام یوم عاشوراء
احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ
التی قبلہ (رواہ مسلم)

اور ایک دن نہ رکھے۔ فرمایا یہ صوم داؤد ہے۔ کہا کیا حال ہے اس کا جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن نہ رکھے۔ فرمایا کہ میں اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ اس کی طاقت پا جاؤں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہینے کے تین روزے اور رمضان تا رمضان یہی صیام دہر (ہمیشہ کے روزے) ہیں۔ اور عرفہ کے دن کا روزہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ مٹا دے گناہ اس سال کے جو اس سے پہلے گذرا اور بعد کے سال کا۔ اور عاشورے کے دن کا روزہ رکھتا ہیں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ایک سال کے جو اس سے پہلے ہے گناہ پاک کر دے (مسلم)

مذکورہ بالا حدیث کا منشا یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر بجائے اس کے کہ اپنے لئے پوچھتا کہ کس طرح روزہ رکھے آنحضورؐ کے روزوں کی کیفیت معلوم کرنے لگا۔ جب حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کے غصے کو چہرے سے محسوس کیا تو رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا کے الفاظ بار بار کہنا شروع کر دئے جس سے حضورؐ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اچھے انداز کے ساتھ وہ سوالات پوچھے جو وہ شخص پوچھنا چاہتا تھا۔ آنحضورؐ نے اس شخص کی حالت کے پیش نظر ہمیشہ کے روزے رکھنے کو اس کے لئے پسند نہیں فرمایا چونکہ اس شخص کے لئے ہمیشہ کے روزے رکھنا جہاد اور دیگر حقوق کی ادائیگی کے لئے کمزوری کا اور رکاوٹ کا باعث بن سکتے تھے اس لئے حضورؐ نے اس کے لئے ایسا کرنا پسند نہ فرمایا۔

اور بالآخر ایک اعتدال کی صورت اس کے لئے پسند فرمائی ۔ یعنی جو حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت میں موجود ہے اور وہ یہ کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ در مختار، فتاویٰ عالمگیری میں ہمیشہ روزہ رکھنے کو مکروہ تنزیہی کہا ہے لیکن اگر طاقت میں ضعف نہ آئے اور حقوق کی ادائگی میں کوتاہی نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیشہ روزہ رکھنے میں کسی طرح کی حق تلفی ہو جاتی ہے اور نفس کو اتنا کچلنا بھی مناسب نہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے عمرو بن عاص کو جو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ ایک طویل حدیث میں جس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے فرمایا:-

صیام داؤدی

ان لزوجك عليك حقا	یقیناً تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے
ولزورك عليك حقا ولجسدك	مہمان کا تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا تجھ
عليك حقا قال فصم صوم داؤد	پر حق ہے۔ فرمایا داؤد علیہ السلام کی طرح
نبي الله صلى الله عليه وسلم	روزہ رکھ کیونکہ وہ لوگوں میں زیادہ عبادت
فانه كان اعبد الناس قال	گزار تھے۔ راوی نے کہا کہ میں نے کہا
قلت يا نبي الله وما صوم داؤد	یا نبی اللہ داؤد علیہ السلام کا روزہ
قال كان يصوم يوما ويفطر يوما الخ	کس طرح کا ہوتا تھا تو آپ نے
(مسلم)	فرمایا ایک دن رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اگر بیوی، مہمان اور جسم و نفس کے حقوق ادا ہوتے رہیں۔ کہ روزوں کی وجہ سے بیوی کے حقوق سے عاجز نہ ہو اور نفس و جسم میں غیر معمولی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے یا مہمانوں کے حقوق میں قصور نہ آسکے تو پھر ہمیشہ کے

روزے رکھنے کی ممانعت نہیں۔ چنانچہ ابو طلحہ انصاریؓ اور حمزہ بن عمرو اسلمی ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔ دراصل یہ بات مزاج مزاج پر ہے۔

روزوں کے بارے میں بعض انبیا علیہم السلام کی سنت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ روزے کے بارے میں بعض انبیا علیہم السلام کی سنت اور عادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

واختلف سنن الانبياء عليهم السلام في الصوم فكان نوح عليه السلام يصوم الدهر وكان داؤد عليه السلام يصوم يوما ويفطر يوما وكان عيسى عليه السلام يصوم يوما ويفطر يومين او اياما وكان النبي صلى الله عليه وسلم في خاصة نفسه يصوم حتى يقال لا يفطر ويفطر حتى يقال لا يصوم ولم يكن يستكمل صيام شهر الا رمضان وذلك ان الصيام ترياق والترياق لا يستعمل الا بقدر المرض

اور روزے کے بارے میں انبیا علیہم السلام کی مختلف عادتیں رہی ہیں۔ نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن یا کئی دن نہ رکھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کی خصوصیت کے اعتبار سے روزے رکھتے یہاں تک کہ کہا جاتا کہ افطار ہی نہ کریں گے اور جب روزے نہ رکھتے تو یوں کہا جاتا کہ روزہ نہ رکھیں گے اور رمضان کے سوا کسی مہینے کے روزے پورے نہیں رکھتے تھے اور یہ اس لئے کہ روزے تریاق ہیں اور تریاق مرض کے اندازا

وكان نوح عليه السلام شديد الامزجة حتى روى عنهم ما روى وكان داود عليه السلام ذا قوة ورزانة وهو قوله صلى الله عليه وسلم وكان لايفر اذا لاقى وكان عيسى عليه السلام ضعيفا في بدنه فارغا لا اهل له ولا مال فاختار كل واحد منهم ما يناسب الاحوال وكان نبينا صلى الله عليه وسلم عارفا بفوائد الصوم والافطار مطلعا على مزاجه وما يناسبه فاختار بحسب مصلحة الوقت ما شاء.

(بحوالہ فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۱۷۶)

ہی استعمال کیا جاتا ہے اور نوح علیہ السلام سخت مزاج تھے جیسا کہ ان کے متعلق بہت روایت ہے جو کچھ کہ روایت ہے اور داؤد علیہ السلام صاحب قوت و شجاعت تھے جیسا کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے کہ (داؤد علیہ السلام) کا جب کسی سے مقابلہ پڑتا تو بھاگتے نہ تھے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نازک بدن تھے اور بے فکر تھے ان کے اہل و عیال نہ تھے اور نہ ہی ان کے پاس مال تھا۔ اس لئے ہر نبی نے اپنے حالات کے مناسب روزے اختیار کئے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھنے اور نہ رکھنے کے فوائد سے باخبر تھے اور اپنے مزاج اور اس کی مناسبت سے واقف تھے پس مصلحت وقت کے مطابق جو کچھ آپ نے چاہا پسند فرمایا۔

تتمۂ مطلب مذکورہ بالا بحث کے نتیجے میں سمجھ میں یہی آتا ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صوم داؤد علیہ السلام کی چونکہ ترغیب فرمائی ہے لہٰذا اگرچہ صیام دہری حقوق ادا کرنے والے کے لئے جائز بھی ہوں لیکن پسندیدہ صیام داؤدی ہی ہیں لیکن وہ شخص جو اس قدر صاحب قوت و شجاعت ہے کہ اس کے لئے صیام دہری دوسرے حقوق کی ادائگی میں قطعاً حائل نہیں ہوتے تو صرف

اس شخص کے حق میں صیام دہری صیام داؤدی سے بہتر ہوں گے مگر عام طور پر صیام داؤدی صیام دہری سے افضل ہیں۔

تسکین شہوت کے لئے روزے

مذکورہ بالا اقسام کے سوا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جوان مرد کے لئے جو شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو روزے رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے تاکہ روزوں کی وجہ سے شہوت دب جائے اور قلت طعام کے باعث خواہش نفس اور اس کے ہیجان میں کمی پیدا ہو جائے۔ درحقیقت یہ ایک بہترین نسخہ ہے جو حضور نے ارشاد فرمایا ہے:-

عن علقمة قال كنت امشى مع عبد الله بمنى فلقيه عثمان فقام معه يحدثه فقال له عثمان يا ابا عبد الرحمٰن الا نزوجك جارية شابة لعلها تذكرك بعض ما مضى من زمانك قال فقال عبد الله لئن قلت ذالك لقد قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر

علقمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں مقام منیٰ میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ (ابن مسعود) کے ساتھ جا رہا تھا کہ ان کو عثمان رضی اللہ عنہ ملے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ ان سے عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اے عبد الرحمٰن کیا ہم تمہاری ایک جوان لڑکی سے شادی نہ کر دیں شاید کہ وہ تمہارے بعض گذرے ہوئے زمانے کی یاد دلا دے انہوں نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا اگر تم نے کہا اسی طرح کی بات تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوانو تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا

واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء
(مسلم کتاب النکاح)

وہ نکاح کرے کیونکہ وہ نگاہ نیچی رکھنے کا اور مقام شہوت بچانے کا بڑا ذریعہ ہے اور اگر کوئی اس کی طاقت نہ رکھے تو اس پر روزہ ہے کیونکہ روزہ جوان کے لئے خصی ہوتا ہے

اس حدیث سے نوجوان غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے اگر وہ شادی کرنے کی طاقت نہ رکھیں روزے رکھنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی روزے رکھنے کی حکمتوں کو حسب ذیل الفاظ میں واضح فرماتے ہیں:-

اعلم ان المنی اذا کثر تولده فی البدن صعد بخاره الی الدماغ فحبب الیه النظر الی المرأة الجمیلة وشغف قلبه حبها و نزل قسط منه الی الفرج فحصل الشبق واشتدت الغلمة واکثر ما یکون ذالك فی وقت الشباب وهذا حجاب عظیم من حجب الطبیعة یمنعه من الامعان فی الاحسان ولیهیجه الی الزنا ولیفسد علیه الاخلاق یوقعه فی مهالك عظیمة من فساد

واضح رہے کہ جب منی کی پیدائش بدن میں بکثرت ہو جاتی ہے تو اس کے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں اس وقت اس کی نظر حسینہ عورت کی طرف اٹھنا پسند کرتی ہے اور اس کی محبت میں دل مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کا ایک حصہ فرج کی طرف نزول کرتا ہے پس جوش پیدا ہوتا ہے اور تیزی بڑھتی ہے اور یہ اکثر جوانی میں ہوتا ہے اور یہ طبیعت کے حجابوں میں سے ایک بہت بڑا حجاب ہوتا ہے جو اس کو نیکی پر غور کرنے سے روک دیتا ہے اور زنا کی طرف بھڑکاتا اور انسان کے اخلاق کو تباہ کر ڈالتا ہے اور

ذات البین فوجب اماطة هذا
الحجاب فمن استطاع الجماع
وقدر علیه بان تیسرت له مثلا
امرأة علی ما تامر به الحکمة
وقدر علی نفقتها فلا احسن له
من ان یتزوج فان التزوج
اغض للبصر واحسن للفرج
من حیث انه سبب لکثرة
افراغ المنی ومن لم یستطع
ذالک فعلیه بالصوم فان سرد
الصوم له خاصیة فی کسر سورة
الطبیعة وکبحها عن غلوائها
لما فیه من تقلیل المادة فیتغیر
به کل خلق فاسد نشأ من کثرة
الاخلاط (بحوالہ فتح الملہم کتاب النکاح جلد ۳ صفحہ ۴۳۲)

اس کو زبردست ہلاکتوں میں دھکیل دیتا ہے
اس لئے اس حجاب کو درمیان سے ہٹا دینا
ضروری ہے۔ لہٰذا جو جماع پر قدرت رکھتا ہے
اور اس کو عورت میسر ہو سکتی ہے جیسا کہ حکمت
کا تقاضہ ہے اور اس کو نان ونفقہ دینے پر
مرد کو قدرت ہے تو اس کے لئے نکاح سے
بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ نکاح بصر
اور فرج کے لئے بہترین علاج ہے لیکن
اگر کسی کو نکاح کی طاقت نہ ہو تو وہ روزہ
رکھے کیونکہ روزے کی خاصیت یہ ہے کہ
وہ طبیعت کی تیزی کو فنا کر دیتا ہے اور
اس کے جوش کو فرو کرتا ہے۔ کیونکہ روزہ
رکھنے میں مادہ کم بنتا ہے۔ اس لئے ہر
فاسد مادہ جو کثرت اخلاط سے پیدا
ہوتا ہے بدل جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہ ہے حکمت روزے رکھنے میں کہ قلت طعام کی وجہ سے تولید میں کمی ہوتی ہے اور تیزی میں کمی ہوتی ہے۔ لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزہ کی بجائے یہ کیوں نہ فرمایا کہ جو شخص بیوی کے نان ونفقہ کی طاقت نہیں رکھتا وہ

غذا میں قلت اختیار کرے۔ وجہ یہ ہے کہ غذا کی قلت کی بجائے روزے رکھنا عبادت میں داخل ہے۔ اور عبادت پر ثواب ملتا ہے۔ علاوہ ازیں روزوں کی حالت میں ہونے سے روزوں کے لوازمات جو کہ انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ لہذا روزہ دار بری باتوں سے بچتا ہے۔

خلاصۂ اقسام صوم

اب تک جس قدر ہم اپنی بساط کے مطابق روزے کی قسموں کے متعلق تفصیل سے بحث کر چکے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱۔ **فرض روزے:-** رمضان[۱] المبارک کے روزے، کفارے[۲] کے روزے (جن میں کفارۂ[۱] قسم، کفارۂ[۲] ظہار، کفارۂ[۳] قتل خطا، حج[۴] میں حالت احرام کی صورت میں بیماری یا زخم سر کے باعث سر منڈانے[۵] کا کفارہ، قصداً[۶] بغیر عذر شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کا کفارہ) قضا[۳] روزے۔

۲۔ **واجب روزے:-** نذر[۱] و منت کے روزے۔ نفل[۲] روزہ رکھ کر توڑ دینے سے واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ **مسنون یا نفل روزے:-** عاشوراء[۱]، پندرہ[۲] شعبان، ہر[۳] ماہ کے ایام بیض یعنی ہر قمری ماہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کے روزے، جمعہ[۴] کا روزہ، ماہ شعبان[۵] کے روزے، پیر[۶] اور جمعرات کے روزے، کسی[۷] ماہ ہفتہ، اتوار اور پیر کے روزے اور کسی دوسرے ماہ منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے سنت ہیں، شوال[۸] کے مہینے میں عید کے بعد چھ روزے، یکم[۹] ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک کے روزے، اشہر[۱۰] حرم کے مہینوں میں جمعرات، جمعہ اور ہفتے کے روزے، عرفہ[۱۱] ۹ ذی الحجہ

کا روزہ [12]کبھی وقت چالیس روز کے مسلسل روزے۔ صیام [13]دہری۔ صیام
داؤدی۔ [14]شباب کی تیزی کو کم کرنے کے لئے روزے، عام [15]نفل روزے
جب مومن چاہے۔

جن دنوں کے روزے حرام ہیں

○ عیدالفطر ، عیدالاضحیٰ ○ ایام تشریق کے روزے حرام ہیں ○

○ یہ کل سال میں پانچ دن ہیں ○ ۲۷ رجب کا روزہ بے اصل ہے ○

روزہ اگرچہ خود بہت بڑی عبادت ہے لیکن سال میں پانچ دن ایسے ہیں کہ ان میں روزہ جیسی عبادت بھی حرام ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں حالات کے بدلنے سے اور نسبتوں کی تبدیلی سے احکام میں زبردست تغیر اور انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طریقے پر کہ نماز کی شریعت میں بہت ہی عظمت و فضیلت ہے لیکن جب سورج طلوع ہو رہا ہو یا غروب ہو رہا ہو یا زوال کا وقت ہو تو ان اوقات میں نماز پڑھنا ناجائز ہے اور ایسی نماز کا پڑھنا اور نہ پڑھنا برابر ہے۔ بلکہ نہ پڑھنا پڑھنے سے بہتر ہے اور پڑھنا نہ پڑھنے سے بدتر ہے بلکہ حرام ہے۔ اسی طرح روزہ اگرچہ اپنی جگہ نہایت عظمت و شرافت کا مالک ہے لیکن سال بھر میں پانچ دن کے روزے رکھنا حرام ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عیدالفطر کا روزہ حرام ہے

ان پانچ ایام میں سے رمضان المبارک کے بعد کی عید جس کو عیدالفطر کہتے ہیں اس

دن کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ اس روز رمضان کے روزوں کے پورا کرنے کے عوض میں اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کی ضیافت کے لئے خوانِ نعمت بچھاتے ہیں لہٰذا ایسے دن خداوند تعالیٰ کی مہمانی سے بطور شکریہ کھانا پینا آدابِ مہمانی کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ کھانا اور نہ پینا میزبان کی دل شکنی کے مترادف اور خداوند تعالیٰ کی عنایت و رحمت سے روگردانی کے ہم معنی ہے اس لئے اس دن کا روزہ حرام قرار دیا گیا۔

بقر عید کے دن کا روزہ بھی حرام ہے

یہی صورت حال بقر عید کے دن کے روزے کی بھی ہے۔ اس دن بھی قربانی کے جانور کو خدا کی راہ میں ذبح کر کے ضیافت خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس اس دن کا روزہ رکھ کر خدائی خوانِ کرم سے سرتابی اور بغاوت کا ارتکاب کرتا ہے۔ درمختار میں ہے:-

والمکروہ تحریما کالعیدین	اور عید الفطر اور بقر عید کا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی (حرام) ہے۔
(درمختار صفحہ ۱۳۴ ج ۱)	

اس حکم کا ماخذ وہ حدیث ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام یومین یوم الفطر ویوم الاضحیٰ	ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو دن کے روزے رکھنے سے منع فرمایا۔
(موطا امام مالک صفحہ ۹۲)	(موطا امام مالک)

اور بخاری و مسلم میں ہے:-

عن ابي سعيد الخدري قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم يوم الفطر والنحر (بخاری ومسلم)	ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور قربانی کے دن کے روزے سے منع فرمایا۔

ایک اور حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل مروی ہے:۔

عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صوم في يومين الفطر والاضحى (بخاری ومسلم)	ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید فطر اور عید اضحیٰ دو دن میں روزہ نہیں ہے۔

ایام تشریق کے بھی روزے حرام ہیں

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دنوں کے علاوہ ایام تشریق یعنی ذی الحجہ یا بقر عید کے مہینے کی گیارہ۔ بارہ اور تیرہ تاریخوں میں بھی روزہ رکھنا حرام ہے۔ ایام تشریق ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ دن بھی قربانی کے دن کے تابع ہیں۔ قربانی کا اصل روز دسویں ذی الحجہ ہے اور ایام تشریق بھی کھانے پینے کے دن ہیں۔ ان دنوں میں بھی روزہ رکھنے سے اس نعمت کا کفران ہوتا ہے جو قربانی کے ایام میں گوشت اور اس سے تیار ہونے والے کھانوں کی صورت میں نعمت الٰہی بن کر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس حکم کا ماخذ حسب ذیل حدیث ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن نبيشة الهذلي قال قال	نبیشہ ہذلی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام التشریق ایام اکل وشرب و ذکر اللہ (مسلم کتاب الصیام)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشریق کے دن کھانے اور پینے اور اللہ کی یاد اور ذکر کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث کی بنا پر فقہا نے فیصلہ کر دیا اور مسئلہ کی صورت حسب ذیل الفاظ میں متعین کر دی اور فرمایا:۔

ومنہ صوم ایام تشریق لورود النھی عن صیامہا وقد صرح بحرمۃ صوم العیدین وایام التشریق فی البرھان۔ مراقی الفلاح صفحہ ۳۵۔ درمختار صفحہ جلد ۲ شامی صفحہ ۸۳ جلد ۲)

اور حرام روزوں میں سے ایام تشریق کے روزے بھی ہیں ان دنوں کے روزوں سے حدیث میں ممانعت کی وجہ سے اور برہان مراقی الفلاح اور درمختار و شامی میں دونوں عیدوں اور ایام تشریق کے روزے حرام ہیں کو واضح الفاظ میں لکھا ہے۔

۲۷ رجب کا ہزاری روزہ بے اصل ہے

رجب کو یو۔پی کے علاقے میں عورتیں مریم روزے کا مہینہ کہتی ہیں۔ اس مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کے متعلق بہت زیادہ ثواب کی شہرت ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کا روزہ رکھنے میں ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اسی لئے اس کو ہزاری روزہ بھی کہتے ہیں لیکن یہ بے اصل باتیں ہیں۔ لکھنو کی شاعری میں ہزاری روزے کا پتہ چلتا ہے چنانچہ غالباً امانت لکھنوی کہتا ہے ؎

میں نہ کہتی تھی نہ رکھ تو مری پیاری روزہ
بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری رو

رجب کے روزوں کا پس منظر

درحقیقت عرب کے لوگ دورِ جاہلیت میں رجب کا بڑا احترام کرتے تھے اور ضرورت سے زیادہ غلو اور مبالغے سے کام لیتے تھے۔ بالخصوص قبیلۂ مضر اس میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ لہٰذا رجب کی جاہلانہ مبالغہ آمیزی کے پیشِ نظر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ فرمائی۔ ابن ماجہ میں ہے:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہی عن صیام الرجب (ابن ماجہ باب الصیام شہر الحرم)	نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرما دیا۔

یہ ممانعت دراصل جاہلیت کے خیال کی تردید تھی۔ ورنہ حرمت والے چار مہینوں میں جمعرات، جمعہ اور ہفتے کے روزوں کی فضیلت آئی ہے جیسا کہ سابق اوراق میں گزرا۔ اور انہی حرمت والے مہینوں میں رجب کا مہینہ بھی ہے۔ اس لئے ایامِ جاہلیت کے عقیدے سے دل و دماغ کو صاف کر کے مطلقاً رجب کے مہینے میں جمعرات، جمعہ اور ہفتے کے روزے رکھنے کا ثواب ہے۔ یا مطلقاً نفلی طور پر رجب کے ماہ میں ایامِ جاہلیت کے اعتقاد سے علیحدہ ہو کر روزے رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ رجب کی پچیسویں کے روزے میں ہزار روزوں کی برابر ثواب کی بھی کوئی اصلیت نہیں۔ شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی ماثبت بالسنہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ثم اعلم انا لم نجد فی کتب الاحادیث اثباتاً ولا نفیاً ما اشتھر بینھم من تخصیص الخامس عشرین	پھر واضح رہے کہ ہم نے حدیث کی کتابوں میں نہ حکم اور نہ انکار کے طور پر رجب کی پچیسویں کے متعلق جو مشہور ہے اس کی

من رجب بالتعظيم والصوم والصلوٰۃ وتسميتہ بيوم الاستفتاح وتسميتہ بمريم روزہ واللہ تعالیٰ اعلم (ماثبت بالسنہ صفہ ۷۷)

تعظیم اور اس میں (خصوصیت سے) روزہ نماز کے متعلق اور اس کا نام یوم استفتاح یا مریم روزہ رکھنے کے بارے میں کچھ نہیں پایا۔ باقی اللہ زیادہ جانتا ہے۔

بعض لوگوں نے رجب کے صلہ میں ہزار روزوں کے ثواب کے متعلق جو حضرت علی سے حدیث نقل کی ہے اس کو لآلی مصنوعہ کے فاضل مصنف نے موضوع کہا ہے۔ واضح رہے کہ لآلی مصنوعہ کتاب میں ایسی حدیثوں سے نقاب اٹھائی گئی ہے جو کہ گھڑی ہوئی اور موضوع ہیں انہی میں سے یہ حدیث ہے:

عن علی مرفوعاً ان شهر رجب شهر عظيم من صام منہ يوماً كتب اللہ لہ صوم الف سنة لا يصح (اللآلی المصنوعة فی الاحاديث الموضوعة صفہ ۱۱۵ جلد ۲)

حضرت علی سے مرفوعاً روایت ہے کہ رجب کا مہینہ عظمت والا مہینہ ہے جس شخص نے اس کا ایک روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہزاروں ثواب لکھتا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے (لآلی مصنوعہ صفہ ۱۱۵ جلد ۲)

ان عبارتوں سے رجب کی پچیسویں یا ستائیسویں اور مطلقاً رجب کے کسی دن کے روزے رکھنے کے بارے میں جو شہرت ہے اس کی تردید کی گئی ہے لیکن بعض لوگ امام غزالی کی مکاشفۃ القلوب کا حوالہ دے کر حسب ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:۔

عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ

ابوہریرہ رضی سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من صام السابع والعشرین من رجب کتب له صیام ستین شهراً وهو ول یوم نزل فیه جبریل علیه لسلام علی النبی صلعم بالرسالة فیه اسری به صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رجب کی ستائیسویں کو روزہ رکھا تو اس کے لئے ساٹھ مہینوں کے روزوں کی برابر ثواب لکھا جاتا ہے اور وہ پہلا دن ہے جس میں جبرائیل علیہ السلام نبی صلعم کے پاس رسالت لیکر آئے اور اسی رات میں آنحضور کو معراج کرائی گئی۔

اس حدیث کا یہ ٹکڑا کہ معراج کی ستائیسویں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ی قابل تنقید ہے۔ حالانکہ آپ کو نبوت ربیع الاول میں ملی ہے۔ جو ہر مسلمان اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن رجب کی ستائیس تاریخ کو ملنے کا سوال ہی پیدا ہیں ہوتا اس لئے یہ حدیث مجروح بیان کردہ جاتی ہے شیخ عبدالحق محدث ہلوی نے ان روایات کو پیش کرنے کے بعد لکھا ہے:-

هذه احادیث ذکرت فیما نص عند نامن الکتب ولم یح منها علی ما قاالوشی و ایته الضعف وجلها موضوع

یہ احادیث جو کتابوں میں سے ہمارے سامنے ہیں ان میں سے جیسا کہ انھوں نے کہا کچھ بھی آور درست نہیں ہیں اور اس کی تابیت کمزور ہے اور یہ موضوع ہیں۔

شیخ عبدالحق صاحب نے اس کے برعکس ایک حدیث ابن ابی شیبہ اور رانی کی روایت سے حضرت عمر سے نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رجب ے روزے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور ہاتھوں کو جبراً کھانے میں دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مہینہ جاہلیت میں محترم تھا لیکن اسلام

میں مشتبہ ہو گیا۔

تنقیح یہاں تک پہنچ کر رجب کی ستائیسویں کے روزے کے متعلق فقہی فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ثواب ہزار روزے کے برابر نہ سمجھا جائے۔ نیز ابوہریرہؓ والی حدیث کو انہی کا قول مانا جائے۔ تیسرا یہ کہ اس حدیث کو صحیح حدیث کا درجہ نہ دیا جائے۔ چوتھے یہ کہ رجب کے کسی دن کا نفلی روزہ رکھنا ثواب سے خالی نہیں، البتہ ایام جاہلیت کے اعتقاد سے علیحدہ ہو کر

رمضان اور روزے، قرآن اور تراویح

○ فضائل تلاوت قرآن ○ رمضان کو قرآن سے نسبت ○ تراویح کا پس منظر ○
○ سنت عمرؓ سنت رسول اللہؐ ہے ○ عدد رکعت تراویح ○

آغاز مضمون میں قرآن حکیم کی روشنی میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ رمضا کے روزوں کی فرضیت کا سبب صرف یہ ہے کہ اس ماہ میں شمع ہدایت روش ہوئی یعنی قرآن کریم کا نزول ہوا۔ یہ حقیقت ہمیں اس یقین کے قریب لے آ میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھا کا ولولہ اور شوق اور اس کی حفاظت کا مزید اہتمام و انتظام ہو نیز ایسی عبادت خصوصیت سے اجاگر ہو جو دوسرے مہینوں کی بہ نسبت رمضان قرآن کریم کے ذوق شوق سے تلاوت و قراءت میں مضبوط رابطہ اور تعلق پیدا کرے۔ اور وہ سب چیزیں مل کر نور علیٰ نور کا مصداق بن جائیں۔ اس سلسلے کی چند روشن شہادتیں

آتی ہیں وہ رمضان اور دوسرے قرآن اور نماز [illegible] ہے۔

فضائل رمضان

رمضان کی بے حد و نہایت فضیلتوں کا ہم نے آغاز کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ یہ مہینہ اپنے دامن میں ایمان والوں کے لئے کس قدر رحمتیں، برکتیں اور سعادتیں لئے آتا ہے کہ اس ماہ کی نفل نماز دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اور اس ماہ کی ایک فرض نماز دوسرے مہینوں کی ستر نمازوں کی برابر فضیلت رکھتی ہے۔ اس مہینے میں شیطانی قوتوں کو شکست اور رحمانی طاقتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس مہینے میں ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور اہلِ ایمان کے سینوں سے مشعل ایمان کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں۔

فضائل صیام

اس ماہ میں روزوں کا تقرر اور تعین بے شمار نیکیوں کا موجب ہوتا ہے۔ نفسانی قویٰ کو زیر کر کے روزہ دار کو ایمانی انوار سے روشن ہونے کا موقع ملتا ہے اور زندگی کی روحانی قدروں کا اصل منشا یعنی ملاقاتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے بلکہ خود روزہ دار کے لئے خدائے کریم اس کے روزوں کی جزا اور انعام بن کر مل جاتے ہیں۔ جب صورت حال یہ ہو کہ صاحب عزت و عظمت محبوب مل جائے تو زندگی کا مقصد اور مدعا حاصل ہو گیا۔ قطرہ دریا سے نہیں بلکہ دریا قطرے کو مل گیا۔ کل جزو کا ہو گیا اور بقول اقبال؎

تو ہے محیط بے کراں میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

محیط یعنی سمندر ایک آب جو اور ایک چھوٹی سی نہر سے جا ملا۔ بس یہی آخری مدعا تھا جو روزوں سے حاصل ہو گیا۔ اب رمضان اور روزوں کے انوار میں [illegible]

اور نور شامل ہوتا ہے اور وہ ہے قرآن کریم کی تلاوت اور فضیلت کا نور جس کے متعلق پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فضائل تلاوت قرآن کریم

عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المومن الذی یقرء القران مثل الاُتْرُجَّۃِ ریحہا طیب وطعمہا طیب و مثل المومن الذی لایقرء القران مثل التمرة لا ریح لہا وطعمہا حلو ومثل المنافق الذی یقرء القران مثل الریحانۃ ریحہا طیب وطعمہا مُرٌّ ومثل المنافق الذی لایقرء القران کمثل الحنظلۃ لیس لہا ریح وطعمہا مُرٌّ (مسلم باب فضیلۃ القرآن)

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے انہوں
کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے
نارنگی کی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی
اور ذائقہ بھی اچھا اور جو مومن قرآن نہ
پڑھتا اس کی مثال چھوارے کی سی کہ اس
میں خوشبو نہیں البتہ ذائقہ میٹھا ہے۔ او
منافق جو قرآن پڑھتا ہے ایسا ہے جیسا
ریحان۔ اس کی خوشبو اچھی ہے لیکن ذائقہ
اور منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا
جیسا حنظل نہ اس میں خوشبو ہے
اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے
(مسلم باب فضیلۃ القرآن)

مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے جو فضیلت، قرآن کے باب میں ہے د

عن زید انہ سمع اباسلّام یقول حدثنی ابوامامۃ الباہلی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زید سے ہے انہوں نے ابوسلام سے
وہ کہتے تھے کہ مجھ سے ابوامامہ باہلی نے
بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسو

اقرءوا القراٰن فانه یاتی	صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ قرآن
القیامۃ شفیعاً لاصحابه	پڑھا کرو کہ پڑھنے والوں کے لئے شفیع بن کر
حدیث (مسلم)	قیامت کے دن آئے گا۔ (مسلم)

قرآن کریم کی فضیلت کے سلسلے میں مذکورہ بالا احادیث کے سوا اور بہت سی
یں ہیں جن سے کتب حدیث بھری پڑی ہیں۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے
کہ قرآن کریم کے ایک حرف کے پڑھنے میں دس نیکیاں ملتی ہیں اور میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ
لف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے بلکہ الف میں
ل۔ ف) تین اور لام میں (ل۔ا۔م) تین اور میم میں (م۔ی۔م) تین
ا ہیں گویا کل نو حرف ہوئے اور ہر حرف کے عوض میں دس نیکیوں کے حساب
وے نیکیاں صرف الٓمٓ کے تلاوت کرنے والے کو ملتی ہیں۔

یہ تو مجموعۂ قرآن کریم کی تلاوت کے ثواب کا جائزہ تھا لیکن احادیث میں
ن کریم کی بعض سورتوں یا آیتوں کی جزئی طور پر جو فضیلتیں آئی ہیں وہ
جگہ عظمت و عزت کی حامل ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں
تعلق حدیث میں ہے:۔

ابن عباس قال بینا جبریل	ابن عباس سے روایت ہے انہوں نے
عند النبی صلی اللہ علیه	کہا جبکہ جبریل علیہ السلام ایک دفعہ نبی
سلم سمع نقیضا من فوقه	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے
ع راسه فقال هذا باب	تو اوپر سے دروازے کے کھلنے کی آواز آنحضورؐ
السماء فتح الیوم لم یفتح	نے سنی پس آپ نے اپنے سر کو اٹھایا تو جبریل علیہ السلام

قط الا الیوم فنزل منہ ملک
فقال ھذا ملک نزل الی الارض
لم ینزل قط الا الیوم فسلم و
قال ابشر بنورین اوتیتھما
لم یوتھما نبی قبلک فاتحۃ
الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ
لن تقرأ بحرف الا اعطیتہ

(مسلم)

نے کہا کہ یہ آسمان کا دروازہ ہے
گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں
اس سے ایک فرشتہ اترا تو جبرائی
فرشتہ ہے جو زمین پر آیا ہے جو آج
کبھی نہیں آیا اور اس نے کہا آپ
ہوان دو نوروں کی جو آپ سے پہلے کسی
دئے گئے اور وہ سورۂ فاتحہ اور سو
آخری آیتیں ہیں۔ آپ ان کا جو حر
اس کے مضمون کے مطابق دے دیا

مذکورہ بالا حدیث میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے آخری رکوع
للہ ما فی السمٰوٰت سے آخر تک سارا رکوع اور یا بقول بعض محدثین
الرسول سے آخر تک کی آیات کا یہ مقام ہے کہ خاص ان کی خاطر آسما
ایسا دروازہ کھولا گیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا اور ایک لیسے
بشارت کے لئے بھیجا گیا جو اس سے پہلے کبھی دنیا کی سرزمین پر نہیں آیا
خوشخبری یہ کہ آپ کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی دعائیں یعنی اھدنا الص
المستقیم اور رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا وغیرہ قبول کرا دی گئیں یا
یہ پڑھی جاتی ہیں تو قبول ہوتی ہیں بہرحال جس طرح افضل الانبیا کو تمام نبی
فضیلت ہے اسی طرح قرآن مجید بھی تمام کتابوں سے افضل ہے۔ اس
کتاب کا رمضان میں پڑھا جانا اور تلاوت کرنا نور علی نور ہے۔

تا ہیں ہے۔
رسول اللہ
جس شخص نے
کا اعتقاد رکھتے
با تو اس

ن سے قرآن کو نسبت

جب یہ واضح ہے کہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہوا اور اسی وجہ سے رمضان کے لئے گئے کیونکہ اصل مقصد احکام خداوندی کا قرآن کریم کے ذریعہ جاری اصل حقیقت قرآن کریم ہے اور اسی لئے اس ماہ میں قرآن کریم کا اہتمام کی تلاوت بھی اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں ہے یا علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت ے اور ان کو قرآن کریم سناتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل لام کو قرآن کریم سناتے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی کماحقہ حفاظت رہے س کا باہم دور کرتے تھے تا آنکہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی ی سنہ ھجر کے رمضان میں جبریل علیہ السلام نے سارا قرآن کریم آنحضورؐ کو آنحضورؐ نے تمام قرآن کریم جبریل علیہ السلام کو سنایا۔ بلکہ دو دفعہ آخری میں یہ دور ہوا۔ حدیث میں ہے۔

ھریرۃؓ قال کان یعرض	ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن کریم پیش کیا
کل عام مرۃ فعرض علیہ	جاتا تھا لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی
ن فی العام الذی قبض الخ	اس سال دو دفعہ پیش کیا گیا (آخر تک)۔

ور نماز تراویح

لیکن یہاں پہنچ کر دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ تراویح کا سلسلہ کیوں شروع کیا گیا۔ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

اس لئے کہ قرآن کریم کا نماز میں پڑھا جانا زیادہ فضیلت رکھتا ہے بہ نسبت

تبت ال کہ قرآن کریم کو نماز کے علاوہ تلاوت کیا جائے۔ چنانچہ دار قطنی نے افراد میں

فقال نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کی ہے

امدی ۃ القرآن فی الصلوۃ افضل من	قرآن کریم کا نماز میں پڑھنا زیادہ
قرا اءۃ القرآن فی غیر الصلوۃ	رکھتا ہے بہ نسبت نماز کے علاوہ
(تا آخر حدیث)	پڑھنے کے۔

۲۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نماز پنجگانہ کی طرح رمضان کی با فرض نمازوں یا تہجد کی نماز میں قرآن کریم پڑھا جاتا تو یہ رمضان کی خصوصیت ہوتی۔ کیونکہ فرائض پنجگانہ اور تہجد یا اشراق، چاشت اور اوابین وغیرہا تو غیر رمضان میں بھی پڑھتے تھے۔ لہذا کوئی نماز اور خصوصی ایسی ہونی چاہئے جو کی راتوں کے لئے خاص ہو کہ اس میں دن کے مشاغل سے بے نیاز ہو کر رات ہو سکے۔ لہذا رمضان میں تراویح کی نماز۔ اور اس میں قرآن کریم کا سنایا جانا اور افضل نظر آتا ہے۔ اس لئے جبریل علیہ السلام نے آنحضورؐ کو اور آنحضورؐ جبریل علیہ السلام کو نماز میں قرآن کریم کا سنانا جو افضل ہے ترک نہ کیا ہوگا

بہرحال رمضان کے خصوصی نوافل کو عقل سلیم تجویز کرتی ہے جن میں قر افضلیت کے طور پر تلاوت کیا جائے اور رمضان اور نماز سے نسبت قرآن کریم کی حفاظت کا اہتمام نماز میں کیا جائے۔ اسی لئے شارح نقایہ و فقہا نے تراویح میں تمام قرآن کے پڑھنے کو سنت کہا ہے۔

قول و فعل رسولؐ میں وجود تراویح

چنانچہ رمضان کے لیے خصو کا ثبوت جن کو تراویح کہا جا

ہمیں آنحضور کی سنت میں ملتا ہے جس میں قرآن کریم پڑھا جاتا تھا حدیث میں ہے:۔

فضیلت تراویح

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے راتوں کو رمضان میں فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور ثواب کے لئے قیام کیا تو اس کے پہلے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔
(مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان)	(مسلم)

امام نووی نے کہا ہے کہ قیام لیل سے مراد نماز تراویح ہے۔ کیونکہ تراویح کے علاوہ دیگر نفل نمازیں تو غیر رمضان میں بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال آنحضورؐ نے رمضان کی راتوں میں خصوصیت سے نماز کی ترغیب دی ہے۔ جس کو تراویح کہتے ہیں

ایک اور حدیث میں ہے:۔

قالت عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فى رمضان مالا يجتهد فى غيره (مسلم)	عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اس قدر عبادت کرتے تھے کہ اور کسی مہینے میں اتنی نہ کرتے۔ (مسلم)

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس نماز کے بارے میں جو عمل تھا وہ حسب ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:۔

عن عائشةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فى المسجد ذات ليلة فصلى بصلوته ناس ثم	عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک رات نماز پڑھی۔ پھر اگلی رات کو آنحضورؐ نے

وصلى من القابلة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة او الرابعة فلم يخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما اصبح قال قد رأيت الذى صنعتم فلم يمنعنى من الخروج اليكم الا انى خشيت ان تفرض عليكم قال وذالك فى رمضان

(مسلم)

پڑھی تو لوگوں کا مجمع زیادہ ہو گیا۔ پھر تیسری رات کو بھی جمع ہو گئے یا چوتھی رات پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرے سے) نہ نکلے پس جبکہ صبح ہوئی تو آنحضورؐ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا میں نے دیکھا لیکن مجھے رات (حجرے سے مسجد نبوی میں آنے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ ایسا نہ ہو تم پر (تراویح) فرض ہو جائے۔ راوی نے کہا اور یہ رمضان کا واقعہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے جو نعمان بشیرؓ سے ہے:-

وعن النعمان ابن بشير قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان ليلة ثلاثة وعشرين الى ثلث الليل الاول ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين الى نصف الليل ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتى قلنا ان لا ندرك الفلاح اى السحور۔

اور نعمان بن بشیر سے ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کی تیئیسویں رات میں اول تہائی رات تک ساتھ رہے پھر آپ کے ساتھ پچیسویں رات میں ہم نے آدھی رات تک نماز میں قیام کیا پھر حضور کے ساتھ ستائیسویں رات میں ہم نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے کہ ہمیں آج رات سحری نہ مل سکے گی۔

پہلی حدیث سے حضور کا تراویح کے لئے تین یا چار راتوں میں مسجد میں تشر

لانا ثابت ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ نے آپ کے ساتھ اس نماز میں شرکت کی۔ گویا تراویح کا جماعت سے پڑھا جانا ثابت ہوا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ اس لئے اس نماز سے تہجد کی نماز مراد نہیں ہے چنانچہ سفیان بن حسین کی روایت میں بھی ہے:۔

خشیت ان یفرض علیکم قیام هذا الشهر
مجھے ڈر ہوا کہ تم پر اس ماہ (رمضان) کی رات کا قیام (یعنی نماز) فرض نہ ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ قیام شہر رمضان سے خصوصی طور پر تہجد کے علاوہ ہی کوئی نماز اور ہوگی اور وہ تراویح ہے۔ ورنہ تہجد تو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہر رات کا وظیفہ تھا۔ بہر حال رمضان کے یہ نوافل اور ہی نوافل تھے اور وہ تراویح کی نماز تھی۔ دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیئیسویں رات میں جو صحابہ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی وہ تہائی رات تک طویل تھی اور پچیسویں کی شب میں نصف رات تک اور ستائیسویں میں رات کے آخر حصے تک آنحضور پڑھتے رہے۔

تراویح کا پس منظر

مذکورہ اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان میں عشاء کے بعد تراویح کا پڑھنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور آپ کے ساتھ صحابہ کا اس میں شامل ہونا اور جماعت سے پڑھنا بھی سنت ہے۔ حضرت عائشہ رض کی حدیث شریف میں امام احمد کے نزدیک اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ صحابہ رمضان میں رات کو مسجد میں متفرق طور پر نماز پڑھا کرتے تھے کہ ایک شخص قرآن پڑھتا تھا اور اس کے ساتھ پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حکم دیا کہ میں اپنے حجرے کے دروازے پر جو مسجد کے متصل تھا چٹائی کھڑی کردوں چنانچہ میں نے چٹائی کھڑی کر دی۔ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد آنحضورؐ اس میں تشریف لائے تو صحابہ بھی جمع ہو گئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔ دو تین روز تک یہی صورت رہی پھر تیسری یا چوتھی رات کو آنحضورؐ (عشا کی نماز پڑھ کر اندر تشریف لے گئے اور اس قائم کی گئی چٹائی میں تشریف نہ لائے یہاں تک کہ جب صبح کی نماز میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:۔

فلم يمنعني من الخروج اليكم الا اني خشيت ان تفرض عليكم	مجھے تمہاری طرف آنے کو اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ مجھے خوف ہو گیا تھا کہ تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ حضورؐ نے روزانہ صحابہ کو اس نماز میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا پورا اہتمام اس لئے نہیں فرمایا کہ ایسا نہ ہو یہ نماز فرض ہو جائے۔ لیکن اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ آنحضورؐ اس نماز کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ لہذا جب آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس نماز کے فرض ہونے کا خیال تو ختم ہو گیا تاہم آنحضور کی دلی خواہش اپنی جگہ قائم رہی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانے میں بھی صحابہ مسجد نبوی میں متفرق طور پہ نماز تراویح پڑھتے رہے تاآنکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آ پہنچا۔ ان کی خلافت کے آغاز میں بھی صحابہ کا وہی عمل جاری رہا۔ ایک روز حضرت عمرؓ نے ان مختلف خدا کے نیک بندوں کو اسی طرح تراویح کو متفرق طور پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سوچا کہ ان سب کے ایک حافظ قرآن کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیوں نہ انتظام کر دیا جائے چنانچہ انھوں نے ایک

امام کے ساتھ تراویح پڑھنے اور منشائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کے بعد حضرت ابی بن کعب کو تراویح پڑھانے کے متعلق فرمایا اور اس بات کے بعد سے آج تک تراویح کی نماز ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ اجماع امت کے طور پر چلی جا رہی ہے۔

کنز العمال میں نوفل بن ایاس ہذلی سے ہے انہوں نے کہا کہ:۔

كنا نقوم في عهد عمر بن الخطاب فرقاً في المسجد في رمضان ههنا وكان الناس يميلون الى احسنهم صوتا فقال عمر الا اراهم قد اتخذوا القران اغاني اما والله لئن استطعت لاغيرن هذا فلم يمكث الا ثلث ليال حتى امر الى ابي ابن كعب فصلى بهم ثم قام في اخر الصفوف فقال لئن كانت هذه البدعة لنعمت البدعة (كنز العمال)

ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان کے مہینے میں مختلف طور پر تراویح پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کی دلی خواہش تھی کہ کسی اچھے قاری کے پیچھے قرآن سنیں تو عمرؓ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے قرآن کو گانا بنا لیا ہے۔ اللہ کی قسم اگر مجھ سے ہو سکا تو میں یہ بدل ڈالوں گا۔ تین ہی راتیں گذری تھیں کہ انہوں نے ابی بن کعب سے کہا تو انہوں نے صحابہ کو نماز پڑھائی اور خود عمرؓ صفوں کے آخر میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا اگر یہ بدعت ہے تو بہت اچھی بدعت ہے۔

اور اسی کتاب کنز العمال میں ہے:۔

عن ابي بن كعبؓ ان عمر بن الخطابؓ امره ان يصلي بالليل في رمضان فقال ان الناس يصومون النهار

ابی بن کعب سے ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نے انہیں رمضان کی رات میں نماز (تراویح) پڑھانے کو فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ لوگ دن

ولا یحسنون ان یقرؤا فلو قرأت	کو روزے رکھتے ہیں وہ یہ پسند کریں گے کہ میں
علیھم باللیل فقال یا امیر المومنین	رات کو (تراویح میں) انہیں قرآن سناؤں۔ اور
ھذا شئی لم یکن فقال قد علمت	کہا اے امیر المومنین اس سے پہلے یہ چیز نہ تھی
ولکنہ حسن فصلی بھم عشرین	حضرت عمرؓ نے کہا مجھے معلوم ہے لیکن یہ اچھی بات ہے
رکعۃ (کنزالعمال)	چنانچہ ابی بن کعب نے بیس رکعت پڑھائیں۔

حضرت عمرؓ نے سنت نبوی سے اخذ کرتے ہوئے تراویح کے لئے ایک امام کے پیچھے تمام مقتدیوں کو جمع کرکے اسلام کے اتحاد کا بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ بھلا ایک مسجد میں مختلف جماعتوں میں لوگ تراویح پڑھتے ہوئے کیا اچھے لگتے تھے،

کیا عمرؓ کا یہ فعل بدعت ہے

ابی بن کعب نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اس سے پہلے اس اہتمام سے ایک امام کے پیچھے نماز تراویح ادا نہیں کی جاتی رہی۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ اچھی بات ہے اور اگر یہ بدعت ہے تو اچھی بدعت ہے۔ لیکن لوگوں کا یہ رجحان ضرور تھا کہ اچھے قاری سے قرآن سنیں۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور سب صحابہ نے تراویح متحدہ طور پر پڑھیں اور خود حضرت عمرؓ نے صفوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تاکہ سب کے ذوق و شوق کا جائزہ لے سکیں۔

لیکن کیا بقول حضرت عمر ان کا یہ فعل بدعت تھا۔ یہ سوال قابل حل ہے۔ اس سلسلے میں ہم شارح مشکوٰۃ طیبی کا قول پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے طیبی میں حضرت عمرؓ کے قول نعمت البدعۃ کی اس طرح تشریح کی ہے:۔

قال الطیبی قول عمر رضی اللہ عنہ	طیبی نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول "کہ یہ

نعمت البدعة هذه يريد صلوٰة التراويح فانه في خير المدح لانه فعل من افعال الخير وتحريض على الجماعة المندوب اليها وان كانت لم تكن في عهد ابي بكر رضي الله عنه فقد صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما قطعها اشفاقاً من ان تفرض على امته وكان عمرؓ ممن نبه عليها وسَنَّهَا على الدوام فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة

اچھی بدعت ہے" اس سے مراد نماز تراویح ہے اسے یہ تو تعریف کے طور پر کہا ہے کیونکہ یہ تو اچھا فعل ہے اور جماعت کے اچھے کام پر شوق دلاتا ہے اگرچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہ تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جماعت سے پڑھایا ہے۔ البتہ آپ نے یہ سلسلہ پابندی کے ساتھ اس خوف سے ڈر کر چھوڑ دیا کہ تراویح امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ اسی سنت پر حضرت عمرؓ نے سب کو متنبہ فرمایا اور ہمیشہ کے لئے اس سنت کو جاری کر دیا۔ اس لئے ان کو اس فعل کا اور تمام لوگوں کا قیامت تک اجر ملتا رہے گا۔

اور نیل الاوطار کے حاشیے پر جو مصر میں چھپی ہے لکھا ہے:۔

وقول عمر نعمت البدعة اي الامر البديع الذي ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتُرِكَ في زمان ابي بكرؓ لاشتغال الناس فيما حصل بعد وفاة الرسول صلى الله عليه وسلم،

اور عمرؓ کے قول "نعمت البدعة" کا مطلب ہے بدیع اور نادر ہے یہ فعل جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں ان مشغولیتوں کے باعث چھوٹ گیا تھا جو رسول اللہ کی وفات کے بعد پیدا ہو گئی تھیں۔

باجی نے حضرت عمرؓ کے قول پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر	میرے بعد تم ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو۔

لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی رسول اللہ کی پیروی اور ان کی سنت، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی درانحالیکہ

واذا اجمع الصحابة علی ذالك مع عمرؓ زال عنه اسم البدعة	اور جب صحابہ کا مع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اجماع اور اتفاق ہوگیا تو بدعت کا نام اس سے جاتا رہا۔

علاوہ ازیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدین المھدیین	تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفا کی سنت لازم ہے۔

اس لئے بھی حضرت عمر کا یہ عمل کہ انہوں نے بتراویح پڑھنے کو ہمیشہ کے لئے ایک امام کے پیچھے جاری کردیا بدعت نہ ہوا۔ کیونکہ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ اور پھر تمام صحابہ، تابعین اور چاروں ائمہ نے اس پر اتفاق کیا اور کسی نے تردید نہیں کی۔ دراصل حضرت عمرؓ کے اس فعل کو بدعت کہنا بطور ظاہر کے تھا۔ لہذا اب جبکہ تمام صحابہ اور ائمہ اس پر متفق ہیں لہذا حضرت عمرؓ کے اس فعل کو بدعت کہنا بے ادبی ہے۔

عدد رکعات تراویح

رہا یہ مسئلہ کہ تراویح کی کتنی رکعتیں ہیں تو اس کے متعلق آنحضور علیہ السلام نے کوئی تعداد نہیں فرمائی کہ اس سے تجاوز کرنا اور اس پر زیادتی کرنا جائز نہ ہو۔ آخر تراویح کا شمار نفل

نمازوں میں ہوتا ہے۔ البتہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ۔

صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ
وسلم فی رمضان ثمان رکعات	رمضان میں آٹھ رکعتیں پڑھیں اور پھر وتر
ثم اوتر	پڑھے۔

اس روایت سے آٹھ رکعتوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ مطلقاً نہیں کہا جاسکتا کہ ہمیشہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آٹھ رکعتیں پڑھی ہوں۔ حضرت جابرؓ کو ہی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ انہوں نے تراویح میں جب آپ کی اقتدا کی ہو تو آٹھ پڑھی ہوں۔ اور اس سے پہلے بھی حضور پڑھ چکے ہوں۔ علاوہ ازیں آنحضورؐ کے ساتھ صحابہ کو دو راتیں تراویح کی اقتدا کا موقع نصیب ہوا ہے اس لئے حضرت جابرؓ کو جو صورت حال پیش آئی ہے اسی کے مطابق انہوں نے آٹھ تراویح کی تعداد بتلائی ہے۔ درانحالیکہ نعمان بن بشیر کی روایت میں ہے کہ ہم نے آنحضورؐ کے ساتھ تیئسویں رات میں اول تہائی رات تک نماز پڑھی اور پچیسویں میں نصف رات تک اور ستائیسویں میں تو سحری کے فوت ہونے کا ڈر ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے مختلف راتوں میں کم و بیش عبادت کی۔ لیکن آٹھ رکعتوں کے ماننے میں ہمیں اصرار اور انکار کی ضرورت نہیں درانحالیکہ صحیحین میں آٹھ کا ذکر ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضورؐ نے آٹھ ہی رکعتیں تراویح میں پڑھائی ہیں۔ یا پڑھی ہیں۔ رمضان کی رات میں قیام اور عبادت خود بھی حضور کا تہجد کے علاوہ معمول تھا

اور صحابہ نے بھی متفرق تراویح پڑھی ہیں۔ ان میں آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور زیادہ بھی یعنی بیس رکعتیں بھی ثابت ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی و بیہقی نے ابن عباس سے ایک روایت کی ہے کہ:۔

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان	آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رمضان میں
یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ	وتر کے علاوہ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے
سوی الوتر (ای فی بعض اللیالی)	(یعنی بعض راتوں میں)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی بیس رکعتیں بھی پڑھی ہیں۔ بہرحال فرائض اور واجبات کی یہ بحث نہیں ہے بلکہ نوافل کی ہے اور اس میں ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے آٹھ بھی پڑھی ہوں اور بیس بھی۔ لیکن بیس رکعتوں والی حدیث کو امام بیہقی نے ضعیف کہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں

اما بیہقی تضعیف ابن روایت کردہ لعلت	لیکن بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار
آنکہ راوی آں جد ابی بکر بن ابی شیبہ است	دیا ہے کیونکہ اس کا راوی ابی بکر بن ابی شیب
حالانکہ ابوشیبہ جد ابی بکر آں قدر ضعف	ہے۔ حالانکہ ابوشیبہ جد ابوبکر اس قدر کمزور نہ
ندارد کہ روایت اورا مطروح مطلق	کہ اس کی روایت کو ہی بالکل مسترد کر دیا جا
ساختہ شود	(فتاوی عبدالحی جلد اوّل صفہ ۸-۹)

شاہ عبدالعزیز کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مولانا عبدالحی صاحب فرنگ

لکھتے ہیں:۔

مقام غور است کہ عبداللہ بن لھیعہ کہ نزد	غور کا مقام ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ جو کہ
محدثین لغایت مرتبہ ضعیف است و	محدثین کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف

در ضعف ضرب المثل است۔ کما لا یخفی، محدثین روایتش قبول می سازند پس ابوشیبہ چہ جرم کردہ است کہ روایتش بالکل ترک کردہ میشود (فتاویٰ عبدالحی صفحہ ۹ جلد ۱)	ہے اور ضعف میں ضرب المثل ہے محدثین اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں پس ابوشیبہ نے کیا جرم کیا ہے کہ اس کی روایت کو بالکل ترک کر دیا جائے۔

آپ ابھی حضرت عمر کے واقعہ تراویح میں پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب کو جماعت سے تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور انہوں نے بیس تراویح پڑھائیں۔ تراویح کی یہ بیس رکعتیں جو حضرت عمر نے پڑھوائیں۔ اس سے حضرت عباس کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اور آٹھ رکعتوں والی حدیث کی اس سے مخالفت نہیں ہوتی۔ یعنی مسئلے کی تنقیح یہ ہوتی ہے کہ جائز آٹھ بھی ہیں اور بیس بھی۔ اور وہ جو حضرت عائشہ رضی سے حدیث ہے:۔

ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور اس کے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

تو اس سے مراد تہجد کی نماز ہے کہ حضور صلعم آٹھ رکعتیں تہجد کی اور تین، وتر کی پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوسلمہ جو اس حدیث کے راوی ہیں انہوں نے اس حدیث کے نیچے میں کہا ہے کہ

قالت عائشۃ قلت یا رسول اللہ تنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی (رواہ بخاری و مسلم)	عائشہ رض نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے ہی سو رہے ہیں فرمایا اے عائشہ میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے جن میں آٹھ رکعتیں ان کے علاوہ ہیں وہ تہجد کی نماز ہے۔

بہر حال چونکہ آٹھ رکعتوں میں قرآن کریم کی طویل قراءتیں اور لمبے لمبے رکوع کی تلاوت میں تراویح پڑھنے والوں کو دشواری سی ہو سکتی تھی اس لئے قرآن کریم کے روزانہ پڑھے جانے والے حصے کو بیس رکعتوں پر تقسیم کئے جانے میں سہولت تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے دوسری روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا جس کو عام صحابہ اور تابعین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا اور اس پر عمل کیا۔ چنانچہ امام بیہقی لکھتے ہیں:۔

ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث۔	کہ تراویح کا معاملہ بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے طے پا گیا اور وراثت کے طور پر ہو گیا۔

علی قاری نے شرح نقایہ میں تحریر فرمایا:۔

فصار اجماعاً کما روی البیہقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عھد عمرؓ بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمانؓ وعلیؓ	بیہقی نے جو کچھ صحیح سند کے ساتھ (بیس رکعت کے متعلق) روایت کیا ہے وہ اجماع کے درجہ میں ہے کیونکہ صحابہ عہد عمرؓ اور عہد عثمانؓ و علیؓ میں بیس رکعت پر قائم تھے۔

جیسا حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابی جن کے متعلق آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ فرمایا ہوا انا مدینۃ العلم وعلی بابھا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ وہ حضرت علیؓ جو فقہی مسائل میں حضرت عمرؓ کی تصحیح کیا کرتے تھے انہوں نے بھی اور تمام صحابہ نے تراویح کی بیس رکعتوں پر اتفاق کیا۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت اور ہدایت تھی جس کو انہوں نے قائم کیا اور

تمام صحابہ نے ان سے اتفاق کر لیا۔ میرے خیال میں ان کے متفقہ فیصلے پر نکتہ چینی کرنا زبردست لغزش ہوگی۔

صاحب بحر نے کہا ہے کہ جمہور کا قول بیس رکعتوں کے متعلق ہے جیسا کہ موطا میں یزید بن رومان سے ہے انہوں نے فرمایا کہ :۔

كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور اسی پر مشرق اور مغرب کے لوگوں کا عمل ہے۔

تیئیس رکعتوں میں بیس تراویح کی اور تین وتر کی رکعتیں شامل ہیں۔ لہذا اسی پر دنیائے اسلام کی اکثریت کا اتفاق ہے۔

وہ عمرؓ جن کی رائے کے موافق کئی دفعہ وحی الٰہی نے اتفاق کیا ہے۔ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح میں سے یہ اخذ کرنے کا موقع ملا ہے کہ حضورؐ نے آٹھ بھی پڑھی ہیں اور بیس بھی لہذا بیس رکعتوں پر قرآن کریم کی قرات کو تقسیم کرنے سے امت مسلمہ کے لئے متعدد قیام و رکوع و سجود کے باعث ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف مناسب اور معتدل تبدیلی سے عبادت میں آسانی اور سہولت ہو جائے گی۔

راقم الحروف نے پاکستان میں ایک خصوصی جماعت کو بیس رکعتیں پڑھنے والے حنفی حافظوں کے پیچھے متواتر اور مسلسل بیس رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے اور یہ کہتے سنا ہے کہ نفلی طور پر قرآن کریم سننے کی خاطر بقیہ اور رکعتیں پڑھ لیتے

میں کیا حرج ہے۔

میرے نزدیک اس مسئلے میں وسعت قلبی کی ضرورت ہے مختلف خیال کے مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے وقت بلند خیالی کا ثبوت دیں تراویح کی رکعتیں آٹھ بھی درست ہیں اور بیس بھی لیکن جب صحابہ نے ایک عمل پر اتفاق کر لیا تو اس کی مخالفت بھی درست نہیں۔ ذرا سوچیے ایک طرف آپ کی ایک جماعت ہے اور دوسری طرف صحابہ کا اجماع۔

بیماری اور خستگی میں

اگر انسان بیمار ہے یا بیماری کے باعث ضعف سے دو چار ہے یا سفر کی حالت میں تھکا ماندہ ہے تو ایسے حالات میں اگر آٹھ تراویح پڑھ کر مفت کی سعادت سے محروم نہ رہے تو کیا مضائقہ ہے لیکن اہل دل کو کیا کہیے کہ ان پر کچھ گذر جائے رمضان کی ایک ایک سعادت کے مقابلے میں وہ جواں ہمت ہو کر بیس پڑھنے میں ہی راحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے ذوق و وجد میں نفس، ضعف، بیماری کوئی چیز بھی حائل ہونے نہیں پاتی۔

بیس کے عدد میں حکمت

علامہ حلبی نے تراویح کی بیس رکعتوں پر حکیمانہ کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

ان الحکمۃ فی کونہا عشرین ان السنن شرعت مکملات للواجبات وہی عشرون بالوتر فکانت التراویح کذالک لتقع المساواۃ بین المکمِّل والمکمَّل

تراویح کے بیس رکعت ہونے میں یہ حکمت ہے کہ سنتیں (نوافل) فرض و واجب کو مکمل کرنے کے لئے شروع کی گئیں اور فرائض نماز مع تکمیل وتر کے بیس ہوتے ہیں لہذا تراویح بھی اتنی ہی ہوں تاکہ تکمیل کرنے والی چیز اور مکمل میں مساوات رہے

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:-

در ثبوت مواظبت صحابہ از زمان عمرؓ بریں	بیس تراویح کے عدد پر حضرت عمرؓ کے زمانے سے
عدد شکی نیست و ہمچنانکہ مواظبت نبویہ	اس عدد میں شک نہیں ہے اور جس طرح حضورؐ
سنت موکدہ میگرداند مواظبت خلفا ہم	کا ہمیشہ کا عمل سنت موکدہ بن جاتا ہے
موجب سنت می شود (فتاوی صفحہ ۹ جلد اول)	اسی طرح خلفا کا ہمیشہ کا عمل بھی سنت موکدہ ہے

آمدم برسر مطلب

ہمارا مقصد اس سلسلۂ تراویح میں ابتدا سے یہ تھا کہ اول تو رمضان اور رمضان میں دن کو روزے اور رات کو تراویح کی شکل میں قیام اور اس میں قرآن کریم کی قرات ان چار چیزوں کا اجتماع مومن کے لئے نور پہ نور اور دل کے لئے سرور پر سرور کا کام دیتا ہے۔ اس لئے رمضان میں دن کے روزوں کے علاوہ راتوں کو نماز کے قیام اور قرآن کریم کی قرات و تلاوت کا اجتماع ہونا مناسب تھا جو بے انتہا برکات اور سعادات کا باعث ہو کہ ان کے مقابلے میں دنیا کی تمام دولت و ثروت ہیچ ہے۔

تراویح کی لغوی تحقیق اور فقہی مسائل

تراویح، ترویح کی جمع ہے جو عربی کے مصدر تفعیل کے وزن پر ہے۔ ترویح، ترسیح، تفصیل یہ سب مصادر تفعیل کے وزن پر ہیں۔ ترویح کا مادہ ر و ح ہے اور اس کے معنی راحت و آرام کے ہیں۔ چونکہ ہر چہار رکعتوں کے بعد نمازی آرام و راحت اختیار کرتا ہے اور سستاتا ہے اس لئے ان کو تراویح کہتے ہیں۔

ہلال رمضان نمودار ہونے کے بعد اب رمضان کی پہلی رات شروع ہو گئی ہے۔ چونکہ شریعت اسلامیہ میں رات دن سے پہلے آتی ہے اس لئے رمضان کا آغاز

چاند کے بعد ہو چکا ہے۔ اب سب سے پہلی خصوصی عبادت کی ابتدا عشا کی نماز کے بعد نماز تراویح سے ہوتی ہے۔

نماز تراویح سنت موکدہ ہے

فجر کی دو سنتوں، ظہر کی چھ سنتوں اور مغرب عشا کی دو دو سنتوں کی طرح رمضان شریف میں نماز تراویح بھی سنت موکدہ ہے جس پر صحابہ نے ہمیشگی کے ساتھ عمل کیا ہے۔ نماز تراویح کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے۔ عشا کے فرض اور دو سنتوں اور نفلوں کے بعد تراویح پڑھنی چاہئیں۔ اور دو دو رکعت کی نیت سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ تراویح کے بعد وتر کی نماز ادا کرنی چاہئے۔ فقہ کی کتابوں میں ہے:۔

التراویح سنة موکدة للرجال	تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے سنت موکدہ
والنساء و وقتها بعد صلوٰة العشاء	ہیں اور ان کا وقت عشا کی نماز کے بعد صبح ہونے
الی الفجر قبل الوتر وهی عشرون	تک وتر سے پہلے ہے۔ اور ان کی بیس رکعتیں
رکعة بعشر تسلیمات (شرح تنویر ج۱ صـ۲۳۶)	ہیں دس سلاموں کے ساتھ۔

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اتنی ہی دیر تک بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مہینہ عبادت اور ذوق و شوق کا ہے۔ لیکن اگر اس قدر بیٹھنے میں نمازیوں کے کم ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اس سے کچھ تھوڑی دیر تک بیٹھ سکتے ہیں۔ اس عرصے میں یہ ذکر زبان پر جاری رکھے:۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ	پاک ہے ملک اور ملکوت والا
سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ	پاک ہے عزت ہیبت اور
وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ	قدرت و کبریا اور جبروت والا۔ پاک

وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ	ہے زندہ رہنے والا۔ جو نہ سوتا ہے اور نہ
اَلَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ	فنا ہوتا ہے۔ سبوح قدوس ہمارا اور
قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ	فرشتوں اور جبریل کا رب۔ اے اللہ
وَالرُّوْحِ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ	مجھے آگ سے محفوظ رکھ۔ اے پناہ دینے والے۔
یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ۔	اے پناہ دینے والے۔ اے پناہ دینے والے۔

۲۔ اگر کوئی شخص اتنی دیر سے عشا کی نماز کے لئے پہنچا کہ فرض ہو چکے تھے۔ اور تراویح کی نماز ہو رہی تھی تو اس کو چاہئے کہ پہلے فرض نماز پڑھے اور پھر دو سنتیں پڑھ کر تراویح میں شامل ہو اور جتنی تراویح کی رکعتیں رہ گئی ہیں ان کو وتروں کے بعد پوری کرے۔ نیز وتر امام کے ساتھ ادا کرے۔

وتروں کا تراویح سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے

ویصح تقدیم الوتر علی التراویح	وتر کا تراویح سے پہلے پڑھ لینا بھی صحیح ہے
وتاخیرھا عنھا وھو افضل	اور بعد میں بھی لیکن بعد میں پڑھنا افضل
(مراقی صفہ ۲۲۵)	اور بہتر ہے۔

۳۔ اگر کسی شخص نے عشا کے فرض جماعت سے نہیں پڑھے تو اس کو دوسرے نمازیوں کے ساتھ تراویح جماعت سے پڑھنی جائز ہے جنہوں نے عشا کے فرض جماعت کے ساتھ ادا کئے ہیں۔ اسی طرح وتر بھی جماعت سے ادا کرنے جائز ہیں۔

۴۔ اگر کسی شخص نے عشا کے فرضوں کے بعد نماز تراویح پڑھ کر فراغت حاصل کر لی اور پھر معلوم ہوا کہ فرض نماز میں کوئی ایسی بات ہو گئی تھی جس سے نماز میں فساد ہو جاتا ہے تو اس کو فرض لوٹانے کے بعد تراویح کی نماز بھی دوبارہ پڑھنی ہو گی۔

مراقی الفلاح اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔

ولو تبين فسد العشاء دون التراويح اعاد العشاء ثم التراويح (مراقی الفلاح صفحہ ۲۲۵ فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۱۷ جلد ۱)

اگر عشا (کے فرضوں) کا فاسد ہونا ظاہر ہو گیا حالانکہ تراویح میں فساد کی کوئی بات نہیں ہوئی تو عشا کی نماز لوٹائے اور پھر تراویح بھی دوبارہ پڑھے۔

۵۔ تراویح میں ایک قرآن کا ختم کرنا سنت موکدہ ہے

رمضان شریف کے مہینے میں ایک مرتبہ ترتیب کے ساتھ تراویح میں قرآن کریم کا ختم کرنا سنت موکدہ ہے۔ اور جب تک نمازیوں کا ذوق و شوق نہ ہو ایک سے زیادہ قرآن تراویح میں نہ پڑھا جائے۔ حافظوں کو چاہیے کہ روزانہ سوا پارے سے زیادہ نہ پڑھیں اور ہر رکعت میں ایک رکوع کا حساب رکھیں، مقتدی دن بھر روزے اور دیگر کاروبار دنیاوی میں رہتے ہیں لہذا ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ قوم کا بھی فرض ہے کہ وہ سستی، کاہلی، بے رغبتی اور بے پروائی سے کام نہ لیں بلکہ تراویح میں ذوق و شوق اور صبر سے کام لیں کہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

شبینہ

ایک رات میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا نام شبینہ مشہور ہے۔ شبینہ جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں وہی نمازی ہوں جو ذوق و شوق سے حصہ لیں۔ اور ان کو تمام رات کا قیام گراں نہ گذرے لیکن اگر ان پر ناگوار ہو تو پھر شبینہ مکروہ ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ختم قرآن

مراقی الفلاح میں امام اعظم سیدنا امام ال

کے متعلق روایت ہے :۔

عن ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ انه کان یختم فی رمضان احدی وستین ختمة وفی کل یوم ختمة وفی کل لیل ختمة وفی کل التراویح ختمة (مراقی الفلاح صفہ ۲۲۶)

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ رمضان میں اکسٹھ قرآن ختم کرتے تھے (بایں حساب) کہ دن میں ایک اور رات میں ایک قرآن ختم کرتے اور تمام تراویح میں ایک قرآن پڑھتے۔

۶۔ بسم اللہ کا زور سے ایک مرتبہ تراویح میں پڑھنا

چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کی ایک آیت ہے لہٰذا کسی ایک تراویح میں کسی سورت سے پہلے حافظ کو چاہیئے کہ ایک دفعہ زور سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تاکہ مقتدی بھی سن لیں لیکن اگر اس نے آہستہ سے پڑھ لی کہ مقتدیوں نے نہ سنی تو امام کے حق میں پورے قرآن کریم کا ختم کر دینا اور سنت کی ذمہ داری سے بری ہو جانا ثابت ہو جائے گا البتہ مقتدیوں کا قرآن پورا سننا ثابت نہ ہو گا کہ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سننے کی کمی باقی رہ جائے گی۔

۷۔ تمام تراویح سنت موکدہ ہیں

بعض لوگ اول و آخر رمضان میں تراویح پڑھتے ہیں اور درمیان میں غائب رہتے ہیں۔ ایسا کرنے سے وہ سنت موکدہ کے چھوڑنے کے مرتکب ہو کر گناہگار ہوتے ہیں۔ تمام مہینے میں تراویح پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ بعض صاحبان ختم قرآن کریم کے بعد تراویح چھوڑ دیتے ہیں یہ بھی سنت موکدہ کا ترک کر دینا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

لوحصل الختم ليلة التاسع عشر او الحادي والعشرين لا يترك التراويح بقية الشهر لانها سنة (فتاوی عالمگیری صفہ ۱۱۸)

اگر قرآن کریم انیسویں یا اکیسویں (یا کسی تاریخ) کو ختم ہوا تو بقیہ مہینے تراویح نہ چھوڑی جائیں۔ کیونکہ وہ ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری)

۸۔ سورت قل ھواللہ کا تین مرتبہ پڑھنا

آج کل عام حفاظ نے یہ رسم بنا لی ہے کہ خ قرآن کے موقع پر جب سورۂ اخلاص یع قل ھواللہ پڑھنے کا وقت آتا ہے تو ا کو تین بار پڑھتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا رسم بن مکروہ ہے اور رسم کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

قراءة قل ھو اللہ احد عقیب الختم لم یستحسنها بعض المشائخ واستحسنها اکثر المشائخ (عالمگیری صفہ ۳۵۱ جلد ۱)

قرآن کے ختم کے بعد قل ھواللہ احد پڑ کو بعض مشائخ نے مستحسن قرار نہیں و اور اکثر مشائخ نے اچھا ہونا کہا ہے۔

اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ اگر کبھی کبھی ایسا کر لیا جائے تو کوئی مضا نہیں مستحسن ہے جیسا کہ اکثر مشائخ نے کہا ہے لیکن اگر موجودہ زمانے کے مطا اس کو رسم بنا لیا جائے اور پابندی سے اس پر قائم رہا جائے تو پھر اس طرح یہ عم رسم بن کر مکروہ کے درجے میں پہنچ جائے گا جس کا چھوڑ دینا ہی صحیح ہے اگر کسی ایک ہی سورت کا نماز میں مکرر پڑھنا ناجائز نہیں۔

کچھ حفاظ کے متعلق

حفظ قرآن ایک ایسی نعمت ہے کہ دنیا کا تمام مال و دولت، عزت و وجاہت، حکومت اور سلطنت دے کر فظ قرآن کی دولت مل جائے تو ارزاں ہے۔ اور اگر کسی کے پاس حفظ قرآن کی ولت ہو اور دنیا کا کچھ نہ ہو تو اس کے پاس سب کچھ ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ننھے ننھے سینے قرآن لی دولت اگلتے ہیں اور اس خزانے کے موتی تراویح میں فر فر سنا کر لٹاتے ہیں۔ افظوں کے سینے قرآن کے دفینے ہیں جن میں خزانوں کے انبار لگے ہیں۔ للہ اللہ کتنا پرلطف ہوتا ہے وہ منظر جب چھوٹے چھوٹے حافظ بچے تراویح ہیں قرآن کریم سنا کر سننے والے مومنوں کے دلوں کو باغ باغ بنا دیتے ہیں۔ یہ ھی قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اگر بالفرض صفحات کاغذ سے قرآن کو مٹا دیا جائے تو دلوں کی لاکھوں تختیاں ایسی ہیں جن سے دنیا کی کوئی قوت قرآن کو محو نہیں کر سکتی۔ یہ صرف اس لئے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار خود خدا ہے جس کا یہ کلام ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

فضیلت حفظ قرآن و عامل قرآن

قرآن کریم حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں حدیث میں ہے:-

عن علی قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم من قرأ القرآن
فاستظہرہ فاحل حلالہ وحرم
حرامہ ادخلہ اللہ الجنۃ وشفعہ
فی عشرۃ من اہل بیتہ کلہم
قد وجبت لہ النار (دارمی، ابن ماجہ
احمد اور ترمذی نے روایت کی)

علیؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ر
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآ
پھر اُسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلا
اور حرام کو حرام تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت
داخل کرے گا اور اس کے دس گھر وال
(جن کے فسق کی وجہ سے ان پر جہنم وا
ہو گئی تھی) حق میں اس کی شفاعت قبو

اگرچہ اس حدیث کو ترمذی نے غریب کہا ہے کیونکہ اس کا راوی حفص
سلیمان قوی نہیں تاہم فضیلت کے باب میں یہ حدیث قابل قبول ہو سکت

قاری قرآن اور عالم باعمل کی فضیلت

ایک اور حدیث ہے:

عن معاذ ن الجھنی قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من قرأ القرآن وعمل بما فیہ
البس والداہ تاجا یوم القیامۃ
ضوءہ احسن من ضوء الشمس
فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم
فما ظنکم من عمل بھذا
(احمد و ابو داؤد)

معاذ جہنی سے روایت ہے انہوں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
جس نے قرآن پڑھا اور جو کچھ اس میں ہے
پر عمل کیا تو اس کے ماں باپ قیامت
ایک تاج پہنائے جائیں گے جس کی روشنی
کی روشنی سے جو تمہارے دنیا کے گھروں میں
زیادہ اچھی ہوگی پس تمہارا کیا گمان ہے
متعلق جس نے قرآن پر عمل کیا۔

اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں حافظوں اور عالمان دین کے متعلق موجود
جن سے حافظوں، قاریوں اور علما کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ بہرحال جب
رت حال یہ ہے تو تراویح میں قرآن پڑھنے والے حافظوں کا مقام یقیناً
ت بلند ہے۔

ت حفاظ

کتنے ایک حافظ صاحبان قرآن کریم سنانے کا معاوضہ ٹھہرا لیتے
ہیں حفاظ کو چاہئے کہ تراویح میں قرآن کریم کے پڑھنے کی اُجرت
رائیں، یہ نیت کبھی نہ کریں کہ وہ چند ٹکوں کے بدلے قرآن کریم کو فروخت کر دیں گے
ت خالص اور دل مخلص سے رمضان میں فی سبیل اللہ قرآن سنائیں۔ جو
سودا بازی کرتے ہیں وہ دراصل حفظ قرآن کی قیمت کو گراتے ہیں۔ ہاں
ین کو چاہئے کہ ختم قرآن کے موقع پر ان کی بیش از بیش خدمت کریں
ی قلیل البضاعت اور زمانے کی دینی کساد بازاری کے باعث کس مپرسی کے
ول لاچار حافظوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ دراصل دین کو اسلامی حکومتوں کی
پستی کی بے حد ضرورت ہے۔ اس لئے حفاظ اور علما کے لئے اسلامی حکومتوں
ظائف کا اجرا دین و مذہب کی سربلندی کا سبب ہو سکتا ہے۔

بعض حافظ نہیں بلکہ بہت سے حافظ پہلی اور دوسری تراویح میں ایک ایک
پڑھ جاتے ہیں اور لوگوں کو مضطرب بنا چھوڑتے ہیں اور بقیہ اٹھارہ تراویح
یا دو پارہ جلد جلد پڑھ کر گڈا گڈ رکوع و سجود کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں
تر کی روح کے قطعاً منافی ہے۔

بعض حافظ صاحبان ابتدائی ایام میں قرآن کریم کا اکثر حصہ ختم کر دیتے

ہیں اور آخری ایام میں پڑھنے کے لئے تھوڑا سا حصہ رکھ لیتے ہیں۔ یہ اعتدال کے
قطعاً خلاف ہے۔

بعض صاحبان کئی مساجد میں سنا کر حصول زر کا سامان فراہم کرتے ہیں یعنی
کہ دس دن میں ایک مسجد میں اور دوسرے دس دن میں دوسری مسجد میں اور تیسرے
دس دن میں کسی تیسری مسجد میں قرآن کریم کے ختم کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں
اس طرح زیادہ روپیہ کمانے کے لئے رمضان کو سیزن بناتے ہیں۔ اور ہر جگہ فر
اور بعجلت قرآن کریم ختم کرتے ہیں کہ رکوع و سجود برائے نام رہ جاتے ہیں۔

بعض حفاظ اتنا تیز قرآن پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ
جب رکوع ختم کرتے ہیں تو یعلمون اور تعلمون کا لفظ سمجھ میں آتا ہے اور
اس کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں قرآن یاد نہیں ہوتا۔ نہ الفاظ صاف پڑھ
اور نہ کوئی غلطی نکالے گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

حفاظ کی معاصرانہ چشمک

بعض حفاظ اپنی مسجد میں جلد تراویح پڑھا
دوسرے حافظوں کا تعاقب کرتے ہیں اور
کو اثنائے قرأت قرآن میں ٹوک کر راہ سے بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں
بعض حافظ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ انہوں نے پیچھے ٹوکنے والے حافظوں کو اثن
تلاوت میں گالیاں تک دی ہیں لیکن اس طرح کہ دوسرے یہ سمجھتے ہیں کہ
قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ یہ بات لہجے سے متعلق ہے۔ کپورتھلہ جہاں کے
کالج میں یہ راقم الحروف بارہ سال پروفیسر رہا وہاں ایک حافظ صاحب کے
متعلق روایت سننے میں آئی کہ وہ ٹوکنے والے حافظوں کو جو ان کے ساتھ ترا

تے تھے تراویح میں قرآن کی قرائت کے اثنا میں عربی لہجے میں گالیاں دے جاتے اور نماز جاری رکھتے تھے۔

بعض حافظوں کو جن کو پورا قرآن یاد نہیں ہوتا وہ درمیان سے اتنے حصے کو ڑ کر آگے چل دیتے ہیں اور بے چارے مقتدیوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

امع

سامع کا حافظ کے پیچھے ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن بعض سامع جو کسی حافظ کے استاد ہوتے ہیں وہ اپنے شاگرد کی غلطیوں کو نظرانداز جاتے ہیں مبادا شاگرد کا بھرم کھل جائے۔ اور بعض حافظ اپنی غلطیوں کو تسلیم نہیں کرتے اور کسی جائز لقمہ دینے کو بھی قبول نہیں کرتے۔

م ترکیف
ور تراویح

حافظوں کی ان آفات سے نجات اور خلاصی کے لئے علما نے لکھا ہے کہ پھر الم ترکیف سے قل اعوذ برب الناس تک کی سورتوں سے تراویح کا پڑھنا بہتر ہے۔ اور کچھ اس لئے کہ اگر کسی جگہ لوگ پورا قرآن کریم سننے میں سست ہو جائیں تو پھر الم ترکیف تراویح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ قوم کی بدقسمتی کا ماتم کہ وہ ختم قرآن کی بجائے الم ترکیف پر قناعت کر بیٹھے۔ ہاں اگر حافظ صاحب یں دستیاب نہ ہوں تو پھر ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بینا اور نابالغ
فظ کی امامت

فقہا نے اس نابینا کے پیچھے جو نجاست سے پوری احتیاط کرتے ہیں۔ بلا کراہت نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حدیث میں ہے:۔

ن انس قال استخلف رسول اللہ   انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم مقام
یؤمّ الناس وھو اعمٰی	بنایا ابن ام مکتوم کو کہ وہ لوگوں کی امامت
(رواہ ابوداؤد)	کریں حالانکہ وہ نابینا تھے۔

معلوم ہوا کہ نابینا کا امام بنانا بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ حنفیوں کے نزدیک نابالغ لڑکوں کو امام بنا کر ان کے پیچھے فرض نمازیں پڑھنا جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :-

" نہ امامت کرے وہ لڑکا جس پر حدود (احکام خداوندی) واجب نہیں ہوئیں" (مظاہر حق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ)

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں :-

" نہ امامت کرے لڑکا یہاں تک کہ اس کو احتلام (یعنی بالغ) نہ ہو"
(مظاہر حق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ)

نوافل اور تراویح میں بھی بہتر یہ ہے کہ نابالغ لڑکوں کو امام نہ بنایا جائے لیکن اگر نابالغ حافظوں کے پیچھے تراویح پڑھ لی جائیں تو گنجائش ہے۔ بلخ مصر اور شام کے حنفی علما و فقہا نے نوافل میں نابالغ لڑکوں کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ مذکورہ فقہا کے علاوہ اور فقہائے احناف نے نابالغ لڑکوں کے پیچھے تراویح اور نوافل کو بھی جائز قرار نہیں دیا۔ دراصل نابالغ لڑکے اپنی طہارت کا پورے طور پر خیال رکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صحیح نماز پڑھانے کے اہل بھی نہیں ہوتے۔ امام کا عالم ہونا ضروری ہے کہ اس کی اہلیت پر مقتدیوں کی نماز کا دار و مدار ہے۔ کیا تعجب ہے اور بالخصوص ایسے موجودہ دور میں کہ ایسے

غیر ذمہ دار لڑکے طہارت سے بھی دور رہتے ہوں اور ایسی حالت میں نماز پڑھانے کی بھی پروا نہ کرتے ہوں۔

حکایت بعض لوگوں کو یہ حکایت کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ بعض امام دیہات میں وضو کے بغیر بھی نماز پڑھا دیتے ہیں دریغ نہیں کرتے۔ جب ان سے کہا گیا تو جواب ملا کہ یہ مجھے کون سا معاوضہ دیتے ہیں کہ میں نماز پڑھانے کے لئے ان کی خاطر وضو کی تکلیف برداشت کروں۔ جیسا ان کا دینا ویسا ہی میرا گانا بجانا۔ لہذا احتیاط یہی ہے کہ نابالغ حافظوں کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے لیکن اگر زمانے کے حالات کے تقاضے کچھ اور ہوں۔ حافظوں کی کمی ہو اور ایسے نابالغ حفاظ طہارت کا خیال اور صحیح نماز پڑھانے سے باخبر ہوں تو پھر بہر حال ان کے پیچھے تراویح پڑھنے کی گنجائش ہے۔ راقم الحروف کا خود مشاہدہ ہے کہ میں نے لڑکے تو لڑکے بعض سمجھدار ادھیڑ عمر کے متین آدمی بھی بغیر وضو نماز پڑھتے اور پڑھاتے دیکھے ہیں۔

الحاصل حفاظ اور مقتدیوں کو رمضان کی راتیں اسی ذوق و شوق سے عبادت میں گذارنی چاہئیں کہ تراویح اور رمضان کی روح دلوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ صحابہ کا یہ حال ہوتا تھا کہ ساری ساری رات تراویح میں گذار دیتے تھے اور لطف لے لے کر پڑھتے تھے۔ حدیث میں ہے:

عبداللہ بن ابی بکر سے ہے انہوں نے کہا	عن عبد اللہ بن ابی بکر قال
کہ میں نے اُبی (بن کعبؓ) سے سنا وہ	سمعت اُبیًّا یقول کنا ننصرف
کہتے تھے کہ ہم رمضان کی تراویح پڑھ کر	فی رمضان من القیام

نستعجل الخدام بالطعام مخافة فوت السحور (فی اخری) مخافة الفجر (رواہ مالک)

لوٹتے تھے تو خادموں کے کھانا جلد پکانے کو کہتے سحری کے رہ جانے کے خوف کی وجہ سے۔

سحری

سحری کا لفظ سحر سے نکلا ہے۔ روزہ رکھنے کے لئے رات کے آخری حصے میں کھانے کا نام سحور، سحر یا سحری ہے۔ سحور میں برکت ہے، نشاط ہے روزے کا اہتمام ہے۔ رات کے آخری وقت اٹھنا نیند کو چھوڑ کر روزے کی تیاری کرنا بڑی عبادت اور جہاد ہے۔ سحری صبح کو جلد اٹھنے کی عادت پیدا کرتی ہے۔ سحری کا وقت رات کا آخری چھٹا حصہ ہے۔ سحری کا وقت معرفت اور دل سے حجاب اٹھنے کی ساعت ہے۔ سحری کی سنت مسلمانوں کے لئے خاص رحمت کبریٰ ہے۔ سحری کا وقت رات کا آخری وقت ہے۔ سحری ہلکی اور تھوڑی ہونی چاہئے۔

رویت ہلال کے بعد تراویح سے مسلمان فارغ ہو کر سو چکے ہیں۔ سوتے سوتے رات کا آخری وقت ہو چکا ہے۔ اب سحری کی سنت کا وقت آچکا۔ لیکن سحری کھانے سے پہلے سحری کی تفصیلات معلوم ہونا ضروری ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:-

سحور، سحر یا سحری کی لغوی حقیقت

سَحُور سین کے زبر اور پیش کے ساتھ دونوں طرح درست ہے لیکن سَحُور (زبر کے ساتھ) اسم ہے جس کے معنی آخری شب کی غذا اور طعام کے ہیں اور سُحُور (سین کے پیش کے ساتھ) مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں سحری کا کھانا کھانا۔ اور ہماری زبان میں عام طور پر اس کو سحری کہتے ہیں۔ ان سب الفاظ کی مراد عرف عام میں اس کھانے سے ہے جو روزہ رکھنے کے لئے صبح صادق ہونے سے پہلے رات کے آخری حصے میں کھایا جائے۔ عربی کی مستند لغت کی کتاب میں سحر کے متعلق حسب ذیل تحقیق پیش کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

السحر هو قُبَيْلُ الصبح سحر صبح صادق ہونے سے کچھ دیر پہلے وقت کا نام ہے

لیکن کشاف میں سحر کے وقت کا تعین ان الفاظ میں کیا گیا ہے لکھتے ہیں:

السحر هو السدس الاخير من الليل سحر رات کے آخری چھٹے حصے کا نام ہے۔

اس عبارت کا یہ منشا ہے کہ فرض کیجئے اگر رات بارہ گھنٹے کی ہو اور سورج چھ بجے چھپا ہو تو رات کے آخری دو گھنٹے یعنی چار بجے سے چھ بجے کا وقت سحر کہلائے گا۔ اور اس وقت میں جو کھانا کھایا جائے۔ سحور کہتے ہیں۔ اور بعض محققین نے اس کے وقت کی ابتدا نصف شب سے قرار دی ہے یعنی سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا اس تحقیق کی بنا پر اگر کوئی شخص آدھی رات ہونے پر سحری کھائے گا تو اس کو سنت کا ثواب مل جائے گا

آنحضورؐ کی سحری کا وقت

اس سلسلے میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہوگا کہ آنحضورؐ نے سحری کس وقت تناول فرمائی

حدیث کی مشہور و مستند کتاب مسلم میں حضرت زید بن ثابت سے حسب ذیل روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

تسحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
علیہ وسلم ثم قمنا الی الصلٰوۃ	سحری کھائی پھر ہم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔
قلت کم کان قدر ما بینھما قال	میں نے کہا کہ دونوں (سحری اور نماز) کے درمیان
خمسین اٰیۃ	کتنے وقت کا فاصلہ تھا فرمایا پچاس آیتوں کا۔

اس حدیث سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سحری تناول فرمانے اور نماز کے لئے قیام کرنے کا درمیانی عرصہ اس قدر معلوم ہوا کہ جس میں پچاس آیتیں پڑھی جا سکیں۔ مگر امام بخاری نے اسی حدیث کو روایت کرتے ہوئے اتنی تشریح اور کی ہے۔

ای متوسطۃ لا طویلۃ ولا	یعنی پچاس متوسط درجے کی آیتیں نہ طویل اور نہ
قصیرۃ لا سریعۃ ولا بطیئۃ	چھوٹی نہ جلدی سے پڑھی گئی ہوئیں اور نہ ٹھہر ٹھہر کر

اگرچہ امام بخاری نے قارئین کے لئے پچاس آیتوں کی نوعیت متعین کر دی لیکن وقت کا تعین انہوں نے بھی نہیں کیا۔ البتہ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :-

یعنی قدر ثلث خمس ساعۃ	یعنی تین پانچ ساعت کی مقدار جو چار دقیقوں
(ای اربع دقائق) ولعلھا	کے برابر وقت ہے اور شاید کہ وضو کرنے کی
مقدار ما یتوضأ الخ	برابر وقت کا عرصہ۔

حافظ ابن حجرؒ نے گویا آنحضور علیہ السلام کے سحری کھانے اور نماز کے لئے صبح

ہوتے ہی قیام کرنے کے درمیان کا عرصہ اتنا تحریر فرمایا ہے کہ اتنے عرصے میں سحری کھانے کے بعد حضورؐ نے وضو کی کہ اس کے بعد صبح ہو گئی۔ گویا تقریباً صبح صادق سے آٹھ دس منٹ پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سحری تناول فرما کر فارغ ہو گئے تھے۔

ہماری تحقیق کا منشا صرف یہ ہے کہ سحری کا رات کے آخری حصے میں کھانا مستحب ہے۔ البتہ خطرہ مول لینا مناسب نہیں۔ آج کل شہروں میں سحری و افطار کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں۔ تاہم گولا چھوٹنے اور سائرن بجنے سے چند منٹ پہلے فارغ ہو جانا چاہئے۔ لیکن اگر گولے چند منٹ پہلے چھوڑے جاتے ہیں تو منہ صاف کرنے یا پانی پینے وغیرہ میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اپنی گھڑی کی صحت اور ظاہری وقت کے پیمانے پر اعتماد ہو۔ تاہم ہر حال میں احتیاط لازم ہے۔

سحری کے فضائل

سحری کا کھانا سنت ہے۔ سحری کی حدیث میں بڑی ہی فضیلت آئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسحّروا فان فی السحور برکۃ	انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔
(مسلم باب فضل السحور)	(مسلم)

سحری میں برکت کا مطلب

تَسَحَّرُوْا کے معنی "سحر کے وقت کچھ کھا لیا کرو" کے ہیں۔ رہا سحری کھانے میں برکت کا مطلب تو برکت سے مراد اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں اگر سحری میں برکت سے عام معنی مراد

لیے جائیں اور وہ یہ ہیں کہ چیز اگرچہ تھوڑی ہو لیکن اچھی نیت کے باعث اس میں اللہ تعالیٰ ایسا اثر چھپا دیتے ہیں کہ ذرا سی چیز زیادہ مقدار کے برابر کام دے جاتی ہے۔

سحری میں برکت اس لئے بھی کہ عموماً سحری تھوڑی کھائی جاتی ہے اور اتنی ہی غذا کھا کر انسان تمام دن روزہ رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ گویا یہ سحری صبح کے ناشتے اور دوپہر کے کھانے کا کام دیتی ہے حالانکہ ناشتے اور دوپہر کے کھانے سے سحری کی مقدار کم ہوتی ہے اور یہی برکت کا مطلب ہے کہ دو وقت کی غذا کی مقدار کی برابر سحری کا تھوڑا سا کھانا تمام دن کے روزہ رکھنے میں معاون ہوتا ہے اور برکت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ روزہ رکھنے کی قوت پیدا کرتا اور مشقت کو ہلکا بنا دیتا ہے۔

سحری کے بعض اور فضائل

حدیث میں ہے کہ تین ایسے آدمی ہیں کہ ان سے کھانے کا قیامت میں کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ بشرطیکہ ان کی روزی حلال ہو۔ روزہ دار سحری کھانے والا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں محافظ یعنی دارالاسلام میں رہ کر کفار سے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے والا۔ (یہ حدیث طبرانی نے روایت کی ہے) لیکن اس حدیث کے دو راوی مجہول الحال ہیں۔

ایک اور حدیث میں جو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔ سحری کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے:۔

عرباض ابن ساریہ سے ہے کہ مجھے رسول	عن العرباض بن ساریۃ قال
صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں مجھے	دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الی السحور فی رمضان فقال ھلم   سحری کھانے کے لئے بلایا تو فرمایا کہ میرے پاس
الیٰ الغداء المبارک (ابوداؤد و نسائی)   مبارک ناشتہ (یعنی سحری) لاؤ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کو مبارک ناشتہ فرمایا۔ گویا یہ ایک قسم کا روزہ دار کا ناشتہ ہے لیکن وقت سے پہلے آخر شب میں روزے کی تیاری کے لئے کھائے جانے کے باعث اس کو مبارک فرمایا۔

سحری کا فلسفہ

اس میں شک نہیں کہ سحری کا کھانا تمام دن کے روزے کے لئے ایک قسم کا سہارا ہے لیکن ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں سحری کے وقت اٹھنے اور کچھ کھا کر روزے کی تیاری کے لئے مستعد ہونے کے علاوہ رات کا آخری حصہ خداوند تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا خاص حصہ ہوتا ہے۔ یہ رات کا آخری حصہ نیند کے غلبے، اعضائے انسانی کی راحت پذیری اور دماغی و قلبی قوتوں کو تسکین اور آرام دینے کا خاص وقت ہوتا ہے۔ بخلاف رات کے دوسرے حصوں کے کہ ان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی وہ مریض جو اپنے مرض کے باعث رات بھر بے خوابی میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ رات کا آخری حصہ انہیں بھی تھپک کر سلا دیتا ہے۔ ایسے خواب آور وقت میں روزہ دار کا اٹھنا خود ایک زبردست [illegible] ہے۔ اس وقت اللہ کے لئے روزہ رکھنے کی خاطر سحری کا تناول کرنا۔ آرام، نیند اور سکون کو اللہ کے لئے قربان کر دینا ہے جو معمولی بات نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اس وقت نیند کو قربان کر کے عبادت کرنے والوں اور آرام کو خیرباد کہنے والے اہل ایمان کے متعلق خاص طور پر فرمایا ہے:

وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ   (ایماندار لوگ) رات کے آخری حصوں میں اللہ سے استغفار کرتے ہیں

علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

جب عشق سکھاتا ہے آداب سحر گاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی

یہ وقت رب غفور کی رحمتوں کے نزول کا وقت ہوتا ہے۔ دل کو اس وقت عبادت کرنے میں جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ اور کسی وقت میں نہیں ہوتا۔ عارفین کے دل پر معرفت کے دروازے اسی وقت کھلتے ہیں، غفلتیں دور ہوتی ہیں اور پردے اٹھتے ہیں۔ عارف شیراز حضرت حافظ صاحب اسی وقت کی کیفیت کے متعلق حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
بے خود از شعشۂ پرتو ذاتم کردند
بادہ از جام تجلی صفاتم دادند
چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند
بعد ازیں روئے من و آئینۂ وصف جمال
کہ در آنجا خبر از جلوۂ ذاتم دادند
من اگر کام روا گشتم و خوشدل چہ عجب
مستحق بودم و اینہا بزکاتم دادند
ہاتف آں روز بمن مژدہ ایں دولت داد
کہ بدآں جور و جفا صبر و ثباتم دادند
ایں ہمہ شہد و شکر کز سخنم می ریزد
اجر صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

ہمت حافظ و انفاس سحر خیزاں بود
کہ ز بند غم ایام نجاتم دادند

پہلے، تیسرے اور آخری شعروں میں حافظ مرحوم نے سحر خیزی اور آخر شب
نور معرفت کے حصول کی کیفیت کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال سحر کے وقت اٹھنا اہل معر

کا دستور ہے اور مقبولیت دعا کا یہ خاص وقت ہے عشا کی نماز کے بعد جلد سو جانا اور صبح جلد اٹھنا زندگی کے زرین اصول میں سے ہے۔ سحری مسلمان کو اسی اصول کا سبق سکھاتی ہے۔ اور سحر خیزی کی عادت سکھاتی ہے۔

سحری مسلم اور دیگر اہل کتاب میں خط امتیاز ہے

سحری میں برکت اور مذکورہ فوائد کے لئے ایک اور حکمت بھی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور وہ یہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں سحری کا دستور نہ تھا اس لئے ان سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے سحری کو جاری کیا گیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

عن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصل ما بین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر (مسلم کتاب الصیام)	عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان سحری کے ذریعہ امتیاز قائم ہے۔

لہٰذا اہل کتاب اور مسلمانوں میں سحری خط امتیاز ہے اس سے معلوم ہوا کہ اقوام میں امتیازی نشان نہایت ضروری ہے۔ آغاز اسلام میں بھی رمضان میں رات کو سو جانے کے بعد کھانے اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہ تھی بعض صحابہ سے تکمیل خواہش نفس کا ارتکاب ہوا چنانچہ حسب ذیل آیات نازل ہوئیں:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ	تم (رمضان کی راتوں میں) کھانا پینا جاری رکھو تاآنکہ صبح صادق کی دھاری رات کی تاریکی سے جدا ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔

سحری کے کھانے کی مقدار

سحری زیادہ مقدار میں کھانا کہ جس سے کھٹی کھٹی ڈکاریں آنے لگیں مکروہ ہے۔ سحری مختصر ہونی چاہئے۔ اگر ہلکی ہو تو بہتر ورنہ جیسی مل جائے۔ سحری کھانے کا ثواب ملتا ہے اور سنت پر عمل کرنے سے اجر و برکت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن نہ کھانے سے سنت ترک ہوتی ہے

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے ۔

السحور برکة فلا تدعوه ولو ان	سحری کھانا برکت ہے اسے چھوڑا مت کرو اگرچہ
یجرع جرعة من ماءٍ فان اللہ	ایک گھونٹ پانی کا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ
وملٰئکتہ یصلون علی المتسحرین	اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر
(مسلم)	رحمتیں بھیجتے اور دعائیں کرتے ہیں ۔

معلوم ہوا کہ پانی کے ایک گھونٹ سے بھی سحری کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے ۔

تسحروا ولو بلقمة	سحری کھایا کرو اگرچہ ایک لقمہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن
نعم سحور المومن التمر	کی بہترین سحری کھجور ہے۔ (ابوداؤد)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ روٹی یا چاولوں کے ایک لقمے، کھیر کے ایک چمچے اور ایک کھجور سے بھی سحری کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ البتہ کھجور کی سحری کو بہتر فرمایا گیا ہے۔ نسائی کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے فرمایا:-

یا انس انی ارید الصیام اطعمنی	یعنی اے انس میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے

نیتًا فاتیتہ بتمر و اناء فیہ ماء   مجھے کچھ کھانے کے لئے دے چنانچہ میں ایک کھجور
اور ایک برتن جس میں پانی تھا لایا۔

بہرحال سحری کا سنت ہونا مسلّم ہے اور اس کی فضیلت میں کوئی شبہ نہیں نیز یہ بھی کہ رات کے آخری حصے میں کھانا مستحب ہے۔ ابن منذر نے سحری کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

مسائل سحری

سحری رات کے آخری حصے میں کھانی مستحب ہے لیکن اتنی دیر بھی نہیں کرنی چاہئے کہ رات اور صبح میں شک پڑ جائے۔ ہدایہ اور شامی میں ہے:۔

المستحب تاخیرہ الا انہ اذا   اور سحری کا دیر سے کھانا مستحب ہے ہاں اگر صبح
شك فی الفجر فالافضل ان   میں شک ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ کھانا
یدع الاکل (ہدایہ صفحہ ۲۰۲ ج ۱ شامی صفحہ ۱۸۳ ج ۱)   پینا چھوڑ دے۔ (ہدایہ۔ شامی)

۲۔ اگر آنکھ نہ کھلنے کے باعث یا اور کسی وجہ سے سحری نہ کھائی جا سکے تو سحری کے بغیر ہی روزہ رکھنا ہوگا سحری نہ کھا سکنے کا بہانہ کرنا اور روزہ نہ رکھنا ضعف ایمان اور پست ہمتی ہے۔

۳۔ جب تک صبح نہ ہو جائے تب تک سحری کھانا درست ہے۔ اگر مؤذن نے غلطی سے فجر سے پہلے اذان دے دی یا مرغوں نے رات کے وقت اذانیں دینی شروع کر دی تو سحری سے رک جانے کی ضرورت نہیں جبکہ آپ جانتے ہیں کہ ابھی رات ہے۔

۴۔ اگر کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ خیال کر کے کہ ابھی رات ہے اس نے

سحری کھالی لیکن پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو اس دن کا روزہ نہ ہوگا۔ رمضا کے بعد اس کی قضا کرنا ہوگی۔ اس شخص پر کفارہ نہیں آئے گا کہ دو ماہ کے متو روزے رکھے۔ البتہ اس دن بھی روزہ داروں کی طرح رہنا ہوگا کہ نہ کچھ کھایا جا اور نہ پیا جائے۔

۵۔ اگر اتنی دیر میں اٹھا کہ صبح ہو جانے کا شبہ پڑ گیا تو ایسی صورت میں سحری نہ کھائے۔ کیونکہ شبہ کی صورت میں کچھ کھانا مکروہ ہے۔ اگر ایسے شب کی حالت میں سحری کے طور پر کچھ کھا پی لیا تو گناہ کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہو گئی تھی تو اس صورت میں روزہ قضا رکھنا پڑے گا۔ لیکن اگر شبہ ہی رہا ا صبح کا ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہوا تو پھر روزہ سمجھا جائے گا اور اس کی قضا نہ ہ لیکن احتیاط یہ ہے کہ شبہ کی حالت میں سحری نہ کھائے اور اگر کھائے تو احتیاطاً دن کا روزہ پھر رکھے۔

مذکورہ بالا ہر دو مسائل میں اتنا فرق ہے کہ مسئلہ ۴ میں یہ خیال تھا کہ اک رات ہے اور مسئلہ ۵ میں یہ ہے کہ صبح ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا تھا۔

روزے کی نیت

روزے میں نیت ضروری ہے ۔ نیت سحری کھانے کے بعد صبح صادق سے پہلے کرلی چاہیئے ۔ ہر قسم کے نفلی، نذر معین اور رمضان کے فرض روزوں کی نیت زوال سے پہلے تک کرسکتا ہے ۔ نذرِ مطلق، قضائے رمضان، نفل روزے کی قضا کے لئے رات سے نیت ضروری ہے ۔

تمام عبادتیں جو اسلام میں اصل ہیں نیت کے بغیر درست نہیں ہوتیں بادتوں میں نیت پر اجر و ثواب مرتب ہوتے اور ملتے ہیں۔ اسی لئے نماز، روزہ، کوٰۃ، حج کو ان کی نیت کرکے ادا کرنا ضروری ہے نیت کے بغیر نہ نماز و زکوٰۃ رست ہے اور نہ روزہ و حج۔ اس سلسلے میں ہم آپ کو وہ حدیث یاد دلاتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے:-

انما الاعمال بالنیات اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

یہ حدیث نہایت تفصیل طلب ہے مختصر یہ کہ اچھے عمل کو ارادے اور دلی خیال سے کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ گناہ کی کسی بات میں نیکی کا کوئی پہلو متعین کرلینے اور اس کی کسی شق میں اپنے قیاس اور گمان کے مطابق کوئی اچھی نیت قائم کرلینے سے وہ برائی کا پہلو درست نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری کرتا ہے اور اس میں یہ نیت کرلیتا ہے کہ میں چوری کیئے ہوئے سامان سے غریبوں کی مدد کروں گا اور دلیل میں انما الاعمال بالنیات کو پیش کرنے لگے

تو یہ امر سراسر غلط ہے۔ ہاں کسی جائز امر میں بھی بعض اوقات نیت کی برائی جائز عمل بھی گناہ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص تہجد کی نماز یا سخاو ریا کاری کے لئے پڑھتا اور کرتا ہے تو یہ نیک عمل بھی انما الاعمال بالنیا کے ماتحت آ کر ناجائز ہو جائے گا۔ بہر حال اصل اور مقصود عبادتوں میں نی ضروری ہے۔ اس کے برعکس جو چیزیں عبادتوں کا ذریعہ بنتی ہیں ان میں سے ج نیت کا حکم ہے ان میں نیت ضروری ہو گی ورنہ نہیں۔ جیسے وضو کرتے وق اگر یہ نیت بھی نہ ہو کہ میں نماز کے لئے وضو کر رہا ہوں تب بھی وضو ہو جا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہو جائے گا یا مطلقاً وضو کی نیت ہی نہ ہو۔ ویسے ہی بلا ارادہ وضو عمل میں آ جائے تب بھی وضو درست ہو جائے گی۔ ا کے برعکس تیمم میں نیت ضروری ہے۔

نیت کا مرکز دل ہے اور زبان سے تصدیق ہوتی ہے

نیت کا تعلق دل سے ہے اگر انسان دل سے چیز کا ارادہ کرتا ہے تو یہی نیت ہے۔ ا زبان سے کہنے میں اس کی تائید ہو جاتی اگر کسی شخص نے دل میں عصر کی نماز کا ارادہ کیا اور زبان سے ظہر کا لفظ نکل تو ایسی صورت میں دل کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور نماز ہو جائے گ اسی طرح سحری کھا کر کسی نے اگلے دن کے روزے کی دل میں نیت کی اور سے اگلے دن کے روزے کی بجائے اس کے بعد کے روزے کا لفظ نک دل کی نیت درست ہو گی۔ روزہ خواہ نفل ہو یا فرض ہر حالت میں جب کا روزہ رکھنا ہو اس کی دل میں نیت کرنی ضروری ہے۔ اور زبان سے ا

میں نیت کا ادا کرنا اور بھی بہتر ہے۔ البتہ نیت کا مرکز دل ہے۔ اگر کوئی شخص دل میں یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا تو ایسے ارادے سے ہی نیت ہو جاتی ہے اور روزہ ادا ہو جاتا ہے۔

روزے کی نیت کا وقت اور موقع

روزے کی نیت کا صحیح وقت عقلاً وہ ہے جب انسان رات کے آخر میں سحری سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اسی وقت صبح صادق ہونے سے پہلے روزے کی نیت کر لینی چاہیئے۔ یہ اس لئے کہ کسی عبادت کے آغاز سے پہلے ہی اس کی نیت ہو جانی ضروری ہے۔ لیکن فطرت کے بعض ایسے تقاضے ہیں جن میں وہ وقت ہاتھ سے نکل سکتا ہے مثلاً سحری کے لئے آنکھ نہ کھل سکے اور صبح ہو جائے تو اس فطری مجبوری کے باعث صبح کے بعد بھی نیت کرنے کے جواز کی گنجائش ہونی چاہیئے۔ چنانچہ روزے کی نیت کے لئے سورج کے زوال سے پہلے پہلے تک وقت کی حد بندی کر دی گئی ہے۔ بالفرض اگر کوئی شخص رات کو ایسا سویا کہ سورج کے زوال سے ذرا پہلے اٹھا تو اس وقت بھی روزے کی نیت کر لینے سے روزہ ادا ہو جائے گا۔ یا اٹھ تو صبح ہی گیا تھا لیکن روزے کے رکھنے اور نہ رکھنے میں تذبذب تھا تو اس کے لئے زوال سے پہلے پہلے نیت کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ روزے کے خلاف کوئی امر صادر نہ ہوا ہو۔ چنانچہ فقہائے احناف کے نزدیک رمضان کے روزوں اور ہر قسم کے نفل روزوں اور نذر معین کے روزوں میں شرعی آدھے دن یعنی زوال آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر لینے سے بھی روزہ درست ہو جائے گا۔ البتہ قضا، کفارے اور نذر مطلق کے روزوں میں رات سے نیت کرنی ضروری ہے۔

نذر معین کے روزے وہ روزے ہوتے ہیں (جیسا کہ پہلے بھی گذرا) جن کے
انسان منت مانتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں شعبان کے مہینے کی دوسری
تیسری اور چوتھی تاریخوں کے تین دن کے روزے رکھوں گا۔ یا فلاں ماہ کے جمع
کے دنوں کا روزہ رکھوں گا۔ لیکن اگر نذر میں دنوں کو متعین نہیں کیا تو ایسی نذ
کو نذر مطلق کہتے ہیں۔

رمضان کے روزوں کی نیت رات کو یا زوال سے پہلے

رمضان کے روزے کی نیت رات کو کر
سے یا رات کو ارادہ نہ کیا دن ہونے
روزہ رکھنے کا خیال ہوا تو نصف دن
پہلے پہلے بھی نیت کرسکتا ہے۔ روزہ ہو جائے گا۔ دن کا نصف وقت نکالنے کا یہ
ہے کہ سورج کے طلوع اور غروب کا وقت معلوم کرکے نصف وقت نکال لیا جا
اس نصف سے پہلے پہلے نیت کرے۔ فقہ کی کتابوں میں ہے:

تیصح اداء صوم رمضان والنذر
المعین والنفل بنیۃ من اللیل
الی الضحوۃ الکبریٰ لابعدھا
ولاعندھا اعتبار الاکثر الیوم

رمضان، نذر معین اور نفل کا روزہ۔ را
سے جو نصف یوم سے پہلے تک نہ ا
بعد اور نہ عین نصف پر دن کے اکثر
کا اعتبار کرتے ہوئے صحیح ہے۔

(درمختار۔ شامی۔ ہدایہ۔ کتاب الصوم)

نذر معین کے روزوں میں نیت رات سے یا زوال سے پہلے پہلے

نذر معین میں روزے کی نیت
متعلق رات کو یا زوال سے پہلے کر
کے جواز کے بارے میں صاحب مرا

لکھتے ہیں :-

فاذا اطلق النية ليلا او نهارا الى ما قبل نصف النهار صح وخرج به عن عهدة النذور (مراقی الفلاح)	اگر (نذر معین میں) مطلقاً روزہ رکھنے کی نیت رات سے یا دن میں زوال سے پہلے کرلی تو نذر معین کا روزہ صحیح ہوگا اور ایسا روزہ دار منتوں کے روزوں سے بری ہو جائے گا۔

کفارے، قضائے رمضان، نفل روزے کی قضا اور نذر غیر معین کے روزوں کی نیت رات کے وقت سے

اگر کسی شخص نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں پانچ دن کے روزے رکھوں گا کسی ماہ یا تاریخوں یا دنوں کو خاص نہیں کیا تو ایسے روزوں کی نذر غیر معین کہلائے گی اور ان کی نیت رات سے کرنی ضروری ہوگی۔ اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی جائے گی تو نذر کا وزہ نہ ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گا۔ نذر کا روزہ پھر رکھنا ہوگا۔ اسی طرح توڑے ہوئے فلی روزوں کی قضا اور رمضان کے روزوں کی قضا کے لئے اور ہر قسم کے کفارے کے روزوں کے لئے بھی رات سے نیت کرنے کے متعلق مراقی الفلاح میں ہے :-

واما القسم الثانی وهو ما يشترط له تعيين النية وتبييتها فهو قضاء رمضان وقضاء ما افسده من نفل وصوم الكفارات بانواعها والنذر المطلق عن تقييد بزمان	لیکن روزوں کی دوسری قسم جن کے لیے نیت کا تعین اور رات سے نیت کا کرنا ہے تو وہ رمضان کی قضا کے روزے اور نفلی توڑے ہوئے روزے کی قضا اور کفارے کے ہر قسم کے روزے اور نذر مطلق کے روزے ہیں

کقولہ للہ علی صوم (مراقی الفلاح صفحہ ۳۵۷)	جیسے کسی نے کہا کہ میں اللہ کے لئے روزہ رکھوں گا۔

نفل روزہ توڑ دینے سے واجب ہو جاتا ہے

اگر کوئی شخص نفل روزے کی نیت رات کے وقت کرلے اور صبح ہو جائے تو یہ روزہ واجب ہو جاتا ہے۔ روزے کو صبح ہو جانے کے بعد توڑ دینے سے اس کی قضا لازم آئے گی لیکن اگر رات کو نفل روزے کی نیت کی اور صبح ہونے سے پہلے ہی ارادہ بدل دیا تو چونکہ روزہ شروع نہیں ہوا تھا اس لئے اس کی قضا نہیں ہے۔ واضح رہے کہ نفل روزہ یا نماز کے آغاز ہونے کے بعد وہ نفل واجب ہو جاتا ہے۔

نفل روزے کو توڑ دینے کی قضا کے بارے میں حدیث میں ہے۔ جو ترمذی نے روایت کی ہے:۔

عن عائشۃ قالت کنت انا وحفصۃ صائمتین فعرض لنا طعام اشتہیناہ فاکلنا منہ فقالت حفصۃ یارسول اللہ انا کنا صائمتین فعرض لنا طعام اشتہیناہ فاکلنا منہ قال اقضیا یوما (ترمذی)	عائشہ رضؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں اور حفصہ روزے سے تھیں ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہم نے اس کی خواہش کی اور کھا لیا۔ حفصہؓ نے کہا یارسول اللہ ہم دونوں روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہم نے اسے کھا لیا۔ فرمایا تم دونوں قضا کرلینا۔

ہدایہ اور عالمگیری کی حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

ومن دخل فی صلوٰۃ التطوع او فی صوم التطوع ثم افسدہ قضاہ

(ہدایہ صفحہ ۲۰۵ جلد ۱)

جو شخص نفل نماز، یا روزے میں داخل ہوگیا پھر اس کو فاسد کردیا تو اس کی قضا کرے۔

ولو نوی من اللیل ثم رجع عن نیتہ قبل طلوع الفجر صح رجوعہ فی الصیامات کلہا

(فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۱۲۶ جلد ۱)

اگر کسی نے رات کے وقت روزے کی نیت کی اور صبح صادق ہونے سے پہلے اپنے ارادے کو بدل دیا تو اس کا نیت بدل دینا روزوں کے بارے میں صحیح ہوجائے گا۔

رمضان میں کسی قسم کے روزے کی نیت سے رمضان ہی کا روزہ ہوگا

اگر کسی شخص نے رمضان کے دنوں میں کسی اور قسم کے مثلاً نذر یا نفل کے روزے کی نیت کی تو وہ رمضان ہی کا روزہ ہوگا اور کسی روزے کی نیت درست نہ ہوگی۔

نذر کے روزے کی بجائے نفلی روزہ یا قضا روزے کی نیت کا حکم

اگر کسی نے منت مانی تھی کہ میں فلاں جمعہ کا روزہ رکھوں گا اس جمعہ کو اس نے بس اتنی نیت کرلی کہ آج میرا روزہ ہے تو وہ نذر کا روزہ شمار ہوگا۔ خواہ اس دن کسی نفل روزے کی نیت ہی کیوں نہ کرلے۔ لیکن اگر اس جمعہ کو قضا روزے کی نیت کرلی اور نذر معین کا روزہ رکھنا یاد نہ رہا یا یاد تو تھا لیکن قصداً قضا روزے کی نیت کرلی تو اس صورت میں قضا روزہ ہوجائے گا اور نذر کا روزہ پھر رکھنا پڑے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

النذر المعین اذا صامه بنیة واجب اخر کقضاء رمضان والکفارة کان عن الواجب و علیه قضاء ماندر (عالمگیری ج ۱ صـ ۲۰۶)

نذر معین کے روزے کے دن اگر کسی اور واجب مثلاً قضائے رمضان یا کفارے کے روزے کی نیت کر لی تو وہی روزہ شمار ہوگا اور نذر کے روزے کی قضا پھر کرے گا۔

خلاصہ مسائل نیت

نیت کے مسائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر قسم کے روزے کی نیت رات سے کرنی چاہیے۔ لیکن رمضان اور ہر قسم کے نفلی اور نذر معین کے روزوں میں نصف یوم شرعی یعنی زوال سے پہلے بھی نیت کر سکتا ہے۔ لیکن کفارے، نذر مطلق اور قضا کے روزوں کی نیت رات سے کرنی ضروری ہے صبح صادق کے بعد معتبر نہ ہوگی۔

روزے کی نیت عشا کے بعد یا روزہ افطار کے وقت

اگر کوئی شخص تراویح کی نماز سے فارغ ہو کر سوتے وقت اگلے دن کے روزے کی نیت کر لے یا آج کا روزہ افطار کرتے وقت اگلے دن کے روزے کی نیت کرے تب بھی یہ نیت درست ہو جائے گی۔

نیت کی دعا

روزہ دار سحری سے فارغ ہو کر حسب ذیل الفاظ میں نیت کرے کہ میں نے کل کے روزے کی نیت کی:۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ میں نے کل کے روزے کی نیت کی۔

* * *

روزہ کشائی یا افطار

افطار کرنے میں جلدی مستحب ہے ۔ افطار کرتے وقت اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ پڑھے ۔ کھجور، چھوارہ یا پانی یا کسی میٹھی چیز سے روزہ افطار کرنا سنت ہے ۔ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانے کا بہت بڑا اجر ہے ۔

افطار کی لغوی حقیقت فطر کے لغوی معنی پھٹ جانے کے ہیں۔ اسی سے افطار کا لفظ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اس وقت کو یاد کرو جبکہ آسمان پھٹ جائے گا۔ افطار کا لفظ بھی فطر سے اِفعال کے وزن پر مشتق ہے جس کے معنی پھاڑ دینے کے ہیں۔

افطار کے اصطلاحی معنی فقہ کی اصطلاح میں افطار کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں۔ چونکہ دن بھر روزہ رکھنے اور کچھ نہ کھانے اور پینے کی وجہ سے گویا منہ بند رہتا ہے۔ شام کو روزہ کھولتے وقت چونکہ دونوں بند ہونٹ کچھ کھانے اور پینے سے کھول دئے جاتے ہیں اس لئے اس کو عربی میں افطار، فارسی میں روزہ کشائی اور اردو میں روزہ کھولنا کہتے ہیں۔

افطار میں عجلت روزہ افطار کرنے میں عجلت کرنی چاہئے جس طرح سحری میں تاخیر مستحب ہے اسی طرح روزہ جلد افطار کرنا بھی مستحب ہے۔ روزہ افطار کرنے کا وقت اسی وقت ہو جاتا ہے جبکہ سورج کی

ٹکیہ آسمان کے کنارے کے نیچے غائب ہو جاتی ہے خواہ اس وقت مغرب میں کتنی ہی روشنی کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ   پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔

لہٰذا سورج چھپنے پر چونکہ رات کا آغاز ہو جاتا ہے لہٰذا روزے کے اختتام کا وہی وقت ہے۔ بہرحال روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے حدیث میں ہے:۔

عن سهل بن سعد ان رسول	سہل رضؓ بن سعد سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
الله صلی الله علیه وسلم قال	علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ بھلائی کے
لایزال الناس بخیر ما عجلوا	ساتھ رہیں گے جب تک کہ افطار میں
الفطر (مسلم و بخاری)	جلدی کریں گے۔

افطار میں تعجیل کا فلسفہ

ہم نے رویت ہلال کے بارے میں اوقات کی حدود کی اہمیت پر پہلے سے روشنی ڈالی ہے یہاں مختصر سے اشارے پر بس کرتے ہوئے اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ملکی حدود کے سلسلے میں ایک ایک گز اور ایک ایک انچ پر دو ملکوں میں آگ کے شعلے بھڑک جاتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر روزے کے اختتام اور رات کے آغاز کی حد میں امتیاز کو اہم اور ضروری قرار دیتے ہوئے دن کے ختم ہو جانے پر روزے کے جلد افطارنے سے لیل و نہار کی حدود متعین ہو جاتی ہیں اور روزے کو جلد اس کے اختتام پر ختم کر دینا اسی میں سنت اور شریعت کے تعین اور احکام کی پابندی سے بھلائی کا وجود ثابت ہوتا ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے

اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب نے جہاں روزوں کے آغاز و اختتام کے بارے میں حدود کا خیال نہیں رکھا وہاں انہوں نے روزوں کے افطار میں بھی دیر سے کام لے کر حدود کی پابندیوں کو توڑ ڈالا۔ اہل کتاب روزے کے افطار کرنے میں اتنی تاخیر کرتے کہ ستارے آسمان پر جگمگا اٹھتے۔ چنانچہ حدیث میں اس کی تردید کردی گئی ہے جس کو حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے :-

لاتزال امتی علی سنتی مالم	میری امت ہمیشہ میری سنت پر رہے گی جب تک
تنتظر بفطرها النجوم	کہ افطار میں ستاروں کے کھل جانے کا انتظار نہ کرے گی

ایک اور حدیث میں ابوہریرہ سے ہے :-

عن ابی هریرة قال رسول الله صلی	ابوہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ
الله علیه وسلم قال الله تعالیٰ	اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے وہ بندہ سب سے
احب عبادی الی اعجلهم فطراً	پیارا ہے جو جلد روزہ افطار کرتا ہو۔
(ترمذی)	(ترمذی)

لہٰذا جلد روزہ کشائی ہی ہر بہتری و سعادت نظر آتی ہے کہ یہی رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ اور سنت ہے۔ اور سعد

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ابن خزیمہ اور ابوداؤد وغیرہم نے تعجیل افطار والی حدیث میں حسب ذیل الفاظ بھی روایت کئے ہیں :-

[illegible] بخیر ما عجلوا الفطر	لوگ ہمیشہ بھلائی پر رہیں گے جب تک افطار

لان الیہود والنصاری یؤخرون — میں جلدی کریں گے کیونکہ یہود ونصاری دیر سے افطار کرتے ہیں۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ روزہ جلد افطار کرنے اور سحری کو آخر وقت میں کھانے کے بارے میں حدیثیں صحیح اور تواتر کے درجے پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاق نے عمرو بن میمون سے روایت کی ہے

کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسرع الناس افطاراً وابطأهم سحوراً — نبی اکرم کے صحابہ جلد روزہ افطار کیا کرتے تھے اور دیر سے سحری کھایا کرتے تھے۔

غروب آفتاب کی علامت

یہ بات ادنیٰ تامل سے واضح ہے کہ روزہ افطار کرنے کا صحیح معیار سورج کا چھپ جانا ہے جس کو مشاہدے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ علماء نے شہروں میں آفتاب کے غروب ہونے کی علامت یہ لکھی ہے کہ مشرق کی جانب جس مقام سے صبح صادق شروع ہوتی ہے وہاں تک سیاہی پہنچ جائے البتہ آسمان کے درمیان تک سیاہی کا پہنچنا ضروری نہیں۔ اس غروب آفتاب کے مشاہدے اور علامت کی تائید میں گھڑیوں کا صحیح ٹائم سونے پر سہاگے کا کام دے گا۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ افطار کا صحیح وقت سورج کے چھپ جانے یا دو گواہوں کے گواہی دینے پر کہ سورج چھپ گیا ہو جاتا ہے۔ مشاہدے اور صحیح ٹائم پر نقاروں کے بجنے، گولوں کے چھوٹنے اور توپوں کے داغنے پر روزہ کشائی اطمینان قلب کا موجب ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے

عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ — حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات اس جگہ سے آئے یعنی مشرق سے سیاہی بلند ہو اور دن اس جگہ سے جاتے یعنی مغرب سے اور سارا سورج چھپ جائے پس چاہیے کہ روزہ دار افطار کرے۔

افطار کے وقت کے کلمات

جب روزہ افطار کرے تو اس سے پہلے یہ کلمات کہے جو آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم روزہ افطار کرنے سے پیشتر فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (ابو داؤد)

اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا۔

اس دعا میں بعض لوگوں نے جو بک اٰمنت وعلیک توکلت کے جملے بڑھا لئے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

روزہ افطار کرنے کے بعد کی دعا

روزہ کشائی کے بعد پڑھتے:۔ ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ یعنی پیاس دور ہو گئی اور رگیں سیراب ہو گئیں اور انشاء اللہ مزدوری بڑھ گئی۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ روزہ دار افطار کے وقت جو دعا مانگے وہ رد نہیں ہوتی۔ آنحضورؐ جو فرمایا کرتے تھے وہ یہ ہے:۔

یا واسع الفضل اغفرلی — اے وسیع الفضل مجھے بخش دے۔

وقت افطار کی مسرت اور برکت

ہر شخص جب کسی اہم کام کو ختم کرتا ہے تو اس کی تکمیل سے فراغت پر اس کو فطری مسرت نصیب ہوتی ہے اور یہ اس کا قدرتی جذبہ اور تقاضہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کام اپنی ذاتی دلچسپی تک محدود رہے تب بھی شادمانی کا موجب ہوتا ہے اور اگر دوسرے کے حکم اور معا کے لئے کیا گیا ہے تو بھی دونوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھ کر اس سے دوگنی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ روزہ بھی ایک عظیم الشان فریضہ ہے جس میں حکم خداوندی کی تکمیل او دنیاوی اور اخروی معاوضہ کی توقع ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی تکمیل پر روزے کو غیر معمولی مسرت ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ اس وقت اپنے رب سے روزہ دار کی ملاقات ہوتی ہے۔ یعنی جب بندہ رضائے الٰہی کے لئے دن بھر کی بھوک اور تشنگی کے بعد روزہ افطار کرتا ہے تو اس وقت معنوی او روحانی دنیا میں پہنچ کر خدائے کریم کی ملاقات اس کو نصیب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روزے کے ذریعہ اس کو جسمانی کدورتوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اس پاکیزگی روح کے باعث اسرار ربانی کا ظہور ہوتا ہے اور دل میں ایمان کی قوت یقین پیدا ہوتی ہے۔

افطار کس چیز سے زیادہ بہتر ہے

روزہ کھجور یا چھوارے سے کھولنا سب سے بہتر ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کسی میٹھی چیز سے کھولا جائے او اگر کوئی میٹھی چیز نہ ہو تو پانی سے افطار کرنا بہتر

حدیث میں ہے:-

عن انسؓ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام   انس رضی اللہ عنہ سے   نبی صلی اللہ

كان يفطر على رطبات قبل ان يعطى فان لم يكن رطبات فتمرات فان لم تكن تمرات حسا حسوات من ماء

(احمد، ابوداؤد، ترمذی)

علیہ وسلم کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو چھواروں سے لیکن اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرماتے

(زیلعی صفحہ ۳۴۳ جلد ۱)

ایک اور حدیث میں ہے جو سلمان بن عامر سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا افطر احدكم فليفطر على تمر فانه بركة فان لم يجد فليفطر على ماء فانه طهور

(ترمذی۔ ابوداؤد)

جب کوئی روزہ افطار کرے تو چھوارے سے کرے کیونکہ اس میں برکت ہے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پانی پر افطار کرے کہ وہ پاک ہے اور اس میں دوسری غذاؤں کی طرح آمیزش کا شائبہ نہیں ہوتا بلکہ زمین سے نکلا ہوا پانی بہر طور پاک اور حلال ہوتا ہے۔

امر استحباب کے لئے ہے

لیکن اگر مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ ہو تو پھر جو بھی میسر ہو اس پر روزہ افطار کرے۔ آنحضور علیہ السلام نے تو پانی جیسی چیز پر روزہ افطار کر کے ایسی آسان سنت کو جاری فرمایا ہے کہ گدا و بادشاہ دونوں کے لئے آسان ہے تاہم مذکورہ بالا چیزوں پر افطار کرنا مستحب ہے۔ واجب اور فرض نہیں۔

میٹھی چیز میں حکمت

مظاہر حق کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب معدہ خالی ہوتا ہے تو اس میں کھانے کو قبول کرنے کی زیادہ قوت

ہوتی ہے۔ اور جب خلو معدہ پر شیرینی کھائی جائے تو اس سے قویٰ میں قوت جلد سرایت کرتی ہے۔ بالخصوص شیرینی سے قوت باصرہ کو زیادہ قوت پہنچتی ہے۔

غلط فہمی

بعض مرد یا عورتیں نمک سے روزہ افطار کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں یہ غلط فہمی اور غلط علمی ہے۔

دوسروں کو روزہ افطار کرانا

عوام الناس میں یہ عجب غلط فہمی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی چیز پر روزہ افطار کرنے سے اپنے روزے کا ثواب جاتا رہتا ہے یا کم از کم کم ہو جاتا ہے۔ یہ ایک زبردست غلط فہمی ہے۔ اب ذرا اس سلسلے میں ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:۔

عن زید بن خالد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فَطَّرَ صائمًا او جَهَّزَ غازیا فلہ مثل اجرہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)	زید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے کسی روزے دار کو روزہ افطار کرایا یا کسی غازی کو (جہاد کا) سامان مہیا کر دیا تو اس کو بھی اس کا سا ثواب ملے گا۔

اس حدیث کو محی السنہ نے بھی شرح سنہ میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے اس کو روزہ رکھنے والے کی برابر ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس لئے اگر کوئی شخص روزہ دار کو روزہ افطار کرانے کی دعوت دے اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہیئے اور

بخل کا ثبوت نہیں دینا چاہیے کہ دونوں کو ثواب مل جائے گا بلکہ دوسروں کو ثواب پہنچانے کی خاطر بھی اگر ان کی افطاری سے روزہ افطار کرے تو یہ قلبی سخاوت ہوگی ۔

فطار کے بعض اہم مسائل

۱۔ روزہ دار کو روزہ افطار کرنے میں یہ تسلی کر لینی چاہیے کہ سورج چھپ گیا ہے۔ کہ سورج کے چھپنے میں شبہ ہو تو روزہ نہیں افطار کرنا چاہیے۔

۲۔ اگر ابر و غبار کا دن ہو تو اس دن روزہ افطار کرنے میں ذرا تاخیر سے کام لینا چاہیے۔ جب یقین ہو جائے کہ سورج ڈوب گیا ہے تب افطار کرے۔ ڑی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ دل گواہی نہ دیدے۔ بلکہ اگر کوئی اذان بھی دیدے لیکن ابھی وقت ہونے میں شبہ ہو تو تب بھی افطار نہ کیا جائے۔ ہاں جب شہر کی مختلف مساجد میں ابر کے روز نقارے بجنے لگیں اور دل بھی گواہی دیدے کہ سورج چھپ گیا تو بلا تکلف روزہ افطار کرنا چاہیے۔ ہدایہ میں ہے :۔

ولو شك في غروب الشمس	اور اگر سورج چھپنے میں شک ہے تو افطار
لا يحل له الفطر (ہدایہ صفحہ ۲۰۱ ج ۱)	کرنا جائز نہیں۔

درمختار اور فتاوی شامی میں ابر کے دن روزہ تاخیر سے افطار کرنے اور سورج کے چھپ جانے پر یقین کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ويستحب السحور وتاخيره و	اور سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی مستحب
تعجيل الفطر الا في يوم غيم	ہے مگر ابر کے روز اس وقت افطار نہ

ولا یفطر ما لم یغلب علیٰ ظنه غروب الشمس وان اذن المؤذنون (فتاویٰ شامی جلد ۱ صفحہ ۱۸۳)

کرے جب تک سورج چھپ جانے کا یقین نہ ہو جائے اگرچہ موذن اذانیں ہی کیوں نہ دیدیں۔

۳۔ اگر ابر کے روز یہ سمجھ کر کہ سورج چھپ گیا ہے روزہ افطار کر لیا لیکن بعد میں ابر صاف ہو کر سورج نمودار ہوا تو اس روز کا روزہ جاتا رہا۔ رمضان کے بعد اس کی قضا ضروری ہے۔ البتہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کا کفارہ نہیں آئے گا۔

مغرب کی نماز میں قدرے تاخیر

یہ تو ظاہر ہے کہ روزہ سورج چھپتے ہی افطار کرنا ہوتا ہے لہذا مساجد میں روزہ افطار کرنے کے لئے اگر پانچ دس منٹ کی نماز میں تاخیر بھی ہو جائے تو رمضان المبارک میں درست ہے۔ بلکہ اذان کے بعد اتنی مہلت دینی چاہئے کہ بعض غربا اور مفلس روزہ دار مساجد میں آتے ہوئے کھانے اور افطاری سے پیٹ بھر لیں۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نماز مغرب سے پہلے ہی روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔

وصالِ صوم

ایک روزے کو دوسرے روزے سے ملا دینا اور کچھ نہ کھانا پینا یا سحری تک کھینچ کرلے جانا وصال صوم کی صورت ہے ۰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے ایسا کرنے کو ازرہ شفقت پسند نہیں فرمایا ۰ روزے پر روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے ۰ مرن برت اور بھوک ہڑتال اسلام میں خودکشی ہے اور خودکشی حرام ہے ۰ خودکشی کرنے والا حدیث کے مطابق جہنمی ہے ۰ مرن برت کفر کا سیاسی نخرہ ہے مسلمان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ۰

روزے پر روزہ رکھنا یا روزے کو سحری تک لے جانا دونوں وصال کی صورتیں ہیں۔ ان سے آنحضورؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے :-

ن ابی ھریرۃ قال نھٰی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم عن الوصال
ی الصوم فقال لہ رجل انک تواصل
ارسول اللہ قال وایکم مثلی انی
ابیت یطعمنی ربی ویسقینی

(بخاری و مسلم)

ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو دوسرے روزے سے ملانے سے منع فرمایا۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا تم میں سے میری طرح کون ہے۔ میں رات گذارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر لوگوں کے لئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ روزے کو دوسرے روزے سے ملائیں یا سحری تک روزے کو کھینچ لے جائیں۔ لیکن آپ ایسا کر لیتے تھے اور یہ آپ کی منجملہ دیگر خصوصیات کے ایک خصوصیت تھی۔ جس کی وجہ حضور نے یہ فرمائی کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ

علما نے لکھا ہے کہ رب کریم کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے سے ظاہری غذاؤں اور شربتوں کا کھلانا پلانا نہیں بلکہ باطنی اور روحانی غذاؤں کا کھلانا مراد ہے۔ کیونکہ روحانی غذاؤں کے ملنے کے بعد عباداتوں میں جو لذت، لطف، ذوق وشوق اور عشق ومعرفت حاصل ہوتی ہے اس کے بعد ظاہری غذاؤں کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ عشق مجازی میں مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ عشاق کھانے پینے کی طرف سے بالکل بے پرواہ دیکھے گئے ہیں۔ جب عشق مجازی میں تجربہ یہ ہے تو عشق حقیقی کا مقام ظاہر ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم روزے اور اس کی کیفیت کے باعث اللہ تعالیٰ کی ذات میں محو اور مستغرق رہنے کی وجہ سے ظاہری غذاؤں کی طرف سے بے نیاز سے ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں بشری اور انسانی ضروریات آپ کی ذات کو متاثر نہیں کر سکتی تھیں۔ بلکہ بغیر کھائے پیئے ذوق عشق الٰہی کی قوت وہ کام کرتی تھی جو ماکولات اور مشروبات کرتی ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ جمہور علما نے یطعمنی ربی ویسقینی کا یہی مطلب لیا ہے کہ کھائے پیئے بغیر اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی قوت

عطا فرماتا تھا جو اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی تھی بلکہ یہ صرف عشق نبوت اور قوت رسالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی روحانی قوت کی وجہ سے ہمیشہ ایسے رہتے ہیں گویا کہ غذاؤں اور شربتوں سے سیراب ہیں اور آپ کو کسی قسم کا ضعف لاحق نہیں ہوتا جو دیگر عبادات اور جہادات سے مانع ہو۔ یہ صورت اور کیفیت دوسروں کو نہیں مل سکتی لہذا دوسروں کو وصال سے منع فرمایا۔

نفسیات کے ماہر جانتے ہیں کہ خوف اور غم بلکہ شدت و افراط خوشی میں بھوک بھاگ جاتی ہے یہی حال عشق کا بھی ہے۔ حدیث کے یطعمنی ربی ویسقینی جملے میں معرفت و تصوف کے ان اسرار و رموز کو بھر دیا گیا ہے جس کو صاحب دل عارف ہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں عشق میں بھوک اور پیاس لگتی ہی نہیں علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔

قد یکون هذا الغذاء اعظم من	یہ غذا واقعی طور پر جسم کی غذا سے زیادہ عظیم ہوتی
غذاء الاجساد ومن له ادنی ذوق	ہے اور جس کسی کو ذرا سا بھی ذوق اور تجربہ ہے
وتجربة یعلم استغناء الجسد	تو وہ جانتا ہے کہ قلب اور روح کی غذا کے باعث
بغذاء القلب والروح عن کثیر	جسم بہت سی مادی غذاؤں سے بے پرواہ ہو جاتا ہے
من الغذاء الجسمانی ولاسیما	خصوصاً اس خوشی کے باعث جو معشوق کی
الفرح المسرور بمطلوبه الذی	طرف سے حاصل ہوتی ہے اس کی آنکھ
قرت عینه بمحبوبه کما قیل ؎	ٹھنڈی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎
لها احادیث فی ذکراك تشغلها	اس معشوقہ کے پاس کچھ ایسی باتیں ہیں جو اسے تیری یاد
عن الشراب وتلهیها عن الزاد	میں کھانے پینے سے بے پرواہ کر دیتی ہیں۔
لها بوجهك نور تستضاء به	اس معشوقہ کی وجہ سے تیرے چہرے پر ایک نور ہے جس سے
ومن حدیثك فی اعقابها حادی	روشنی حاصل ہوتی ہے اور تیری باتیں اس کے پیچھے حدی خواں کی طرح ہنکاتی ہے۔

وصال سے نہی کا پس منظر

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خود روزے کو روزہ سے ملایا تو صحابہ نے بھی آپ کی پیروی میں ایسا کیا تو آپ نے ازرہ شفقت ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا چنانچہ مسلم نے حسب ذیل حدیث روایت کی ہے :-

عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصل فی رمضان فواصل الناس فنھاھم قیل لہ انت تواصل قال انی لست مثلکم انی أطعم واسقی (مسلم)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں روزے پر روزہ رکھا تو لوگوں نے بھی ایسا کیا آپ نے ان کو منع فرمایا آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور نے ازرہ شفقت صحابہ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ اس طرح روزے رکھنے میں مشقت، کلفت اور محنت زیادہ ہونے کے باعث قویٰ میں انحطاط، اضمحلال اور ضعف ہو جانے کے باعث دیگر عبادات اور دنیاوی امور کے انجام دینے میں کوتاہی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے حضرت عائشہ سے مسلم میں روایت ہے :-

عن عائشۃ قالت نھاھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الوصال رحمۃ لھم فقالوا انک تواصل قال انی لست کھیئتکم انی یطعمنی

عائشہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازرہ رحمت صحابہ کو روزے پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا انہوں نے کہا آپ بھی تو وصال کرتے ہیں۔ فرمایا میں تمہار

ربی ویسقینی (مسلم)	طرح پر نہیں ہوں مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے

ممانعت کے باوجود صحابہ کا وصال صوم کرنا

مذکورہ بالا حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث سے واضح ہو گیا کہ آنحضورؐ نے مہربانی کے طور پر روزے پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا بعینہ جس طرح ایک دو دفعہ آپ نے صحابہ کے ساتھ تراویح پڑھیں لیکن مبادا ان پر واجب ہو جائے اس لئے پھر تین بار رمضان کی راتوں میں عبادت تراویح کے لئے قیام فرمایا یعنی ازرہ [illegible]

لیکن ممانعت کے باوجود صحابہ نے روزے پر روزہ محض محبت و سنت رسول کی خاطر رکھا بھی ہے کیونکہ آنحضورؐ نے ازرہ شفقت ان کو منع فرمایا تھا نہ ازرہ غضب۔ لہٰذا صحابہ کو وصال صوم کی گنجائش مل گئی۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں ہے۔

ان ابا ھریرۃ قال نھی رسول اللّٰہ	ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الوصال	نے روزے کو روزے سے ملا لینے کو منع فرمایا
فقال رجل من المسلمین فانک	تو مسلمانوں میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ
یا رسول اللّٰہ تواصل قال رسول اللّٰہ	آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم وایکم مثلی	علیہ وسلم نے فرمایا اور تم میں سے میری
انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی	مانند کون ہے میں تو یوں رات گذارتا ہوں
فلما ابوا ان ینتھوا عن الوصال	کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے جب
واصل بھم یوما ثم یوما ثم	صحابہ باز نہ آئے تو حضورؐ نے ان کے ساتھ
رأوا الھلال فقال لو تاخر الھلال	مل کر ایک دن روزے پر روزہ رکھا پھر دوسرے
لزدتکم کالمنکل لھم حین ابوا	دن پھر عید کا چاند ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا

ان یتنھوا (مسلم)

اگر چاند نظر نہ آتا تو اسی طرح روزے پر روزہ تمہیں تنبیہ کے لئے رکھتا چلا جاتا جبکہ تم ایسا کرنے سے باز نہ آ رہے تھے۔

شفقت اس لئے کہ تکلیف بقدر طاقت ہونی چاہیئے

ایک اور حدیث میں روزے پر روزہ رکھنے سے ممانعت کی وجہ طاقت سے زیادہ عبادت کرنے اور تکلیف اٹھانے کو ان الفاظ میں فرمایا:

انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی فاکلفوا من الاعمال ما تطیقون (مسلم)۔

میں تو اس طرح رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ لہذا جہاں تک تم میں طاقت ہو اسی قدر اعمال کو برداشت کرو۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عبادات میں بھی اس قدر محنت اٹھانی چاہیئے جو ان کی طاقت سے باہر اور زیادہ نہ ہو ایسی عبادت جس میں دیگر وظائف زندگی ادا نہ ہو سکیں مناسب نہیں۔ اس لئے علما نے تمام احادیث کے تیور پہچانتے ہوئے وصال سے روکا ہے شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم شرح مسلم میں حدیث وصال کے ماتحت تحقیقات کرتے ہوئے فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں:-

قلت ..... والذی یتحصل من مجموع الروایات واللہ اعلم ھو کون الوصال مطلقاً غیر مرضی ولا مستحسن عند الشارع ولکن عدم الاستحسان له مراتب

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ تمام روایات سے پتہ چلتا ہے واللہ اعلم وہ روزے کا روزے سے ملانا رسول اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور غیر مستحسن ہے اور ناپسندیدگی کے بھی مختلف مراتب ہیں جو بعض، بعض سے سخت ہیں۔ اور صاحب درمختار

بعضها اشد من بعض وقد عدّ
صاحب الدر المختار اشياء من
لصوم المكروه تنزيها منها
لوصال قال الطحطاوي ظاهر
ن هذه الاشياء مكروهة تنزيها
في بعضها نظر الخ يعني والله اعلم
ن الكراهة في بعضها تبلغ الى
راهة التحريم (فتح الملہم جلد۳ صـ۱۲۲)

نے جو روزے مکروہ تنزیہی گنائے ہیں ان میں
وصال صوم کو بھی مکروہ تنزیہی لکھا ہے طحطاوی
نے کہا ہے کہ بظاہر یہ امور مکروہ تنزیہی ہیں،
اور بعض مسائل قابل فکر و نظر ہیں ۔ یعنی
(واللہ اعلم) بعض میں کراہت حرام کے
کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ (جن کو
درمختار میں تنزیہی لکھا ہے)
(فتح الملہم)

صاحب درمختار نے جن روزوں کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے اس میں ایک روزے دوسرے روزے کو رکھنے کو بھی مکروہ تنزیہی کہا ہے لیکن امام طحطاوی نے احب درمختار کی ان تمام مسائل تنزیہی میں تائید نہیں کی بلکہ کہا ہے کہ بعض زے مکروہ تحریمی کے درجے میں ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اسی طرف ہلکا سا اشارہ کیا ہے ۔

نتیجہ اور خلاصہ

خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ اکثر ائمہ اور علماء کے قول کے مطابق جو انہوں نے احادیث سے نتیجہ اخذ کیا ہے یہی ہے کہ مسلسل روزہ رکھنا یا سحری تک پہنچ کر لے جانا مکروہ ہے۔ صاحب مظاہر حق حدیث وصال کے تحت تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور امام ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی نے مکروہ کہا ہے اس کو اور اختلاف کیا ہے کہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی اور صحیح

یہی ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور جمہور علما اس پر ہیں کہ یہ خصائص حضرت سے ہے اور ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور اہل سلوک کو شوق ریاضت اور نفس کشی کا رکھتے ہیں افطار کرتے ہیں ساتھ چلو پانی کے۔ تا حقیقت وصال سے نکل جائیں۔ واللہ اعلم (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ جلد دوم باب الصوم)

مرن برت اور بھوک ہڑتال

جس شریعت میں مسلمانوں کے لئے روزے پر روزہ رکھنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کیا ہو اس اسلام میں مرن برت کا دور دور تک کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے تو ایسی عبادت سے بھی منع کیا ہے جس میں اولاد، بیوی بچوں اور خود نفس کی حق تلفی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے حسب ذیل حدیث جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے :-

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص	عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت
قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ	انہوں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی ا
علیہ وسلم یا عبد اللہ الم اخبر انک	علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ کیا مجھے
تصوم النہار وتقوم اللیل فقلت	یہ خبر نہیں پہنچی کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو
بلی یا رسول اللہ قال فلا تفعل	رات بھر عبادت کرتے ہو میں نے کہا ہا
صم وافطر وقم ونم فان	یا رسول اللہ۔ فرمایا ایسا مت کر ر
لجسدک علیک حقا وان لعینک	رکھ اور افطار کر اور قیام کر اور سو کیونکہ
علیک حقا وان لزوجک علیک	تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ

حقًا وان لزورك عليك حقًا لا
صام من صام الدهر صوم ثلثة
ايام من كل شهر صوم الدهر
كله صم كل شهر ثلثة ايام و
اقرأ القرآن فی كل شهر قلت انی
اطيق اكثر من ذالك قال صم
افضل الصوم صوم داؤد صيام
يوم وافطار يوم واقرأ فی كل سبع
ليال مرة ولا تزد على ذالك
(بخاری و مسلم)

البتہ تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی یقیناً
تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر
حق ہے جس شخص نے ہمیشہ روزانہ روزہ
رکھا اس کا روزہ نہیں۔ ہر ایک ماہ پر تین
دن کا روزہ رکھنا صوم دہر کا روزہ رکھنا ہے
اور قرآن ہر مہینے میں ایک دفعہ ختم کیا کر میں نے
کہا میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا
ہوں۔ فرمایا روزوں میں افضل روزے
رکھا کر جو صوم داؤدی ہیں ایک دن روزہ
رکھنا اور ایک دن نہ رکھنا اور قرآن (زیادہ سے
زیادہ) سات راتوں میں ختم کر ایک مرتبہ۔

حدیث سے صاف واضح ہے کہ مسلمان کو ہمیشہ روزے رکھنے اور ساری رات عبادت میں ہمیشہ مشغول رہنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان کے اپنے نفس، بیوی، آنکھ اور مہمان کی حق تلفی ہوتی ہے۔

آنکھ کا حق یہ ہے کہ اس کو بقدر ضرورت سونے کا موقع دے۔ اور نفس کا یہ حق ہے کہ اس کو بھوکا کبھی نہ رکھے بلکہ بقدر ضرورت آسائش پہنچا دے اور بیوی کے حقوق زوجیت سے کنارہ کش نہ ہو جائے بلکہ اس کے حقوق کو ادا کرے اور مہمانوں کے ساتھ تواضع اور کھانا کھلانے اور خود کھانے میں شرکت کرے۔

دیکھئے پیغمبر اسلام نے کس معتدل اور متوازن زندگی گذارنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ ہر ایسی عبادت سے روکا ہے جس میں حقوق نفس اور حقوق عباد کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس تعلیم سے مرن برت کا اسلام میں کوئی تصور اور جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ مرنے کے لئے روزہ رکھتے چلے جانے کو اسلام نے خودکشی کہا ہے۔ بلکہ صوم وصال یعنی روزے پر روزہ رکھنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ اس میں نفس اور وظیفہ ازدواجیت کی حق تلفی ہے۔

مرن برت یا خودکشی

مذکورہ نظریۂ اسلام کے ماتحت روزہ اس لئے رکھنا کہ آدمی اپنے آپ کو ہلاک کرلے خودکشی کے مترادف ہے۔ اس کو برت کہنا ہی غلط ہے۔ مرن اور برت اسلام میں دو متضاد چیزیں ہیں حتیٰ کہ کسی آسمانی مذہب کی تاریخ میں ایسے روزے کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اس قسم کے روزے کے موجد ہندوستان میں گاندھی جی آنجہانی تھے۔ وہ حکومت برطانیہ سے جب کسی اہم مطالبے کے منوانے میں کوئی حربہ استعمال کرتے تو وہ مرن برت کا حربہ تھا۔

مرن برت یا سیاسی حربہ

مرن برت کا مقصد ایک قسم کا اخلاقی دباؤ ہوتا ہے جس میں برت رکھنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہم جس مقصد کے لئے روزہ رکھ کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں وہ مقصد اس قابل ہے کہ اس کے سامنے حکومت کی قوت قاہرہ جھک جائے۔ گویا یہ ایک قسم کا احتجاج ہے ورنہ اگر جان کا خاتمہ ہوگیا تو دنیا کی رائے عامہ کی طرف سے ایسی حکومت کے حق میں چاروں طرف سے مذمت کے ریزولیوشن پاس ہو جائیں گے۔ ہمارے خیال میں

مرن برت ایک سیاسی نخرہ ہے۔ ابھی اکتوبر کے مہینے میں سکھوں کے مشہور لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پنجابی صوبہ منوانے کے لئے حکومت ہند سے پروٹسٹ اور احتجاج کے طور پر مرن برت شروع کیا جو بیالیس دن تک جاری رہا اس برت میں گلوکوس پھلوں کے رس اور پانی کا استعمال ماسٹر صاحب کرتے رہے۔ ہمارے نزدیک یہ مرن برت نہیں بلکہ برت کو چڑاتا ہے۔

مسلم اور ہندو روزے میں فرق

ہندو دھرم اور سکھوں میں یہ عجیب منطق ہے کہ ان کے نزدیک روٹی، چاول اور اناج کی چیزوں سے پرہیز کا نام روزہ ہے اور پھل، دودھ، میوہ وغیرہ کے استعمال سے ان کے یہاں روزے میں کوئی خلل نہیں آتا۔

اسلام میں روزہ

حاصل یہ ہے کہ مرن برت اسلام میں خودکشی ہے۔ اسلام کی تعلیم میں روزے کی نیت سے اللہ کے لئے صبح صادق سے غروب آفتاب تک بھوکا، پیاسا رہنے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا نام روزہ ہے۔ اگر یہ بھوکا پیاسا رہنا کسی سیاسی نخرے کے لئے ہو تو روزہ اسلام کی نظروں میں روزہ ہی نہیں۔ روزے میں فریضے کی ادائگی میں نیت اور اللہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اللہ کے سوا اور کسی کے مقصد کے لئے بھوکا رہنے کی اسلام بغیر کسی عذر بیماری کے اجازت ہی نہیں دیتا۔ البتہ اگر ڈاکٹر مریض کو مرض کے باعث بھوکا رہنے کی ہدایت کرتا ہے تو اسلام اس کو حرام نہیں کہتا لیکن اس کو بغیر نیت کے روزہ بھی نہیں کہتا۔

خلیفہ امام الدین بقا کا مرن برت کا ارادہ

گذشتہ ایام میں ماسٹر تارا سنگھ

کی دیکھا دیکھی خلیفہ امام الدین بقا نے بھی گوجرانوالہ میں مرن برت رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا جیسا کہ اخبار امروز کی کسی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ اگر میں بھولتا نہیں تو غالباً یہ وہی خلیفہ امام الدین بقا ہیں جو جالندھر کے ہمارے پرانے کرم فرما ہیں جن کو لیڈری کا شوق اور قوم کی خدمت کا خیال رہتا ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان کی حیثیت سے مرن برت رکھ کر وہ خودکشی کے مرتکب ہونے کی نیت کر رہے تھے اور اپنی عاقبت خراب کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔

روزے سے بیماری یا موت کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا چاہیئے	اسلام تو روزہ رکھنے کی بھی اس وقت اجازت نہیں دیتا بلکہ توڑنا فرض قرار دیتا ہے۔ جبکہ روزہ رکھنے سے جان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو

یہ حکم اگر سخت بیمار ہونے کا باعث خطرہ ہو یا عورت حاملہ ہو جس سے بچے کے ہلاک یا کمزور ہو جانے کا اندیشہ ہو یا اس کے روزہ رکھنے سے بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کجا یہ کہ انسان مرنے کے لئے روزہ رکھنے لگے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

آج کل الجزائر کے مسلمان قیدیوں نے فرانسیسی مظالم کے خلاف بھوک ہڑتال کر رکھی ہے بھوک ہڑتال بھی اسلام میں انہی مذکورہ حقائق کی روشنی میں خودکشی کے مترادف ہے جب یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی کہ مرن برت خودکشی کی برابر ہے تو خودکشی کی سزا بھی سن لیجئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی ہے صحیح مسلم میں ہے:-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ   ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم من قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یتوجأ بہا فی بطنہ فی نار جہنم خالداً مخلداً فیہا ابداً ومن شرب سما فقتل نفسہ فہو یتحساہ فی نار جہنم خالداً مخلداً فیہا ابدا ومن تردی من جبل وقتل نفسہ فہو یتردی فی نار جہنم خالداً مخلداً فیہا ابدا (مسلم جلد اول۔ باب قتل النفس)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے ٹکڑے سے قتل کیا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے پیٹ میں گھونپ لیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں رہے گا۔ اور جس نے زہر کھا لیا اور خودکشی کی کہ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے تو وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور جس نے پہاڑ پر سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کی وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں ہی لڑھکتا رہے گا۔

ایک اور حدیث کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

ومن ذبح نفسہ بشئ ذبح بہ یوم القیامۃ (مسلم)

اور جس شخص نے جس چیز سے اپنے آپ کو ذبح کیا اسی سے وہ قیامت کے روز ذبح کیا جائے گا۔

ایک اور حدیث صحیح مسلم میں اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال شہدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنینا فقال لرجل ممن یدعی بالاسلام ہذا من اہل النار فلما حضرنا القتال قاتل الرجل قتالا شدیدا فاصابتہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ حنین میں شریک ہوئے تو حضور نے ایک شخص کے متعلق جو مسلمان کہلاتا تھا فرمایا کہ یہ جہنمی ہے جب ہم جنگ میں حاضر ہوئے تو اس شخص نے بہت

جراحة فقيل يا رسول الله الرجل الذى قلت له آنفا انه من اهل النار فانه قاتل اليوم قتالا شديدًا وقد مات فقال النبى صلى الله عليه وسلم الى النار فكاد بعض المسلمين ان يرتاب فبينما هم ذالك اذ قيل فانه لم يمت ولكنّ به جراحًا شديدا فلما كان من الليل لم يصبر على الجراح فقتل نفسه فاخبر النبى صلى الله عليه وسلم بذالك فقال الله اكبر اشهد انى عبد الله ورسوله ثم امر بلالا فنادى بالناس انه لا يدخل الجنة الا نفس مسلمة وان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر

(مسلم)

جنگ کی جس سے اس کے زخم آیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ جس شخص کے متعلق آپ نے ازرہ کراہت فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے اس نے سخت جہاد کیا اور پھر مر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں گیا۔ بعض مسلمان اس معاملے میں شک میں مبتلا ہونے کے قریب تھے کہ ناگاہ کہا گیا کہ وہ خود نہیں مرا لیکن اس کو کاری زخم لگا تھا۔ جب رات کا وقت ہوا تو زخم پر اس نے صبر نہ کیا اور خودکشی کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی گئی تو "اللہ اکبر اشهد انی عبد الله و رسولہ" فرمایا پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے لوگوں میں باآواز بلند اعلان کیا کہ جنت میں نفس مسلمہ کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور بے شک اللہ اس دین کی فاجر آدمی کے ذریعہ مدد کرے گا۔

ان احادیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خودکشی کرنے والا خواہ زہر کھا کر یا بلندی سے گر کر یا چھری، تلوار، چاقو سے اپنے آپ کو ہلاک کر کے یا بیماری

میں صبر نہ کر کے حد سے زیادہ خواب آور گولیاں کھا کر یا ریل کی پٹڑی پر لیٹ کر غرض یہ ہے کہ جس صورت سے بھی خودکشی کرے گا اس کے لئے آخرت میں ایک طویل المیعاد اور سخت سزا ہو گی۔ اور اسی حکم میں ہے مرن برت رکھنے والا جو روزے تو نہیں بلکہ اس لئے فاقے کرتا ہے کہ ان سے ہلاک ہو جائے اور کسی سیاسی مقصد کو حاصل کرے۔

بہر حال اگر مسلمان مرن برت رکھے یا خودکشی کرے تو وہ آپ کو اسلام کے حلقے سے باہر نکال لیتا ہے۔ دیکھئے اس شخص کو جس نے جہاد کے باوجود زخم پر صبر نہ کر کے خودکشی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخی قرار دیا اور فرمایا کہ اس شخص نے غیر مسلموں کا سا کام کیا ہے حالانکہ جنت میں صرف نفس مسلمہ ہی داخل ہو سکے گا۔ اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ دراصل یہ شخص کافر ہی تھا۔

کسی دوسرے شخص کو قتل کر دینے کے متعلق بھی قرآن کریم میں سخت تنبیہ کی گئی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں:۔

من قتل مومنا متعمداً فجزاءه	جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا
جهنم خالداً فيها (قرآن کریم)	تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

خودکشی یا قتل کی سزا میں شدت کا سبب

انسان کو خودکشی کرنے یا دوسرے کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جان اللہ کے حکم سے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ یہی مطلب قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کا ہے کہ جان اور روح امر ربی ہے۔ جب اس کا حکم ہوتا ہے وہ اپنی کیفیت کے ساتھ جسم میں داخل ہوتی ہے اور بچہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ جب تک امر ربی بچے کے جسم میں داخل نہیں ہوتا تو بچہ مردہ

رہتا ہے یا مردہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی انسان کو اپنی یا دوسرے کی روح یعنی امرِ ربی میں تصرف اور خودکشی یا دوسرے کو قتل کرکے روح اور جسم کے باہمی تعلق کو قطع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ محقق علامہ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:-

جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره في الاثم لان نفسه ليست ملكاله مطلقا بل هي لله تعالى فلا يتصرف فيها الا بما اذن له فيه

(فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۶۵)

اپنے آپ کو مارنا دوسرے کے قتل کی طرح کا گناہ ہے کیونکہ اس کی جان بالکل اس کی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اللہ کی ہے لہٰذا انسان اس میں تصرف نہیں کرسکتا الا یہ کہ اللہ نے اس کے بارے میں جس طرح اجازت دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قانونِ دنیاوی بھی خودکشی کرنے والے کو مجرم قرار دیتا ہے اور اسی وجہ سے حدیثوں میں خودکشی کرنے والے کے لئے یہ تنبیہ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی دھمکی دی گئی ہے۔

*

اعتکاف

اعتکاف اللہ کے لئے کسی گوشۂ مسجد میں جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہو نیت کر کے بیٹھنے کا نام ہے۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، واجب، سنت، مستحب۔ نذر و منت کا اعتکاف واجب ہے، رمضان کے آخری عشرے کا سنت مؤکدہ بالکفایہ اور ان دونوں کے علاوہ مستحب یا نفلی اعتکاف ہے۔ اعتکاف کا فلسفہ دنیا سے بے تعلقی اور اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے۔ اعتکاف میں بندہ اپنے دنیاوی کاروبار معطل کر دیتا ہے تو اللہ اس کے کام پورے کرتا ہے۔

ہماری ترتیب کتاب کا سلسلہ رویت ہلال، تراویح، سحری، نیت روزہ اور افطار سے شروع ہو کر رمضان کے بیسویں روزے تک پہنچ چکا ہے۔ اس عرصے میں خدا کے مومن بندوں نے روزے رکھے ہیں اور اب بیسویں روزے کے اختتام پر انہیں رمضان میں ایک اور بہترین عبادت کی سعادت سے سرفراز ہونے کا موقع ملنے کو ہے اور وہ ہے اعتکاف جو رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے اور جو سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

اعتکاف کا فلسفہ

اعتکاف کیا ہے اور اس کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے اس کی صحیح حقیقت ان صاف دل اور پاک سینہ، تجلیات ربانی سے منور اور روشن روح والے عارفوں اور شب زندہ داروں کے ہاں تو دل سے پوچھئے

جو تنہائیوں میں بیٹھ کر تصور جاناں میں مستغرق اور ذکر خدا میں رطب اللسان رہتے ہیں جو رکوع و سجود اور قیام و قعود اور بستروں پر اللہ، اللہ کا نام لے لے کر اپنے دلوں کو گرماتے اور روحوں کو تسکین بخشتے ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے :۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ
قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ
فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا
مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر یاد کرتے
ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور
کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب
یہ کارخانہ عالم تو نے بیکار پیدا نہیں کیا۔ تو
پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ یاد حبیب کا تنہائیوں میں، دنیا کے شور و شغب سے دور، جو لطف آتا ہے وہ ہنگاموں میں کہاں۔ جو عشق حبیب میں جلتے ہیں انہیں حبیب کے تصور میں تنہائیاں اتنی پسند ہوتی ہیں کہ ان کے بغیر تصور اور یاد کا صحیح مزا ہی نہیں آتا۔ بقول غالب سے

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

اعتکاف تنہائیوں میں خدا کی یاد اور اس کی طرف رجوع اور دنیا سے بے تعلقی کا بہترین فلسفہ ہے

اعتکاف کے لغوی معنی

اعتکاف کے لفظی معنی کسی جگہ میں ٹھہر جانے اور اپنے کو اس میں حبس کر لینے اور گھیر لینے کے ہیں۔ اس کا مادہ عکف ہے جس کے معنی حبس کرنے اور روک لینے کے ہیں۔ اسی سے

قرآن کریم میں وَالْهَدْیَ مَعْکُوْفًا ہے یعنی وہ قربانی کا جانور جو حبس کر لیا اور روک لیا گیا ہو۔ عکف فعل متعدی حبس کر لینے کے معنی میں ہے اور عکوف فعل لازم ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں یَعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ یعنی اپنے بتوں کے چاروں طرف گھرے رہتے ہیں بہرحال اعتکاف افتعال کے وزن پر مصدر ہے جس کے معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں۔

اعتکاف کیا ہے

رمضان شریف کے آخری عشرے میں بیسویں روزے کے سورج چھپ جانے کے وقت سے ذرا پہلے سے ہلال عید یعنی آخری روزے کے غروب آفتاب تک کسی مسجد کے گوشے میں جس میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔ اعتکاف کی نیت سے ذکر اللہ کے لئے بیٹھ جانے کا نام اعتکاف ہے۔ البتہ عورت اپنے گھر کے گوشے میں جہاں نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر رکھی ہو اعتکاف کر سکتی ہے۔ درمختار اور شامی میں ہے۔

هو لبث ذکر فی مسجد جماعة او امرأة فی مسجد بیتها وهو المعدّ لصلاتها الذی ینوب لها ولکل احد اتخاذه۔ والاعتکاف یطلب موکدا فی العشر الاخیر (درمختار وشامی صفحہ ۲۰۶ جلد ۲) والمشهور عند مشائخنا ان یدخل المعتکف بعد العصر قبل غروب الشمس

وہ اعتکاف یاد الٰہی کے لئے جماعت والی مسجد میں ٹھہرنے کا نام ہے یا عورت گھر کی جائے نماز میں ٹھہرے جو نماز کے لئے بنا رکھی ہو اور ہر ایک کے لئے ایسی جگہ بنانا ہوتی ہے اور اعتکاف (رمضان کے) آخری عشرے میں موکد ہے (درمختار وشامی) اور ہمارے حنفی مشائخ میں یہ مشہور ہے کہ اعتکاف کرنے والا عصر کے بعد رمضان

من الیوم العشرین من شهر	کی بیسویں تاریخ کو سورج چھپنے سے پہلے
رمضان لیدخل اللیلة الحادیة	(مسجد میں) داخل ہو جائے تاکہ اکیسویں
وعشرین فی الاعتکاف (رسائل الارکان)	رات اعتکاف میں شامل ہو جائے۔

اعتکاف میں نیت اور ٹھہرنا رکن ہے اور مسجد میں ہونا اور نیت کرنا اس کے لئے شرط ہے۔

رمضان میں اعتکاف سنت موکدہ بالکفایہ ہے

جس طرح فرض کفایہ اور واجب کفایہ چند آدمیوں کے ادا کرنے سے شہر کے بقیہ آدمیوں کی طرف سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سنت کفایہ بھی شہر کے ایک دو آدمیوں کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتی ہے لیکن فرض کفایہ اور واجب کفایہ کی طرح اگر اس کو کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب بستی والے گنہگار ہوتے ہیں اسی طرح اگر سنت کفایہ جیسا کہ اعتکاف ہے کوئی بھی بستی کا مسلمان ادا نہ کرے تو عدم ادائگی کے باعث بستی کے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی فقہا نے تین قسمیں قرار دی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

١۔ **اعتکاف واجب:** یہ وہ اعتکاف ہے جو کسی نے نذر اور منت کے لئے مانا ہو مثلاً کسی نے منت مانی اگر میں امتحان میں پاس ہوا تو اعتکاف کروں گا لہذا کامیابی پر اعتکاف کرنا واجب ہے۔ نہ کرنے کی صورت میں وہ شخص واجب کا تارک ہوگا جس پر گناہ لازم آتا ہے۔

۲۔ **اعتکاف سنت موکدہ بالکفایہ:۔** یہ اعتکاف رمضان کے آخری عشرے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان دنوں میں ہمیشہ اعتکاف کرتے رہے ہیں۔

۳۔ **مستحب یا نفلی اعتکاف:۔** یہ وہ اعتکاف ہے جو کہ آخری عشرہ رمضان کے علاوہ سال بھر میں جس وقت چاہے اختیار کرے خواہ رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں ہی کیوں نہ ہو۔

واجب، مسنون اور مستحب اعتکاف کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مدت

۱۔ نفلی یا مستحب اعتکاف کی زیادہ مدت کی کوئی حد نہیں ہے تمام عمر چاہے اعتکاف کر سکتا ہے لیکن جس طرح شریعت میں وصال صوم اور صوم دہری کو اچھا نہیں سمجھا گیا اسی طرح دنیا کے کاروبار اور حقوق اہل و عیال چھوڑ کر اعتکاف میں ہی ہمیشہ رہنا اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص عمر کے کسی ایسے حصے میں جب اس کے اعتکاف سے کسی کے حقوق پر زد نہ پڑے اور تمام امور سے فارغ ہو کر اللہ کی یاد میں مستغرق رہنا چاہے تو پھر گنجائش ہے۔ اعتکاف نفلی کی کم سے کم مدت کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے اور جس پر فتویٰ بھی ہے کہ اگر انسان ایک منٹ یا نصف کے لئے بھی مسجد میں آئے یا کھڑا ہو کر چلا جائے اور یہ نیت کرے کہ جب تک میں مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں تو وہ وقت اعتکاف میں شامل ہو جائے گا۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں نماز کے لئے بھی داخل ہوتا ہو تو نماز کے ساتھ اعتکاف

کی نیت بھی کرے تاکہ اعتکاف نفلی کے ثواب سے مستفید ہو جائے۔ یا گھڑی ملانے کے لئے ہی جائے تو اعتکاف کی نیت کرے۔ ثواب مل جائے گا۔

۲۔ سنت موکدہ بالکفایہ یا مسنون اعتکاف کی مدت رمضان کا آخری عشرہ ہے خواہ دس دن کا عشرہ ہو یا نو دن کا۔ اس کی مدت نہ اس سے کم ہے اور نہ اس سے زیادہ

۳۔ واجب اعتکاف کی مدت کم سے کم ایک دن کی ہو سکتی ہے اس سے کم کی مدت کی نذر ماننی جائز نہیں۔ البتہ زیادہ سے زیادہ جتنے دن کی بھی اعتکاف کی منت مانے اجازت ہے لیکن جن ایام کے روزے حرام ہیں ان میں منت نہیں کر سکتا۔ کہ واجب اعتکاف روزوں کے بغیر جائز نہیں

فضیلت اعتکاف

اللہ کے لئے دنیا سے جدا ہو کر ایک وقت کے لئے اپنے آپ کو قید کر دینا کوئی معمولی قربانی نہیں ہے۔ جو شخص خدا کے لئے ایسا کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس کے کام روا کرنے کی فکر میں لگ جاتی ہیں۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے زیر سایہ رہنے کا اہل ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے اس کی خاطر اپنے دنیاوی مفاد کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جب بندہ اس کی خاطر اپنے کام بگاڑتا ہے تو خدا کی رحمت اس کے بگڑے کاموں کو سنوارتی ہے۔ حدیث میں ہے:

ابن عباس رضؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں کہ وہ گناہوں سے رکا رہتا ہے اس کے لئے تمام نیکیاں ہر قسم کی نیکیاں کرنے والے کی طرح جاری کی جاتی ہیں	عن ابن عباس رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المعتکف ھو یعتکف الذنوب ویجری له من الحسنات کعامل الحسنات کلھا (ابن ماجہ)

یعنی اگر معتکف آزاد ہوتا تو کسی مریض کی عیادت، کسی جنازے میں شرکت، کسی کی مدد و نصرت کرتا اور ثواب لیتا لیکن اللہ کے لئے کسی گوشۂ مسجد میں معتکف ہو کر اپنے آپ کو پابند کر لینے سے گویا اس نے اپنے آپ کو نیکیوں سے محروم کر لیا لیکن حضورؓ نے بتلایا کہ جو شخص اعتکاف میں رہ کر اپنے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے اس کی وہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں برابر جاری رہیں گی۔ جن کو وہ اعتکاف کے باعث نہ کر سکا۔ گویا ناکردہ نیکیوں کی حسرت کی داد کا اس کو مستحق قرار دیا گیا ہے جس طرح غالب نے ناکردہ گناہوں کی حسرت کی داد کا اپنے آپ کو مستحق قرار دیا ہے اور کہا ہے ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

مگر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ وہ ناکردہ گناہوں کی سزا تو نہیں البتہ ناکردہ نیکیوں کی حسرت کی داد اور اس کی جزا دیتے ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث کے مطابق معتکف کے لئے جاری رہتی ہے۔ معتکف اپنے دل کو خدا کی طرف لگا لیتا ہے۔ برابر خدا کے گھر میں رہتا ہے اور اس کے گھر میں رہ کر اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے لئے شیطان کے مقابلے میں اعتکاف کے ذریعہ قلعہ بناتا ہے اور گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ میں تیرے در پر آپڑا ہوں تو ہی میری پناہ اور تو ہی میرا کارساز ہے۔

اعتکاف آنحضورؐ کے عمل کی روشنی میں

اعتکاف کا جاہلیت کے زمانے میں بھی دستور تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے جس کو بخاری و مسلم

نے روایت کیا ہے:-

عن ابن عمر ان عمر سال النبی صلی اللہ وسلم قال کنت نذرت فی الجاھلیۃ ان اعتکف اللیلۃ فی المسجد الحرام قال واَوفِ بنذرك	ابن عمر سے ہے کہ عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جاہلیت میں نذر مانی کہ میں خانۂ کعبہ میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

لیکن اس کا پہلو کچھ اور تھا۔ اسلام نے بھی اس کو جاری رکھا لیکن اس کی نوعیت کو خالص اللہ کے لئے کر دیا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی الٰہی کے لئے اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ بخاری اور مسلم میں ہے:-

عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ تعالیٰ ثم اعتکف ازواجہ من بعد (مسلم و بخاری)	حضرت عائشہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرما کرتے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ بعدازاں آپ کی ازواج اعتکاف کیا کیں۔

حضورؐ نے آخری سال بیس دن کا اعتکاف کیا

بخاری کی حدیث سے سال وفات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس دن کا اعتکاف ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ

بخاری میں ہے:-

عن ابی ھریرۃ قال کان یُعرَضُ	ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ

عَلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآنُ کل عام مرۃً فعُرِضَ علیہ مرتین فی العام الذی قُبِضَ و کان یعتکف کل عام عشراً فاعتکف عشرین فی العام الذی قبض (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال قرآن کریم ایک مرتبہ پیش کیا جاتا ۔ لیکن جس سال آپ کی روح قبض کی گئی دو مرتبہ پیش کیا گیا ۔ اور ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے لیکن وفات کے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا ۔

بیس دن کا اعتکاف کرنے کی وجہ

ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث میں وفات کے سال بیس دن کا اعتکاف کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آنحضورؐ وفات کے سال سے پہلے سال ۹ھ میں اسی عذر کے باعث اعتکاف نہ فرما سکے تھے ۔

عن انسؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعتکف فی العشر الاواخر من رمضان ولم یعتکف عاما فلما کان العام المقبل اعتکف عشرین (ترمذی ۔ ابوداؤد ۔ ابن ماجہ)

حضرت انسؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن ایک سال اعتکاف نہ فرمایا ۔ جب اگلا سال آیا تو بیس روز کا اعتکاف کیا ۔

عشرۂ اوّل، عشرۂ دوم اور عشرۂ آخر میں حضورؐ کا اعتکاف

رمضان شریف کے آخری عشرے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف فرمانا ۴ھ سے شروع ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس سے پہلے آپ نے ۲ھ میں جبکہ رمضان کے

روزے فرض ہوئے۔ رمضان کے پہلے عشرے (دس دن) میں اعتکاف فرمایا اور اس کے بعد ۳ھ میں دوسرے عشرے میں دسویں روزے سے بیسویں روزے تک اعتکاف فرمایا چنانچہ طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے:۔

ام سلمہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال (فرضیت صیام ۲ھ کے بعد) عشرۂ اوّل میں اعتکاف فرمایا اور پھر آخری عشروں میں اور فرمایا کہ میں نے لیلۃ القدر آخری عشروں میں دیکھی لیکن میں بھلا دیا گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشروں میں ہی وفات تک اعتکاف کرتے رہے۔ (طبرانی)	عن ام سلمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکف اول سنة العشر الاول ثم اعتکف العشر الوسطی ثم اعتکف العشر الاواخر وقال انی رأیت لیلة القدر فیها فانسیتها فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعتکف فیهن حتی توفی صلی اللہ علیہ وسلم (طبرانی)

مسجد نبوی میں ستون توبہ کے پاس حضورؐ کے اعتکاف کی جگہ

علم حدیث ہماری معلومات کے لئے ایک بہت بڑی نعمت اور دولت ہے اس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک اسوۂ حسنہ کا علم ہو کر مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں اعتکاف کے سلسلے میں محدثین نے حدیثوں کے ذریعہ یہاں تک بتایا کہ آنحضورؐ کہاں اور کس جگہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے:۔

ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کیا کہ حضورؐ جب اعتکاف فرماتے	عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اعتکف

طرح له فراشه او يوضع له سريرٌ	تو آپ کے لئے فرش کر دیا جاتا یا ستون توبہ
وراء اسطوانة التوبة	کے اُس طرف چارپائی بچھادی جاتی ۔

مسجد نبوی حضورؐ کے زمانے میں کھجور کے ستونوں پر قائم تھی ۔ انہی ستونوں میں ایک ستون تھا جس سے حضرت ابولبابہ انصاری نے ایک تقصیر کے باعث اپنے آپ کو باندھ لیا تھا کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں اپنے آپ کو اسی حالت میں رکھوں گا ۔ چنانچہ اس بنا پر اس کا نام ستون توبہ پڑ گیا ۔ ایک ستون کے پاس حضرت عائشہ تہجد کی نماز پڑھا کرتی تھیں اس کا نام ستون عائشہ اور اسی طرح مختلف وفود سے جس ستون کے پاس آنحضورؐ ملاقاتیں فرماتے اس کا نام ستون وفود ہے ۔ آج بھی اگرچہ یہ ستون پختہ ہو چکے ہیں لیکن ہر ایک ستون پر اس کا نام لکھا ہوا ہے اور آج بھی وہ ستون اسی جگہ ہیں جس جگہ کھجور کے ستون آنحضورؐ کے زمانے میں نصب کئے گئے تھے ۔ واضح رہے کہ عربی میں ستون کو اسطوانہ کہتے ہیں ۔

معلوم ہوا جب حضور اعتکاف فرماتے تو کبھی آپ کے لئے فرش کر دیا جاتا اور کبھی چارپائی بچھادی جاتی جو مسجد میں ستون توبہ کے اس طرف گوشہ میں ہوتی ۔ تاکہ لوگوں کو مسجد میں تنگی نہ ہو ۔ کبھی آپ صوف کے خیمے کو دو یا تین عمودوں پر قائم کرا کر اعتکاف میں تشریف رکھتے ۔ مسلم کی حدیث میں ہے ۔ جو حضرت عائشہ سے مروی ہے :۔

انه امر بخبائه فضرب لما اراد	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے خیمے
الاعتکاف فی العشر الاواخر من	کا حکم دیا تھا لہذا جب آپ نے رمضان کے

رمضان فامرت زینب بخبائها فضرب وامر غیرها من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخبائها فضرب فلما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر نظر فاذا الاخبية فقال آلبر یردن فامر بخبائه فقوض وترك الاعتكاف فی شهر رمضان حتی اعتكف فی العشر الاول من شوال (مسلم)

آخری عشرے میں اعتکاف کا ارادہ کیا تو خیمہ قائم کیا گیا۔ حضرت زینب نے خیمہ کے لئے کہا تو وہ بھی قائم کر دیا گیا اور ان کے علاوہ اور ازواج مطہرات میں سے بھی کسی نے کہا تو ان کے لئے بھی۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی تو اچانک کئی خیمے دیکھے تو فرمایا کیا انہوں نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے پس اپنے خیمے کو علیحدہ کر دینے کا حکم دیا چنانچہ اکھاڑ دیا گیا اور آپ نے اس رمضان میں اعتکاف چھوڑ دیا حتی کہ شوال کے پہلے دہے میں (عید کے دن کو چھوڑ کر) اعتکاف فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضور نے ازواج مطہرات کے خیموں کو مسجد نبوی میں دیکھ کر مناسب نہ سمجھا کہ ازواج مطہرات مسجد میں اعتکاف کریں کیونکہ اس سے حضور کی تنہائی میں خلل پڑنے کی سی صورت تھی جو اعتکاف کی روح کے منافی تھا۔ پھر یہ بھی اندیشہ ہو چلا تھا کہ مبادا ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب کی خاطر کہیں ایسا نہ کر رہی ہوں۔ اس صورت میں اعتکاف کے خلوص میں آمیزش کا خطرہ تھا اور اس لئے بھی کہ مسجد نبوی میں کئی خیموں کے باعث صحابہ کی آمد و رفت کے سبب سے کئی قسم کی دشواریاں پیدا ہو جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے اس لئے حضور نے بھی اعتکاف ترک فرمایا اور اپنا خیمہ بھی علیحدہ کرا دیا

اور پھر عید کے دن کو چھوڑ کر شوال کے پہلے عشرے میں اعتکاف فرمایا جس سے امت مسلمہ کو اعتکاف کے ملتوی کر دینے اور دوسرے وقت اعتکاف کر لینے کی تعلیم حاصل ہو گئی۔

آنحضورؐ کا اعتکاف میں عمل اور عبادت کی سعی

حضرت عائشہ رضؓ سے مسلم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کے متعلق روایت ہے۔

عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا دخل العشر احیی اللیل وایقظ اهله وجدّ وشدّ المئزر (مسلم)	حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو رات میں عبادت کرتے اور اپنے اہل کو جگاتے اور (عبادت میں) کوشش کرتے اور تیاری کرتے۔

اس حدیث سے آنحضورؐ کا رمضان کے آخری عشرے میں خصوصیت سے اعتکاف کی صورت میں، راتوں کو خود عبادت کرنے اور اپنی ازواج مطہرات کو عبادت کے لئے قیام کرنے پر اہتمام خصوصی فرمانا اور خود حضور کا ذکر اللہ میں مشغول رہنا اور ازواج سے جدا رہنا اور عبادت کے لئے کمر بستہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

اعتکاف میں احتیاط

آنحضورؐ نے جو اسوۂ حسنہ اعتکاف کی صورت میں ایک مسلمان کے لئے چھوڑا ہے وہ اس حدیث سے اور واضح ہوتا ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

عن عائشة قالت السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمسّ المرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة الا لما لابد منه ولا اعتكاف الا بصوم ولا اعتكاف الا فی مسجد جامع

(ابوداؤد)

عائشہ رضؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ معتکف پر سنت یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کرے اور نہ جنازے میں شریک ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور ضروری حاجت (پیشاب پاخانہ) کے سوا نہ نکلے اور اعتکاف روزے کے بغیر اور جماعت والی مسجد کے سوا جائز نہیں۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں جو مسائل نکلے وہ اعتکاف سے متعلق حسب ذیل ہیں :-

مسائل اعتکاف

۱- اعتکاف کے لئے نیت شرط ہے۔ نیت کے بغیر اعتکاف درست نہیں۔ نیز عقل اور اسلام کا ہونا بھی شرط ہے۔ اور مسجد میں ہونا بھی۔

۲- اعتکاف میں عورت سے صحبت حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد

اور عورتوں سے درانحالیکہ تم مساجد میں بحالت اعتکاف ہو مباشرت مت کرو۔

مباشرت میں صحبت کرنا ہی داخل نہیں بلکہ عورت سے چمٹنا، بوسہ لینا اور اس کو چھونا بھی جائز نہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ صحبت سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور بوسہ لینے اور چمٹنے میں اگر انزال ہو جائے تو فاسد ہو جاتا ہے ورنہ نہیں

(مظاہر حق)

۳۔ اعتکاف مسجد میں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ آیت اور حدیث سے واضح ہے۔ اور مسجد بھی ایسی جس میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔ حدیث میں مسجد جامع سے مراد وہ مسجد ہے جس میں جماعت سے نماز ہوتی ہو۔ عورت گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کرے گی۔ اس پر جماعت سے نماز نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے۔ اپنے سر مبارک کو باہر نکال دیتے تو حضرت عائشہ کنگھا کر دیتیں۔ اگر ایسی صورت ہو کہ سر نکل جائے یا کوئی ہاتھ اور پاؤں مسجد سے باہر ہو جائے لیکن جسم کا اصلی حصّہ گردن سے نیچے سے لے کر تمام دھڑ مسجد میں رہے تو کوئی مضائقہ نہیں:۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللّٰہ	حضرت عائشہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اعتکف	رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف
ادنی الیّ راسہ وھو فی المسجد	اپنا سر میری طرف کر دیتے درانحالیکہ خود
فارجلہ وکان لایدخل البیت	مسجد میں ہوتے تو آپ کے خود کنگھا کر دیتی
الا لحاجۃ الانسان (بخاری ومسلم)	اور آپ گھر میں بجز حاجت بشری کے نہ ہوتے

۴۔ سب سے افضل اعتکاف خانۂ کعبہ میں اعتکاف کرنا ہے۔ دوسرے درجے کا اعتکاف وہ ہے جو مسجد نبوی میں کیا جائے اور تیسرے درجے میں اس اعتکاف کا مرتبہ ہے جو جامع مسجد میں کیا جائے اور ان کے بعد پھر ہر اس مسجد میں جس میں پنجگانہ جماعت ہوتی ہو۔ لیکن جس مسجد میں جماعت نہ ہو اس میں اعتکاف بھی جائز نہیں۔

۵۔ اعتکاف میں حاجت ضروریہ مثلاً پیشاب، پاخانہ کے سوا مسجد سے

نکلنا جائز نہیں اگر کوئی کھانا پہنچانے والا یا دینے والا نہیں تو کھانے کے لیے باہر جانے کی اجازت ہے۔ پھر فوراً اس کو واپس آنا چاہیے۔ اگر مسجد اعتکاف میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد میں جانا جائز ہے، جس سے فراغت کے بعد فوراً واپس ہونا چاہیے۔ جامع مسجد میں ایسے وقت جائے جبکہ سنتوں کے پڑھنے کے بعد عربی خطبہ مل جائے اور پھر سنتیں پڑھ کر واپس آجائے۔ جامع مسجد میں واپس آنے کا اندازہ معتکف پر ہے۔ اگر اندازہ غلط ہو جائے اور کچھ پہلے پہنچ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر جامع مسجد ہی میں سنتوں کے بعد بقیہ اعتکاف کے لئے بیٹھ گیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

۶۔ معتکف اگر حاجت ضروریہ کے لئے باہر نکلا اور راستے میں چلتے چلتے رکے بغیر اگر کسی مریض کی مزاج پرسی کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حدیث میں ہے:-

حضرت عائشہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ نب	عن عائشة قالت كان النبي صلى
صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی (چلتے چلتے)	الله عليه وسلم يعود المريض
اعتکاف کے ایام میں مزاج پرسی کر لیتے	وهو معتكف فيمر كما هو فلا
اور بغیر رکے گذرتے چلے جاتے کہ مریض	يعرّج يسأل عنه
سے ٹھہر کر نہ پوچھتے۔	(ابوداؤد)

۷۔ معتکف کو مسجد میں کھانا، پینا، سونا اور بمجبوری خرید و فروخت بات کرنا کہ اشیائے خرید و فروخت وہاں نہ لائی جائیں جائز ہے۔ اسی طرح نکا وغیرہ بھی جائز ہے لیکن غیر معتکف کو مسجد میں خرید و فروخت کرنا جائز نہیں شامی میں ہے:-

رخص المعتکف باکل وشرب و	اعتکاف کرنے والے کو کھانے، پینے، سونے
نوم وعقد احتاج کبیع ونکاح و	اور ضروری معاملے کی مثلاً بیع، نکاح اور
رجعة فلوخرج لاجلها تفسد	طلاق سے رجعت کی رخصت ہے لیکن اگر
لعدم الضرورة	ان امور کے لئے وہ مسجد سے نکل گیا۔ تو
(شامی صفحہ ۲۱۶ جلد ۲)	بے ضرورتی کے باعث اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا

اعتقاد سمجھ کر خموشی مکروہ تحریمی ہے

۸۔ اعتقاد سمجھ کر بحالت اعتکاف خموش رہنا حرام کے قریب یعنی مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر خموشی کا اعتقاد نہ ہو تو جائز ہے ہاں کلام کرے تو خیر اور بھلائی سے متعلق ہو۔ مباح کلام بھی بغیر ضرورت مکروہ ہے۔ صاحب مظاہر حق نے "فتح القدیر" فقہ کی مشہور کتاب کے حوالے سے لکھا ہے:۔

> "فتح القدیر میں لکھا ہے کہ کلام کرنا بے ضرورت مسجد میں ایسا حسنات (نیکیوں) کو کھاتا ہے یعنی نابود کرتا ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو۔" (مظاہر حق صفحہ ۱۹۴ جلد ۲ باب الاعتکاف)

اعتکاف میں کیا کرنا چاہیئے

۹۔ حقیقت یہ ہے کہ اعتکاف کی روح دنیا سے بے تعلقی اور اللہ سے لو لگانا ہے اس لئے مسجد میں محصور رہنا ہی اعتکاف ہے۔ لیکن پھر بھی محض خموش بیٹھے رہنے کی بجائے معتکف کو پنجگانہ نماز کے علاوہ جو کہ فرض ہیں، حسب ذیل امور کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ مظاہر حق میں ہے:۔

> "معتکف کو چاہیئے کہ تلاوت قرآن اور مطالعہ کتابوں حدیث و

تفسیر و سیر انبیا اور صالحین اور اور کتابوں دین کا کرتا رہے یا لکھتا رہے۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ باب الاعتکاف)

الغرض نوافل و تسبیح، درود وغیرہ میں اپنی تنہائیاں گذارے اور قرآن کریم کی تلاوت سے دل کو تسکین بخشے۔

کیا اعتکاف میں روزہ ضروری ہے

۱۰۔ واجب اور سنت موکدہ اعتکاف میں روزہ ضروری ہے۔ روزے کے بغیر یہ اعتکاف نہیں ہوتا۔ رمضان کے آخری عشرے میں جس کا اعتکاف سنت موکدہ بالکفایہ ہے تو روزے ہوتے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر رمضان کے سو نذر و منت کا اعتکاف کرے تو اس میں روزہ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی حدیث عائشہؓ میں گذرا۔ لا اعتکاف الا بالصوم عقل اور دل دونوں کی رائے بھی یہی ہے کہ تصور جاناں کے لئے تنہائیوں کی یادوں میں کھانے پینے کے سلسلے کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے۔ لیکن واجب اور سنت موکدہ کے علاوہ مستحب یعنی نفلی اعتکاف میں بھی احتیاط یہ ہے کہ روزہ رکھے ا معتمد یہ ہے کہ شرط نہیں۔ شامی میں ہے:-

روایۃ الحسن انہ شرط للتطوع	حسن کی روایت ہے کہ نفلی اعتکاف میں
ایضاً لانہ لا یشترط لہ الصوم	بھی روزہ شرط ہے۔ لیکن ظاہری مشہور
علی الظاہر من المذہب	مذہب میں شرط نہیں۔
(شامی صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱ ج ۲)	(شامی)

بہر حال نفلی اعتکاف میں بھی روزہ رکھنا چاہیئے۔ البتہ نہ رکھنے کی گنجائش

اور حدیث میں جو لا اعتکاف الا بالصوم آیا ہے وہ واجب یا سنت مؤکدہ بالکفایہ کے لئے ہے۔

حالت حیض و نفاس و جنابت میں اعتکاف نہیں

۱۱۔ عورت کو حالت حیض (ایام ماہواری) یا نفاس (بچہ پیدا ہونے کے بعد خون آنا) کی حالت میں اعتکاف کرنا جائز نہیں۔ اگر اثنائے اعتکاف میں ایام ماہواری آنے لگے یا بچہ پیدا ہوا اور نفاس آنے لگا تو اعتکاف چھوڑ دینا ضروری ہے۔ شامی میں ہے:۔

والحائض والنفساء لیستا اھل للصلوٰۃ فلا یصح اعتکافھما	اور حائضہ اور نفساء نماز ہی کی اہل نہیں کجا یہ کہ ان کا اعتکاف صحیح ہو۔
(شامی صفحہ ۱۶۱)	(شامی)

واجب اور مسنون اعتکاف کے فساد میں قضا لازم ہے مستحب میں نہیں

۱۲۔ طبعی اور فطری ضرورت۔ جیسے پیشاب پاخانہ اور شرعی ضرورت جیسے جمعہ کی نماز کے علاوہ مسجد سے بالکل نکلنے کی اجازت نہیں۔ اگر شرعی اور طبعی ضرورت کے بغیر نکلا۔ تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ لیکن اگر اعتکاف واجب یا مسنون ہے تو اس کی قضا بھی کرنی پڑے گی اور اگر اعتکاف مستحب ہو تو وہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ لیکن قضا نہیں آئے گی۔

جان بچانے کی خاطر اعتکاف سے نکل جانا ضروری ہے

۱۳۔ اگر مسجد کے گرنے کا اندیشہ ہے جس میں کہ اعتکاف کیا جا رہا ہے۔ تو

اس سے جائے پناہ کی خاطر نکل جانا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے البتہ اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔

۱۴۔ اگر کسی اعتکاف کرنیوالے کو کسی جرم یا قرض کے مطالبے کے باعث جائے اعتکاف سے زبردستی باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر پیشاب پاخانے یا نماز جمعہ کیلئے باہر نکلا تھا اور کسی قرض خواہ نے روک لیا یا بیمار ہو گیا کہ جائے اعتکاف تک جانے میں دیر ہو گئی تو بھی اعتکاف قائم نہ رہے گا۔

شب قدر

شب قدر میں قرآن کریم کا نزول ہوا ○ شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے ○ شب قدر یوں تو سارے سال میں منتقل ہوتی رہتی ہے لیکن زیادہ راجح یہ ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں ہوتی ہے اور اس میں بھی ستائیسویں رات میں ○ شب قدر میں ساری رات عبادت کرنی چاہیئے یا جس قدر بھی ہو سکے ○ صلوٰۃ التسبیح دیگر نوافل تلاوت قرآن مجید ذکر اللہ جو چاہے کرے ○ شب قدر میں اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ کی دعا مانگے اور جو چاہے دعا مانگے ○

یوں تو سب دن اور راتیں قدرت کی عظیم آیتیں ہیں لیکن خصوصیت سے راتوں میں شب قدر، شب برات، شب معراج، عیدوں کی راتیں اور دنوں میں روزے کے دن، حج کا دن، جمعہ، عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن وہ ہیں جن پر خصوصیت سے ربانی عنایت کے ذرے پڑے اور ان ذروں نے ان راتوں اور دنوں کو چمکا دیا۔ انہی مبارک راتوں میں شب قدر سب راتوں سے زیادہ مقدس، مبارک اور انوار سے منور رات ہے۔

البتہ علما نے حج کے دن کے بعد آنے والی رات کو جو حجاج مزدلفہ میں گذارتے ہیں زیادہ معزز کہا ہے۔

شب قدر کا نام شب قدر کیوں ہوا

لیلۃ القدر کو قدر کی رات اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قدر یعنی عزت و تعظیم کی رات ہے۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ کی آیت میں کہ انہوں نے اللہ کی کما حقہٗ قدر و عزت نہ پہچانی قدر کے صاف معنی عزت و تعظیم کے ہیں۔ یہ رات اس لئے معظم و محترم ہے کہ اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی رحمت، برکت اور مغفرت بھی ایمان والوں پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور جو شخص اس رات میں عبادت کرتا ہے وہ خود قابل قدر ہو جاتا ہے۔

بعض علما نے قدر دال ساکن کو قدر دال کے زبر کے ساتھ کے معنی میں لیا ہے جو قضا کے ساتھ مل کر قضا و قدر بولا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس رات میں اُس سال کے احکام کا فیصلہ کیا جاتا ہے جیسا کہ خدائے کائنات نے قرآن کریم میں فرمایا فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ۝ یعنی اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ صادر کر دیا جاتا ہے۔

بعض علما نے قدر کے معنی تنگی کے لئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْہِ رِزْقُہٗ یعنی جس پر رزق تنگ کر دیا گیا۔ چوں کہ اس رات میں فرشتوں کے بکثرت نازل ہونے کے باعث فضائے آسمان و زمین تنگ ہو جاتی ہے اس لئے اسکو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔

لیلۃ القدر کے فضائل

شب قدر کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم

کے روشن کلمات یہ ہیں :-

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝	ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور
وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ	آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ	قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت کی وجہ اس رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی مرتبہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے باعث ہے جس کی تفصیل ہم آغاز کتاب میں لکھ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہدایت کا نیر اعظم جس رات میں طلوع ہوا ہو وہ رات یعنی اس رات میں عبادت کرنا ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے جبکہ خدائے کریم کی مرضی ہو چکی ہو بہتر ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم خدا کا کلام ہے جو انسانیت کو اعلےٰ مقام پر پہنچانے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا نزول کائنات کی مادی اور روحانی دولتوں میں سب سے زیادہ بڑی دولت ہے۔

قرآن کریم کے اس شب میں نزول کے علاوہ اس رات میں ایک مستقل تقدس اور رحمت و برکت کا سامان اور بھی ہے اور وہ یہ کہ روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام بیشمار فرشتوں کے ہجوم میں نزول فرماتے ہیں تاکہ بے انتہا اور بے شمار خیر و برکت سے اہل زمین کو فیض یاب فرمائیں اور ان کا فیض یاب کرنا یہ ہے کہ جبریل امین اور دوسرے فرشتے نکوکار، عبادت گزار اور خدا کے ذکر سے رطب اللسان مومن بندوں کے لئے سلامتی اور رحمت کی اس رات میں یعنی غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک دعا کرتے ہیں اور یہ سلسلۂ دعا تمام رات جاری رہتا ہے۔ جب جبریل امین فرشتوں کے ہجوم میں رحمت و سلامتی کی تمام رات دعائیں کرتے رہیں تو بے شمار فرشتوں کی صالح مومنین کے حق میں

دعائیں اس قدر بے شمار اور غیر محدود ہوں تو اس سے تمام فضائے کائنات جگمگا اٹھتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ دعائیں اپنی مقدار اور روحانی برکات کے باعث درآنحالیکہ اس میں قرآن کریم بھی اترا ہو ہزار مہینوں کی عبادت سے صاف طور پر بہتر ہوں گی اور بڑھ جائیں گی۔ لہذا یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہو گی۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں واقع ہوئی تھی جیسا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ سے ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں کہ فرشتے "سلام سلام" یعنی سلامتی کی دعا کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے انتظام عالم کے متعلق جو کام اس میں مقدر ہو چکے ہیں ان کے نفاذ کی تعیین کیلئے آتے ہیں۔

مولانا عبدالحی کفلیتوی (سورت) نے غنیۃ الطالبین مصنفہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے حوالے سے اپنی کتاب البصائر فی تذکیر العشائر میں لکھا ہے کہ اس رات جبریل امین فرشتوں کے ہجوم میں زمین پر آتے ہیں اور ایک جھنڈا خانہ کعبہ، دوسرا مسجد نبوی، تیسرا بیت المقدس اور پانچواں طور سینا پر نصب کرتے ہیں اور پھر تمام فرشتے مومنین کے گھروں میں داخل ہو کر تمام رات ان کے لئے دعائے سلامت و رحمت کرتے ہیں الا وہ جسکے گھر میں تصویر یا کتا ہو۔

صاحب مظاہر حق باب لیلۃ القدر میں لکھتے ہیں:۔

"لیلۃ القدر میں تجلی رحمت خاص جناب باری تعالیٰ کی آسمان دنیا پر وقت غروب سے صبح تک ہوتی ہے اور اس میں اترتے ہیں ملائکہ اور روح واسطے ملاقات مسلمانان اور عابدین کے اور اس میں نزول قرآن کا ہوا اور اس میں پیدائش ملائکہ کی ہوئی۔ اور اس میں جمع ہونا مادۂ آدم کا شروع ہوا اور اس میں درخت جنت میں لگائے گئے

اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے" اور اس میں ثواب عبادت کا بہت ہوتا ہے۔
(مظاہر حق جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)

صاحب مظاہر حق کی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ رات ملائکہ کی پیدائش کی رات ہے اسی لئے اس رات میں فرشتے خصوصیت سے رحمت و سلامتی کی دعائیں غالباً کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شب پیدائش آدم سے پہلے ہی متعین ہے البتہ اسکی برکت و رحمت کی خصوصیات اُمتِ محمدیہ کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں۔ صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں۔

"لیلۃ القدر خاص اسی اُمت کے لئے مقرر ہوئی اس لئے کہ باوجود چھوٹی عمروں کے ثواب بہت سا پاویں" (مظاہر حق جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

شانِ نزول آیات لیلۃ القدر

قرآن کریم کی صورت قدر کے شانِ نزول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے مفسرین نے لکھا ہے اور جو روایت میں بھی مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی اُمتوں کی عمروں کا جب علم ہوا تو فرمایا کہ ان کی طویل عمروں کے مقابلے میں میری اُمت کی کم عمریں اس قدر عبادت کے لئے عمل نہیں کر سکتیں، اس پر اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ نازل ہوئی کہ اس اُمت کے لئے ایک رات ایسی ہے کہ اس میں عبادت کی فضیلت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک حدیث نقل کی ہے جسکے ابتدائی جملے یہ ہیں:-

عن انس قال قال رسول اللّٰہ	حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے
اذا کان لیلۃ القدر نزل جبرئیل	کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عليه السلام في كبكبة من الملائكة يصلون على كل عبد قائم او قاعد يذكر الله عز وجل الخ

جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کے ہجوم میں اترتے ہیں اور ہر کھڑے ہوئے اور بیٹھے کر اللہ کو یاد کرنے والے بندے کے لئے دعائے بخشش کرتے ہیں۔

شب قدر کون سی رات ہے

شب قدر کونسی رات ہوتی ہے ہمیں صحیح طور پر اسکا علم نہیں دیا گیا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن کریم اس رات میں نازل ہوا اور قرآن کریم رمضان میں نازل ہوا لہٰذا یہ متعین ہے کہ ابتدائے نزول قرآن کی شب قدر رمضان میں تھی۔ ابوداؤد کی حسب ذیل روایت ملاحظہ ہو۔

عن ابن عمر قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ليلة القدر فقال هي في كل رمضان (رواه ابوداؤد)

ابن عمرؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تمام رمضان میں ہے۔

کل رمضان کا یا تو یہ مطلب ہے کہ شب قدر ہر سال رمضان میں ہوتی ہے اور یا یہ مطلب ہے کسی خاص عشرۂ رمضان کی تخصیص نہیں ہے بلکہ سارے رمضان میں ہوتی ہے لیکن اس کے بعد آنحضور کو شب قدر خاص عشرۂ رمضان میں منکشف ہوئی معلوم ہوتی ہے اس لئے فرمایا:۔

عن عائشة قالت قال رسول

حضرت عائشہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

طاق راتوں سے اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتیں مراد ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام رمضان کی بجائے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کا ہونا راجح ہے۔

بخاری کی ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے:-

عن عبادۃ بن الصامت قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخبرنا بلیلۃ القدر فتلاحی رجلان من المسلمین فقال خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحی فلان وفلان فرفعت وعسی ان یکون خیرا لکم فالتمسوھا فی التاسعۃ و الخامسۃ (بخاری)

عبادہؓ بن صامت سے ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے کہ ہمیں شب قدر کی خبر دیں پس دو مسلمان شخص آپس میں جھگڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا میں اسلئے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر کے متعلق بتاؤں لیکن فلاں اور فلاں شخص جھگڑ پڑے پس شب قدر کی پہچان اٹھا دی گئی اور شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو لہذا اسکو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں راتوں میں ڈھونڈو۔

اس حدیث نے شب قدر کے تجسس اور تلاش کے دائرے کو اور محدود کر دیا اور بتلایا کہ شب قدر رمضان کی آخری عشرے کی ان تین راتوں میں تلاش کرنے سے مل جائے گی۔ تلاش کے معنی ان راتوں میں عبادت کر کے اس کی سعادت اور برکت

سے ہمکنار ہونے کے ہیں۔ گویا پانچ راتوں کی بجائے تین راتوں میں شب قدر کا ملنا زیادہ قریب ہے۔

محدثین نے ان دو شخصوں کا پتہ بتایا ہے جو باہم جھگڑ پڑے ان میں سے ایک عبداللہ بن ابی حدرد اور دوسرے کعب بن مالک تھے کسی بات پر از رہ بشریت بحث ہو گئی ہو گئی جس کے باعث برکت اور رحمت سے محرومی ہو گئی اور آنحضور کے دل سے شب قدر کا تعین اور وقت کی تعیین فراموش ہو گئی۔ اس میں بہتری یہی تھی کہ کسی ایک وقت کی تخصیص نہ ہونے کے باعث مومنین اس کی تلاش میں مسلسل عبادت میں لگے رہیں۔

ان احادیث کے بعد صحیح مسلم کی ایک اور حدیث سنئے۔

عن زر بن حبیش قال سألت	زر بن حبیشؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ میں نے
أبی بن کعب فقلت ان اخاك	ابی بن کعب (صحابی) سے سوال کیا اور کہا
ابن مسعود یقول من یقم الحول	کہ تمہارے (دینی) بھائی ابن مسعود کہتے
یصب لیلة القدر فقال رحمه	ہیں کہ جو شخص تمام سال قیام کرے تو وہ
الله اراد ان لا یتکل الناس اما	شب قدر کو پالیگا۔ ابی ابن کعب نے کہا کہ
انه قد علم انها فی رمضان و	اللہ ان پر رحم فرمائے ان کا ارادہ یہ تھا کہ لوگ
انها فی العشر الاواخر وانها لیلة	اعتماد نہ کر بیٹھیں خبردار ہو کہ ابن مسعود کو
سبع وعشرین ثم حلف لا یستثنی	معلوم ہے کہ شب قدر رمضان میں ہے اور
انها لیلة سبع وعشرین فقلت	وہ بھی رمضان کے آخری عشرہ میں اور در
بای شیء تقول ذلك یا ابا المنذر	حقیقت وہ ستائیسویں رات ہے پھر ابی بن
قال بالعلامة او بالآیة التی	کعب نے قسم کھائی لیکن انشاء اللہ نہ کہا کہ

اخبرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا تطلع یومئذ لا شعاع لہا (مسلم)	شب قدر ستائیسویں رات ہے میں نے کہا اے ابو منذر یہ تم کس دلیل سے کہتے ہو انہوں نے کہا علامت یا نشانی سے جسکو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس دن کے سورج میں جو نکلتا ہے۔ روشنی (تیز) نہیں ہوتی۔

اس حدیث نے ہمارے لئے شب قدر کو ستائیسویں رات میں محدود کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی مضمون کی حدیث ابو داؤد نے ابن مسعود سے درج کی ہے جسمیں ستائیسویں رات کو شب قدر کیلئے مخصوص کہا گیا ہے چنانچہ طبرانی نے زید بن ارقم کی حدیث سے روایت کیا ہے :-

قال ما اشک ولا امتری انہا لیلۃ سبع عشرۃ من رمضان لیلۃ انزل القرآن	زید بن ارقم نے کہا کہ میں نہ شبہ کرتا ہوں اور نہ شک کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات میں ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اس روایت سے بھی رمضان کی ستائیسویں رات کیطرف رجحان پایا جاتا ہے۔

الحاصل تمام احادیث اور قرآن کریم کی آیات پر غور کرنیکے بعد ماحصل یہ ہوتا ہے کہ جس شب قدر میں قرآن کریم نازل ہوا وہ رمضان میں یقینی طور پر تھی۔ بعد ازاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچیسویں، انتیسویں، تئیسویں راتوں میں بلکہ رمضان کے آخری عشرے میں منکشف ہوئی اور اکثر رمضان کی ستائیسویں شب میں۔ اسی لئے آنحضور نے اپنے مشاہدات کی بنا پر ان شب راتوں اور رمضان کے آخری عشرے کی تخصیص فرما دی اور انہی راتوں میں اور بالخصوص بکثرت مشاہدات کی بنا پر ستائیسویں کی

ے اشارہ فرمایا۔

اُدھر زر بن حبیش والی حدیث میں ابن مسعودؓ کا قول تمام سال میں شب قدر کے منے رہنے کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رات تمام سال میں منتقل تی رہتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے البحر کے حوالے سے کہ اس نے خانہ (فتاوے) ے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے مشہور یہ ہے کہ وہ رات تمام سال میں منتقل ہوتی رہتی ہے کبھی رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ میں بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اسکی تائید اس قول سے ہوتی ہے جسکو سلطان العارفین رح محی الدین عربی نے فتوحات میں ذکر کیا ہے۔ ابن عربی لکھتے ہیں:۔

ختلف الناس في ليلة القدر
عني في زمانها فمنهم من قال
ن في السنة كلها تدور وبه اقول
ني رأيتها في شعبان وفي شهر
بيع وفي شهر رمضان وأكثر ما
أيتها في رمضان وفي العشر
آخر منه ورأيتها مرة في
عشر الوسط من رمضان في
ير ليلة وتر وفي الوتر منها فانا
على اليقين من انها تدور
ي وتر وشفع من الشهر اهـ

علماء نے شب قدر کے متعلق اختلاف کیا ہے
یعنی اسکے وقت کے متعلق بعض نے کہا
وہ تمام سال گھومتی رہتی ہے اور اسی کا میں
قائل ہوں کیونکہ میں نے شب قدر کو شعبان
میں ماہ ربیع میں اور رمضان میں دیکھا ہے
اور اکثر میں نے اسکو رمضان میں دیکھا ہے
اور بالخصوص آخری عشرے میں اور ایک
دفعہ رمضان کے درمیانی عشرے میں غیر
طاق رات میں اور طاق رات میں بھی۔ پس
مجھے اس بات کا یقین ہے کہ شب قدر
سارے سال میں مہینے کی طاق اور شفع
دونوں راتوں میں چلتی پھرتی رہتی ہے۔

فیصلہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں شب قدر کے بارے میں چھیالیس اقوال کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے :-

والراجح انها في رمضان وانها تنتقل وارجاها العشر الاخير وارجاها اوتار العشر وارجى اوتار العشر ليلة احدى وعشرين او ثلاث وعشرين عند الشافعية وارجاها عند الجمهور ليلة سبع وعشرين۔

اور زیادہ راجح یہ ہے کہ شب قدر رمضان میں آتی اور وہ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور رمضان میں بھی آخری عشرے میں زیادہ راجح ہے اور آخری عشرے میں بھی شافعیہ کے نزدیک اکیسویں اور تیئسویں وتر کی راتیں زیادہ راجح ہیں لیکن اکثر علما کے نزدیک راجح ترین قول ستائیسویں رات ہے۔

(فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۱۹۴)

قابل عمل ان تمام بحثوں کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شب قدر سے فائدہ اٹھانے اور اسکی برکتوں سے فیضیاب ہونے کیلئے تمام سال ہی جو بندے راتوں کو عبادت میں لگے رہتے ہیں وہ ایک نہ ایک رات میں شب قدر کو پا لیتے ہیں لیکن جو لوگ تمام سال کی راتوں میں قیام سے قاصر ہیں وہ رمضان کی سب راتوں کو قیام کر کے شب قدر حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ غالباً اسمیں کوئی رات مل جائے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو رمضان کے آخری تمام عشرے کی راتوں میں عبادت سے غافل نہ رہیں۔ اگر اس میں بھی کوتاہی ہو تو رمضان کے آخری عشرے کی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں تو ضرور ہی عبادت و ذکر الہی سے غفلت اختیار نہ کیجائے لیکن اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بالآخر ستائیسویں رات کو تو کسی صورت سے بھی عبادت سے خالی نہ جانے دیں کہ عجب نہیں اسی رات کی عبادت شب قدر

کئے وافی جا پڑے اور خدا کی رحمتیں اس پر اپنا سایہ کر کے سعادتوں سے بہرہ مند کر دیں۔

شب قدر کے اخفا کا راز

ان سب حقائق کی معلومات کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر شب قدر کو اسقدر مخفی رکھنے میں کیا مصلحت سمجھی گئی۔ اسکا جواب نہایت آسان ہے اور وہ یہ کہ مادی اور روحانی قیمتی چیزوں کو عام طور پر پوشیدہ ہی رکھا جاتا ہے۔ ایک تو اسلئے کہ مخفی چیز کی نگاہیں بہت زیادہ متلاشی ہو جاتی ہیں اور اسکی عظمت اور وقعت انسانوں کے دلوں میں زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ باآسانی میسر ہو جانے والی چیز اول تو قیمتی نہیں ہوتی اور اگر ہو بھی تو اسکی تلاش میں انسانوں کو زیادہ دقت کا سامنا نہیں ہوتا اسلئے دلوں میں اسکی زیادہ وقعت بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ یہ ایک انسانی خاصہ ہے کہ جسقدر وہ کسی مدعا کے حصول میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد جو چیز اسکو حاصل ہوتی ہے اسکو انسان نہایت عزیز بنا کر رکھتا ہے۔ آج کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ تجارت کی مختلف اشیاء کیلئے انعام کی پرچی چھپا کر رکھ دی جاتی ہے کسی میں کار کا انعام ہوتا ہے اور کسی میں کوئی اور قیمتی چیز کا۔ چنانچہ اب اس چیز کی خریداری کیلئے دنیا ٹوٹ پڑتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شب قدر کو ایک ہزار مہینے سے زیادہ بہتر قرار دیا اور اسکو سال بھر میں کسی رات میں چھپا دیا تاکہ بندگان خدا اسکے حصول میں جدوجہد کریں۔ عبادتوں سے دلوں کو گرمائے رکھیں اور ذکر الٰہی سے زبان کو تر کر کے بیشمار ثوابوں کی دنیا جمع کر لیں تاآنکہ خدائے کریم ان سے خوش ہو جائے اور غیر محدود انعام سے بندوں کو مالا مال کر دیں۔ اگر اس رات کو بتا دیا جاتا تو خدا کے بندے اور راتوں میں عبادت سے غافل ہو کر بس اسی میں عبادت کو محدود کر لیا کرتے۔

شب قدر کی علامات

ہمارے سامنے اس سلسلے میں ایک حدیث آتی ہے جو

ابھی اوپر گذری ہے اس میں کہا گیا ہے کہ شب قدر کے گذرنے کے بعد آنیوالے دن کے سورج میں شعاع یعنی تیزی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شب قدر کیلئے کچھ علامتیں بھی ہو سکتی ہیں اور نہیں۔ اب جس حدیث میں ہے "لا شعاع لہ" کہ اس کے دن کے سورج کی شعاع نہیں ہوتی۔ اور ابن خزیمہ کی ابن عباس سے روایت میں ہے تصبح الشمس حمراء ضعیفة یعنی شب قدر کی صبح کو سورج سرخ ہوتا ہے اور اس کی روشنی کم ہوتی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:-

لان الملئكة لكثرة اختلافها	فرشتوں کے بکثرت زمین کی طرف آنے
وترددها في ليلتها ونزولها	اور آسمانوں کی طرف جانے کے باعث
الارض وصعودها تستر باجنحتها	ان کے لطیف اجسام اور بازوؤں سے
واجسامها اللطيفة ضوء الشمس الخ	سورج کی روشنی مدھم پڑ جاتی ہے

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجسام کثیفہ اجسام لطیفہ سے چھپ نہیں جایا کرتے بعض کے مذکورہ قول پر اعتراض کرکے علامہ بجیر کہتے ہیں:-

نعم لو قيل غلب نور تلك الليلة	ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ شب قدر کا روحانی
ضوء الشمس مع بعد المسافة	مسافت زمانیہ کی دوری کے باوجود
الزمانية مبالغة في اظهار	کی شعاعوں پر اسلئے چھا جاتا ہے کہ شب
انوارها الربانية لكان وجها	میں انوار ربانی کا ظہور ہوتا ہے تو
وجيهاً۔	زیادہ اچھی ہوتی ہے

حافظ نے بھی شب قدر کیلئے علامات کا ذکر کیا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ تمام بیک دفعہ ظہور میں آئی ہوں بعض کسی سال اور بعض کسی سال۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں

ولعل من اوضح علامتها سکون القلب الی العبادۃ فیھا والتلذذ بالطاعات والقرآن کالالتذا تلاوۃ القرآن کالاستلذاذ للذائذ الحسیۃ بل ازید منہ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

اور غالباً اس کی زیادہ صاف علامات میں سے دل کا اس رات عبادت میں سکون پانا اس کا طاعات اور قربات میں اور بالخصوص تلاوت قرآن میں لذائذ حسیہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ لذت پانا، شب قدر کی علامت ہے۔

حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیا شب قدر کی کوئی علامت ہے بھی یا نہیں اس میں علما کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ شب قدر میں :-

۱- ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں کائنات کی تمام شیاء کے تسبیح پڑھنے اور سجدہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ البتہ انکے سجدے اور تسبیح کو ہم نہیں جانتے۔ ختوں کا سجدہ کرنا غالباً اس لئے کہ جنت میں اس رات درخت لگائے گئے ہیں۔

۲- ہر جگہ میں انوار چمکتے نظر آتے ہیں حتیٰ کہ تاریک مواضع میں بھی۔

۳- ملائکہ کا سلام اور کلام سنا گیا ہے۔

۴- یہ کہ اس شخص کی دعا قبول ہو جاتی ہے جسکی عبادت شب قدر کے موافق پڑ جائے۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ یہ سب علامتیں ضروری نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب پر ان میں سے کوئی چیز منکشف ہوئی ہو لیکن اکثر علما نے کہا ہے کہ اسکی نشانیاں لف ہوتی ہیں۔ اور یہ ان لوگوں پر جو صاحب کشف ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ جس پر بھی کوئی ت واضح کر دے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ شب قدر کی صبح کو پیشانی مٹی اور پانی میں لتھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس رات بارش برسی اور صبح کو جب

حضور نے نماز پڑھی تو آپ کی پیشانی مبارک کیچڑ سے لتھڑی ہوئی تھی۔ آخر میں ہم امام نووی کا قول پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

واعلم ان لیلة القدر موجودة کما سبق التنبیه علیه فانها تری یتحققها من شاء الله تعالیٰ من بنی آدم کل سنة فی رمضان کما تظاهرت علیه هذه الاحادیث السابقة فی الباب واخبار الصالحین بها ورؤیتهم لها اکثر من ان تحصر

(فتح الملہم جلد ۳ صـ ۱۹۳)

معلوم ہو کہ لیلة القدر جیسا کہ اس کے متعلق بتایا گیا ہے وہ دیکھی جاتی ہے اور بنی آدم میں سے ہر سال رمضان میں اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے جیسا کہ احادیث سابقہ اور نیکوکار لوگوں کی اطلاعات اور ان کے اس کو بے شمار دفعہ دیکھنے کی خبروں سے واضح ہے۔

صاحب مظاہر حق علامہ عثمانی کے قول کے مطابق لکھتے ہیں :-

اور بڑی علامت یہ ہے کہ توفیق ہو اس میں ذکر اور عبادت اور مناجات اور خضوع خشوع وحضور واخلاص کی یعنی اگر کسی کو عبادت کا ذوق وشوق اس رات میں نصیب ہو سمجھنا چاہیئے کہ اس رات میں شب قدر ہوگئی۔

قدر کی رات میں کیا کرے

اس رات میں اگر ہو سکے تمام رات عبادت کرے جائے تو تلاوت قرآن کریم کرے یا درود شریف سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر وغیرہ پڑھتا رہے۔ ایسی راتوں میں طویل نوافل پڑھ ہے۔ یا مخصوص صلوة التسبیح۔ بہرحال مختار یہ ہے کہ تمام رات عبادت میں

صبح کے فرائض اور سنت موکدہ کی ادائیگی میں خلل نہ ہونے پائے۔ اگر تمام رات نہ جاگ سکے تو رات کا زیادہ حصہ عبادت و ذکر میں صرف کرے ورنہ جسقدر بھی توفیق ہو سکے۔

کون سی دعا شب قدر میں افضل ہے

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی حدیث میں اس رات جو دعا مانگنے کے لئے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:-

عن عائشة قلت یا رسول اللہ ارأیت ان علمتُ ای لیلة القدر ما اقول فیھا قال قولی "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ" (ابن ماجہ ترمذی)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے بتلائیے اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں اس وقت کیا دعا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ "اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرما دے"، کہنا۔

یہ دعا سب سے افضل دعا ہے کیونکہ اس میں اپنے گناہوں کی معافی درخواست کی گئی ہے لیکن اور دعائیں بھی مانگنے کی اجازت ہے ہر جائز دعا مانگنے کی بندۂ مومن کو اجازت ہے۔ ہاں جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہے وہ سب سے افضل ہے کیونکہ صاحب شریعت نے بتلائی ہے۔

اعتکاف اور شب قدر میں باہم تعلق و ربط

اگر غور سے دیکھا جائے تو اعتکاف اور شب قدر میں ایک گہرا ربط ہے اور وہ یہی کہ اعتکاف کی تنہائیوں اور رات دن کی عبادتوں اور پھر رمضان کے روزوں کے باعث مومن کا دل انوار الٰہی سے منور ہو جاتا ہے اس صورت میں شب قدر کا انکشاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس پر اسکو منکشف فرمائیں۔

ان تمام مراحل کے بعد ہم روزے کے مسائل بیان کرنے کی منزل پر آپہنچتے ہیں کیونکہ رمضان اور روزوں سے متعلق جسقدر تفصیلات اپنے دائرہ معلومات میں تھیں ان پر حسب ضرورت روشنی ڈالی جا چکی ہے

مسائل روزہ

جن حالات میں روزے کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں ○
وہ صورتیں جن میں صرف قضا آتی ہے ○ مسلسل اور غیر مسلسل
رکھے جانے والے روزے ○ جن صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا ○

روزے کی تعریف ہم آغاز کتاب میں لکھ چکے ہیں لیکن چونکہ اب مسائل کا آغاز کیا جا رہا ہے اس لئے از سر نو ترتیب وار خاص مسائل کو پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ انہیں میں روزے کی تعریف بھی ہے۔

روزے کی تعریف

روزہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نیت کر کے کچھ نہ کھانے اور نہ پینے اور جماع سے پرہیز کرنے کا نام ہے جس سے اللہ کا تقرب اور اس کی خوشنودی مقصود ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر

روزے کی انسان نیت نہ کرے اور تمام دن بھوکا پیاسا رہے تو روزہ نہ ہوگا۔ ہم مرن برت اور بھوک ہڑتال میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ نیت کے بغیر روزہ فاقہ ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں۔

روزہ کس پر فرض ہے

رمضان شریف کے روزے فرض ہیں اور ان کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ البتہ فرضیت کا عقیدہ رکھتے ہوئے ورروزہ نہ رکھے وہ سخت گنہگار ہے۔ روزہ ہر مسلمان، عاقل مرد اور عورت، بالغ ڑکے اور لڑکی پر فرض ہے۔ البتہ دیوانے اور مجنون یا نابالغ پر فرض نہیں۔

روزہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر فرض ہے ص ماہ رات اور چھ ماہ دن کے مقامات پر بھی روزے فرض ہیں

روزے کی فرضیت رمضان المبارک میں واضح ہے۔ نیز یہ بھی کہ روزے کی ابتدا اور انتہا صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے اس لئے فرض روزوں کے لئے رمضان اور دن کا ہونا ضروری ہے لیکن وہ ام جہاں پر چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن ہوتا ہے وہاں روزوں کی فرضیت کا ساب کس طرح ہوگا یہ سوال قابل غور ہے

وہ مقام جہاں چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن ہوتا ہے جزیرہ لاپ لینڈ ہے۔ ن چونکہ یہاں انسانی آبادی کا بسنا جان کھونے کے مترادف ہے اس لئے اس یرے میں کوئی نہیں رہ سکتا۔ یہاں اتنی سخت سردی ہوتی ہے کہ نہ کوئی آدمی ں رہتا ہے اور نہ زندہ ہی رہ سکتا ہے اس لئے فقہا نے نماز اور روزے کے لق وہاں کی صورت حال سے کوئی بحث ہی نہیں کی۔ تاہم علامہ شامی نے اس

مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ہم اس سلسلے میں ہندوستان کے عظیم الشان مفتی اور عظیم المرتبت فقیہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی ابن شاہ ولی اللہ صاحب کے فتوے کا اردو ترجمہ درج کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے :-

فتویٰ شاہ عبد العزیزؒ

یہ مسئلہ بالتخصیص منجملہ کتب فقہ کے کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علمائے سابقین نے اس مسئلہ میں بحث کو عبث جانا ہے اس واسطے کہ یہ جگہ یعنی عرض تسعین (جہاں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات ہوتی ہے) ایسی ہے کہ وہاں جانور نہیں رہ سکتے۔ انسان کا تو ذکر ہی کیا ہے اس واسطے کہ وہاں سے آفتاب نہایت درجہ دور ہے۔ اس واسطے کہ وہاں اس قدر سردی پڑتی ہے کہ وہاں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جانور کے زندہ رہنے کے لئے حرارت غریزی جس سے وہ جانور زندہ رہتا ہے سخت سردی کے باعث باقی نہیں رہتی۔ اس لئے علما نے سمجھا کہ وہاں کے متعلق نماز روزے کے حکم میں بحث کرنا فضول ہے۔ لیکن قرآن مجید سے وہاں کے متعلق حکم ثابت ہوتا ہے۔

نماز کا حکم

اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ آفتاب جب اپنی خاص حرکت سے شمالی برجوں میں آتا ہے یعنی آسمان کے بارہ برجوں میں آتا ہے یعنی آسمان کے بارہ برجوں میں برج حمل سے آخری برج سنبلہ میں جب تک سورج رہتا ہے تو اس جگہ یعنی نوے درجے سے رات اور دن جس قدر وقت میں پورا ہوتا ہے وہ چوبیس گھنٹے میں پورا نہیں ہوتا یعنی چوبیس گھنٹوں میں سورج غروب نہیں ہوتا اور فلک الافلاک کی حرکت سے ہر روز یعنی چوبیس گھنٹے میں

ایک مدار (چکر) کو طے کرتا ہے تو بالفرض اگر وہاں آدمی ہوں تو ان کو چاہیئے کہ ہر دن کے مدار کے دو حصے کریں ایک حصے کو دن اور ایک حصے کو رات خیال کریں اور اس میں تین نمازیں یعنی فجر، ظہر اور عصر ادا کریں اور ہر نماز کے وقت کے مطابق اس نصف مدار کو تقسیم کریں اور ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کریں اور مدار کے نصف حصے کو رات سمجھیں اور اس میں پہلے مغرب اور پھر نصف مدار کے چوتھائی حصے کے بعد آفتاب کے گزرنے کے بعد عشا اور وتر کی نماز پڑھیں۔ چنانچہ جب تک سورج شمالی مداروں میں رہے اور اس جگہ سے نظروں سے غائب نہ ہو تو اسی طرح نماز برابر ادا کرتے رہیں اور جب آفتاب بروج جنوبیہ میں داخل ہو یعنی برج میزان سے برج حوت تک کے بروج میں رہے تو شمالی مداروں کی طرح جنوبی مداروں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کریں۔ ایک نصف کو دن اعتبار کریں اور اوپر کے اندازے کے مطابق اندازہ کر کے اس میں فجر، ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کریں اور دوسرے نصف کو رات اعتبار کریں اور مذکورہ بالا طریقے کے مطابق اندازہ کر کے اس میں مغرب، اور عشا کی نمازیں ادا کریں۔ کیونکہ جنوبی اور شمالی مدار برابر ہیں اگرچہ دیکھنے میں بلندی و پستی کے اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے۔

روزے کا حکم

اور وہاں کے متعلق روزے کا یہ حکم ہے کہ جو لوگ آباد زمین سے جہاز پر وہاں آمد و رفت رکھتے ہوں ان سے معلوم کیا جائے کہ چاند کے مہینوں میں سے یہ کونسا مہینہ ہے اور اس مہینے کو یاد رکھیں اور حساب سے جب وہ مہینہ تیس دن کے برابر گذر جائے تو اس مہینے کے بعد کا دوسرا مہینہ اعتبار کریں اور اسی طرح شمار کرتے رہیں۔ جب اس حساب سے

رمضان کا مہینہ آئے تو ہر مدار کے ایک نصف کو دن سمجھیں اور اس میں روزہ رکھیں اور اس مدار کے دوسرے نصف کو رات اعتبار کریں اور اس میں افطار کریں۔ اور یہ سننے میں آیا ہے کہ بلاد روم میں مہینہ دریافت کرنے کے لئے گھڑیاں بناتے ہیں کہ ان سے چاند کی شکلیں شروع ماہ سے آخر تک کی معلوم ہو جاتی ہیں تو اس آلے کے ذریعہ رمضان اور دن، رات کا اندازہ کر کے روزہ رکھیں اور افطار کریں۔ اور اگر چاہیں تو چاند کی منزلوں کو مہینے کے آغاز سے معلوم کریں اور منزل کے دو حصے کریں۔ ایک حصّے کو دن اور دوسرے حصّے کو رات مانیں۔

رات دن متعین کرنے کا ایک اور طریقہ

اور یہ بھی آسان طریقہ ہے کہ منطقۂ مائل قمر کا میلان منطقۃ البروج سے پانچ درجے پر ہے تو جب تک چاند شمالی منزلوں میں رہے گا تو وہاں کے مدار لوگوں پر ظاہر رہیں گے۔ لہذا ہر مدار کے دو حصے کر کے روزہ رکھیں اور افطار کریں۔ اور جب چاند جنوبی منزلوں میں جائے تو شمالی منزلوں کے اسی حساب کے مطابق جنوبی منزلوں میں بھی وہی عمل کریں۔ (ترجمہ فتاوی عزیزی صفحہ ۲۹۳-۹۴-۹۵

مذکورہ بالا حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہم نے آپ کے معلومات میں اضافے کے لئے پیش کر دیا ہے اور آج کل ایسی چیزیں ایجاد ہو چکی ہیں جن سے وہاں کے رات دن اور ماہ و سال کا حساب بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن بات وہی ہے کہ چونکہ وہاں سخت سردی کے باعث اور منطقۂ انجماد کے سبب کوئی جانور بھی نہیں رہ سکتا اور اگر جائے تو جم کر برف بن جائے گا اس لئے وہاں کے لئے مسائل کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ لیکن چونکہ اسلامی قانون عالمگیر ہے۔

اس لیئے وہاں کے لئے ضابطۂ مذکورہ بالا عمل میں لایا جانا چاہیئے۔

جن حالات میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسے حالات وعوارض جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔ مرض[1] ، سفر[2] ، زبردستی[3] کسی کو روزہ نہ رکھنے دینا یا بجبر روزہ دار کے منہ میں کھانا یا پانی ڈال دینا، حمل[4] ، دودھ[5] پلانا، سخت[6] بھوک یا پیاس[7] ، بہت[8] بڑھاپا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا، حیض[9] ، نفاس[10] یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد خون کے آنے کی صورت میں۔

مرض اگر انسان بیمار ہے اور مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ رمضان کے بعد قضا کرے لیکن اگر رمضان میں صحت ہو گئی تو بقیہ روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اگر زیادہ بیمار تو نہیں ہے لیکن روزے سے مرض بڑھ جانے یا طویل ہو جانے کا اندیشہ ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ رمضان کے بعد قضا کرے لیکن اگر ایسی بیماری ہے کہ اس میں روزہ رکھنے سے کوئی زیادتی نہ ہوگی تو پھر روزہ رکھنا ضروری ہے۔ ہر حال میں دیندار طبیب یا دیانتدار ڈاکٹر سے مشورہ کر کے روزہ نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ غیر مسلم ڈاکٹر یا غیر پابند شرع مسلم ڈاکٹر کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ بعض اوقات ظاہری حالت کو دیکھ کر دیندار طبیب یا ڈاکٹر روزہ رکھنے کا مشورہ بھی دے دیں لیکن مریض کو اپنا تجربہ یہ ہے کہ

روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا یا سخت مرض لاحق ہو جائے گا یا بیماری طول پکڑ جائے گی یا موت کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں ڈاکٹر اور طبیب کے مشورے کے خلاف دیانتداری کو پیش نظر رکھ کر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے ۔ اگر بیمار اچھا تو ہو گیا ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اگر بقیہ رمضان کے روزے رکھے گا تو بیماری پھر لوٹ آئے گی تو اس صورت میں بھی روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے ۔ صحت ہونے پر ہر حال میں رمضان کے بعد قضا لازم ہے ۔ بیماری سے مراد وہ طبیعت کا تغیر ہے جس کا اثر پہلے جسم کے اندر اور پھر اس کا اثر جسم پر باہر نمودار ہوتا ہے ۔ اس میں آنکھوں کا دکھنا ، کان کا درد کرنا ، دوسرے ہر قسم کے درد ، پیچش ، بخار وغیرہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں ۔

سفر

مسافر سے مراد وہ ہے جو تین منزل یعنی انگریزی موجودہ میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل کا سفر کرنے کے ارادے سے نکلے نیز یہ کہ سفر اپنے شہر یا بستی کی آبادی سے باہر ہو کر شروع سمجھا جائے گا ۔ ریل گاڑی یا تیز رفتار سواری کے ذریعہ جلد سفر طے کرنے والا بھی مسافر ہے جبکہ سفر اڑتالیس میل کا ہو ۔

۱ ۔ اگر اثنائے سفر میں کہیں مسافر ٹھہر جائے اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے تو تب بھی وہ مسافر سمجھا جائے گا ۔ البتہ اگر پندرہ دن اور رات ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا تو اب مسافر نہ رہے گا اس پر روزہ رکھنا فرض ہے اور نماز میں بھی پوری چار رکعت پڑھنی ضروری ہیں ۔

۲ ۔ اگر سفر میں کسی بستی میں دس دن ، کسی میں پانچ دن اور کسی میں

بارہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو اس صورت میں مسافر ہی رہے گا۔

۳۔ عورت خاوند کے اور نوکر آقا کے تابع ہونگے۔ اور خاوند اور آقا کی نیت کے عورت اور نوکر تابع ہوں گے۔

۴۔ اگر مسافر کسی بستی میں پندرہ دن سے کم کے ارادے پر ٹھہرا لیکن کسی وجہ سے جانا نہیں ہوا۔ روزانہ ارادہ کرتا ہے کہ آج یا کل چلا جاؤں گا لیکن جانا نہیں ہوتا تو اس صورت میں بھی مسافر سمجھا جائے گا خواہ پندرہ دن سے کتنے ہی زیادہ دن گذر جائیں۔

مسافر اور روزہ مسافر کے لئے صحیح حکم یہ ہے کہ اگر اس کو سفر میں روزے سے کوئی تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے اور اگر روزے سے تکلیف ہوتی ہے تو نہ رکھنا بہتر ہے۔ لیکن اگر سفر میں کوئی تکلیف نہ ہو اور پھر بھی روزہ نہ رکھے تو گناہ نہ ہوگا لیکن رمضان کے روزے سے محرومی رہے گی۔ بہرحال بعد رمضان قضا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:۔

ویندب للمسافر الصوم ان لم یضرہ فان شق علیہ فالفطر افضل (درمختار صفحہ ۱۸۸ جلد ۲)	مسافر کے لئے بہتر روزہ رکھنا ہے جبکہ ضرر نہ دے لیکن اگر اس پر شاق گذرے تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

۵۔ سفر کے ارادہ سے مسافر چلا لیکن دوپہر کے پہلے ہی اپنے گھر آ گیا اور کچھ کھایا پیا نہیں تو روزے کی نیت کرنی چاہئے۔

حاملہ عورت اور روزہ اگر روزہ رکھنے سے حاملہ یا دودھ پلانے والی کو اپنی یا بچے کی جان کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھے۔ پھر قضا کرے۔

مراقی الفلاح میں ہے :۔

ویجوز الفطر لحامل ومرضع خافت نقصان الحمل او الهلاک او المرض سواء کان علی نفسها او ولدها نسبا کان او رضاعاً (مراقی صفحہ ٣٧٤)

حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے جبکہ حمل کے نقصان پہنچنے یا ہلاک ہونے یا مریض ہو جانے کا اندیشہ ہو خواہ اپنے لئے یا بچے کے لئے خواہ بچہ اپنا ہو یا رضاعی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

بہت بڑھاپے میں روزہ

اگر کوئی اس قدر بوڑھا ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا اور نہ آئندہ رکھنے کی امید ہے تو اس کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ البتہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ ادا کرتا رہے۔ فدیہ کا ذکر آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ لیکن اگر غریب ہے کہ فدیہ ادا نہیں کر سکتا تو اولاد کو چاہئے کہ اس کا فدیہ ادا کریں ورنہ ایسا شخص معذور ہے۔ درمختار میں ہے :۔

وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی ..... والمریض اذا تحقق الیاس من الصحة فعلیه الفدية

اور شیخ فانی روزے سے عاجز پر افطار کرنا ہے اور فدیہ دینا ہے۔ اسی طرح وہ مریض جو صحت سے یقینی طور پر مایوس ہو چکا ہے فدیہ ہے ہر روزے کا۔

شیخ فانی یا فانیہ کی تعریف

سخت بوڑھا مرد یا عورت جن کو شیخ فانی یا فانیہ کہا جاتا ہے وہ ہیں جو فی الحال روزہ رکھنے سے عاجز ہوں اور ہر روز ان کی کمزوری اور ناطاقتی بڑھتی چلی جائے حتیٰ کہ بڑھاپے کے سبب روزہ رکھنے سے ناامید اور مایوس ہو جائیں۔

حیض اور نفاس میں روزہ

حیض و نفاس میں روزہ رکھنا درست نہیں حیض

اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ لڑکی یا عورت کو ماہوار آتا ہے۔ جو کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے۔ تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا۔ اس کو استحاضہ کہتے ہیں جو کسی بیماری یا اور کسی وجہ سے آجاتا ہے۔ استحاضے میں روزہ رکھنا چاہیئے۔ حیض کے مسائل کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھنی چاہیئے۔

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے۔ جس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہوتی ہے۔ اگر چالیس دن سے پہلے بند ہو جائے تو اس کے بعد روزہ رکھے لیکن اگر چالیس دن کے بعد بھی آتا رہے تو ان دنوں میں روزہ رکھنا فرض ہے۔ کیونکہ وہ نفاس میں شامل نہیں۔

مسئلہ:۔ لڑکی جس دن جوان ہوئی اور اس کو حیض آ گیا اس دن کا روزہ رمضان کے بعد قضا کرنا اس کے ذمے ضروری نہیں۔ اسی طرح جو غیر مسلم دن میں ایمان لایا تو اس دن کے روزے کی قضا رمضان کے بعد ضروری نہیں۔

مذکورہ بالا امور کے متعلق جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے حدیث میں ہے:۔

عن انس بن مالك ن الكعبی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوٰة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلیٰ

(ترمذی۔ ابوداؤد وغیرہ)

انس بن مالک کعبی سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز معاف کر دی اور روزہ مسافر، دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ سے معاف کر دیا۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

جن وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے

شدت کی بھوک یا پیاس میں روزہ

۱۔ شدت کی بھوک یا پیاس میں جس میں جان کا خطرہ ہو۔ روزہ افطار کر لینا جائز ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:-

وجاز الفطر لمن حصل له عطش شديد وجوع مفطر يخاف منها الهلاك (صہ ۳۸۲)

اور جس کو سخت بھوک یا پیاس لگی ہو کہ اس سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو افطار کرنا جائز ہے۔ (مراقی الفلاح)

۲۔ اچانک بیمار پڑ جانے سے جس میں جان کا خطرہ یا بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو افطار کر لینا جائز ہے۔ بلکہ روزہ توڑ دینا واجب ہے لیکن اگر جان کر ایسی صورت اختیار کی کہ اس سے تشنگی یا بھوک اس درجے پر پہنچ گئی کہ روزہ افطار کئے نہ بنے تو اس صورت میں وہ شخص گنہگار ہوگا اگرچہ افطار کرنا جائز ہو جائے گا۔

۳۔ حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آ جائے جس سے جان کے لالے پڑ جائیں یا بچے کے لئے روزے سے خطرہ لاحق ہو گیا ہے تو روزہ توڑ ڈالنا چاہیے۔ یہی حال دودھ پلانے والی کا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ بات واضح کر دینا مناسب ہے کہ جب کوئی شخص رمضان سے پہلے بیمار چلا آ رہا ہو اور روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو اس کا آغاز مسائل میں ہم ذکر کر چکے ہیں اور خاص روزے کی حالت میں بیمار ہونے کے متعلق ابھی مذکورہ بالا عنوان میں اس کی وضاحت کی گئی ہے اس لئے دونوں صورتیں علیحدہ ہیں جن میں فرق پر غور کر لینا چاہیے

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے
اور
قضا و کفارہ دونوں لازم آتے ہیں

جس مرد یا عورت پر روزہ رکھنا فرض ہو اور روزے کی تمام شرطیں یعنی بالغ عاقل، مسلمان ہونا، بیمار، حائضہ، مجنون، حاملہ اور مسافر نہ ہونا پائی جائیں تو مرد یا عورت جب رات سے روزۂ رمضان کی نیت کرلے اور پھر صبح صادق کے بعد جان کر جماع یا غذا یا دوا سے بغیر عذر شرعی روزہ توڑ دیں تو ان پر اس دن کے روزے کی قضا اور اس کا کفارہ (یعنی روزہ توڑنے کا جرمانہ) ادا کرنا پڑے گا اگر رمضان کے علاوہ کسی اور روزے کو توڑنے یا رمضان کے روزے کی رات سے نیت نہ کرے اور پھر روزہ توڑ دے تو اس صورت میں کفارہ نہ آئے گا۔

کفارے کا اصول کلیہ

اس سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو فقہا نے تحریر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جان کر منہ کے ذریعہ پیٹ میں کوئی ایسی چیز پہنچانا جو غذا یا دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہو اور اس سے کسی قسم کا جسمانی فائدہ ہو یا لذت حاصل کرنا مقصود ہو ایسی چیز خواہ کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو اس کے کھانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا وراس کی قضا اور کفارہ دونوں ادا کرنے پڑیں گے۔ اسی میں عورت کے ساتھ جماع بھی شامل ہے۔ بشرطیکہ عورت قابل جماع ہو خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

لیکن اگر عورت سے زبردستی کی گئی تو اس صورت میں مرد پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے البتہ عورت پر صرف قضا آئے گی۔ لیکن اگر خاوند اور بیوی دونوں نے رمضان کے روزے کی رات سے نیت کی اور دونوں بخوشی قصداً جماع کے مرتکب ہوئے تو دونوں پر کفارہ لازم آئے گا۔ یہی حکم لواطت کا بھی ہے۔ سگریٹ اور حقے کے پینے میں بھی چونکہ حصولِ لذت منظور ہوتی ہے اس لئے ان سے بھی قضا اور کفارہ دونوں لازم آئیں گے۔ یہی حکم ہے اس صورت میں بھی جبکہ مرد عورت کی زبان منہ میں لے کر تھوک نگل لے کہ اس میں بھی قضا اور کفارہ آئے گا۔ اسی طرح رات سے رمضان کے روزے کی نیت کی اور پھر دن میں اسی دن سفر پر چل پڑا لیکن سفر سے پہلے روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں بھی کفارہ آئے گا۔ ہاں اگر سفر کے بعد روزہ توڑا تو کفارہ نہیں آئے گا۔

جو صورتیں کفارے سے مستثنٰے ہیں

لیکن اگر کسی عورت نے قصداً کھانا کھایا یا مرد کے ساتھ زبردستی کی اور پھر اس کو حیض شروع ہو گیا۔ یا بعد ازاں اسی دن بچہ پیدا ہو کر نفاس آ گیا یا مرد نے جان کر کھانا کھایا یا روزے میں قصداً جماع کیا لیکن بعد ازاں اسی دن سخت بیمار ہو گیا کہ روزہ افطار کرنا شرعاً جائز ہو گیا تو اس صورت میں صرف روزے کی قضا ہو گی کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ قدرتی امور ایسے ظہور میں آ گئے ہیں جن سے روزہ باقی نہیں رہ سکتا تھا یا افطار کرنا پڑ گیا تھا۔ اس لئے اس کا کریڈٹ مجرم کو ملے گا اسی طرح اگر روزے کی نیت کی اور پھر سفر پر چل پڑا اور روزے کو توڑ دیا تو کفارہ

نہیں آئے گا لیکن اگر سفر کرنے سے پہلے روزہ رمضان توڑ دیا تو اس صورت میں کفارہ آئے گا لیکن اگر سفر پر روانہ ہو کر کسی وجہ سے گھر واپس آیا اور پھر جانے لگا۔ لیکن گھر پر کچھ کھا لیا تو چونکہ گھر آنے پر وہ مسافر نہیں رہا اس لئے اب اس پر قضا اور کفارہ آئے گا۔

کفارہ کیا ہے جہاں کہ جماع کرنے میں حسب ذیل حدیث ملاحظہ ہو جس میں کفارے کا ذکر ہے:۔

عن ابی هريرة قال بينما نحن جلوس عند النبی صلی الله عليه وسلم اذاءه رجل فقال يا رسول الله هلكت قال مالك قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم هل تجد رقبة تعتقها قال لا قال فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين قال لا قال هل تجد اطعام ستين مسكينا .... الخ

ابوہریرہؓ سے ہے انہوں نے کہا کہ اس اثنا میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں اپنی بیوی پر جا پڑا حالانکہ میں روزے سے تھا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا غلام آزاد کر سکتا ہے اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ سکتا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ .... الخ

اس حدیث سے واضح ہوا کہ کفارے میں پہلے تو غلام آزاد کرنا ہوگا خواہ پاس ہو یا خرید کر۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے۔ اگر درمیان میں

سلسلہ ٹوٹ گیا تو پھر از سر نو رکھنا پڑیں گے۔ البتہ حائضہ عورت کے لئے یہ تسلسل معاف ہے۔ البتہ حیض سے پاک ہوتے ہی لگے دن سے روزہ رکھنا شروع کرے۔ لیکن اگر کفارے کے روزے رکھتے رکھتے بچہ پیدا ہوا اور نفاس آنے لگا تو پہلے رکھے ہوئے روزے نوافل بن جائیں گے۔ کفارے کے روزے پھر از سر نو رکھے کیونکہ نفاس سے سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی حدیث سے قیاس کیا گیا کہ قصداً بغیر عذر شرعی کچھ کھا لینے اور پی لینے سے بھی وہی کفارہ آئے گا۔

اگر کفارہ ادا نہ کر سکے

اگر کسی شخص میں نہ تو غلام آزاد کرنے کی طاقت ہو اور نہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت ہو اور نہ واقعی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکے تو اس وقت تک اس کو ڈھیل دی جائے گی کہ وہ کفارے کو ادا کرنے کے قابل ہو جائے لیکن اگر ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکا تو استغفار کرنا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دامن میں ڈھانپ لے۔

اگر کئی روزے بغیر عذر توڑے ہوں تو کفارہ کیا ہو گا

اگر کسی شخص نے ایک ہی رمضان کے کئی روزے توڑ دیئے تو سب کا ایک ہی کفارہ ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک رمضان کے روزہ توڑنے کا کفارہ ادا نہ کیا تھا کہ دوسرے رمضان کا روزہ توڑ ڈالا تو اس صورت میں بھی ایک ہی کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ جیسا کہ درمختار میں

کن کن روزوں میں تسلسل ہے اور کن میں نہیں

روزوں کے مسائل کی تحقیق کرنے سے ہوتا ہے کہ بعض روزے ایسے ہیں

کہ ان کو مسلسل اور لگاتار رکھنا پڑتا ہے اور بعض کا پے در پے اور سلسلہ وار رکھنا ضروری نہیں۔ وہ روزے جن کا مسلسل رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

مسلسل (۱) رمضان کے روزے۔ (۲) کفارۂ ظہار کے (۳) کفارۂ قتل کے (۴) کفارۂ قسم کے (۵) رمضان کے کسی روزے کو قصداً بغیر عذر شرعی توڑ دینے کے کفارے کے روزے (۶) نذر معین کے (۷) اور اعتکاف واجب کے۔ گویا اس قسم کے روزے جو مسلسل رکھنے پڑتے ہیں سات ہیں۔

غیر مسلسل جن روزوں کو توڑ توڑ کر غیر مسلسل رکھنے کی اجازت ہے وہ بھی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نفلی روزے (۲) قضائے رمضان کے روزے (۳) حالت احرام میں سر منڈوانے یا بال کتروانے کے فدیے کے روزے۔ (۴) حالت احرام میں شکار کرنے کے کفارے کے روزے۔ (۵) نذر مطلق کے روزے۔

جن صورتوں میں صرف قضا ہے اور کفارہ نہیں

جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی صرف قضا آتی ہے۔ اور کفارہ نہیں آتا اس کے لئے بھی ایک اصول ہے جو فقہا نے قائم کیا ہے۔

قضائے روزہ کا اصول روزے کی صرف قضا میں قاعدہ اور ضابطہ کلیہ یہ

ہے کہ وہ چیز جس میں غذائیت نہ ہو ایسی چیز کو پیٹ یا دماغ میں پہنچانے سے روزے کی قضا آئے گی کفارہ نہیں۔ اسی طرح اگر کسی چیز میں غذائیت تو ہو لیکن روزہ افطار کرنے کا شرعی عذر پیدا ہو جائے مثلاً روزہ دار سخت بیمار ہو جائے یا شرعی سفر کے لئے روانہ ہو جائے اور روزہ افطار کرے تو ان صورتوں میں بھی روزے کی صرف قضا آئے گی۔ کفارہ نہیں۔

توضیح غذائیت غذائیت سے مراد وہ چیز ہے جس کو کھائے جانے کی عادت ہو اور جو اپنے اپنے طرز میں کسی نہ کسی شکل میں کھائی جاتی ہو۔ مثلاً گندھا ہوا آٹا، کچے چاول ایسی چیزیں نہیں کہ ان کو کھایا جاتا ہو۔ اس کے برعکس چاولوں کو پکا کر کھانا اور گندھے ہوئے آٹے کی روٹی پکا کر کھانا غذائیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ لہٰذا اگر کوئی شخص کپڑا، کاغذ، روئی، لوہا، کنکر، پتھر، تانبا، سونا، چاندی نگل جائے اور اس کو اپنا روزہ بھی یاد ہو تو ان صورتوں میں روزہ تو ٹوٹ جائے گا لیکن قضا آئے گی کفارہ نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں غذائیت میں شامل نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اور جس نے کنکری یا لوہا نگل لیا تو روزہ جاتا رہا لیکن اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔	ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارة علیه (ہدایہ صفحہ ۲۰۲ ج ۱)

ہاں اگر کوئی ایسی چیز جو غذائیت تو نہیں رکھتی البتہ وہ دوا کا کام دیتی ہے یا غذا کا تو پھر اس کے جان کر کھانے سے کفارہ بھی آئے گا جیسا کہ پہلے گذرا۔

مسئلہ اگر کسی نے بھولے سے کچھ کھا لیا اور یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا پھر

جان کر بالقصد کچھ کھا لیا تو صرف اس دن کی قضا آئے گی کفارہ نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔

لو اکل وشرب او جامع ناسیا	اگر کسی نے بھول کر کھا پی لیا یا جماع کر لیا
وظن عن ذالک فطرہ فاکل	اور اس سے روزے کا ٹوٹ جانا سمجھ لیا
متعمدا لا کفارۃ علیہ	اور پھر جان کر کھا لیا تو اس پر کفارہ نہیں
(عالمگیری صفحہ ۱۳۲ ج۱)	(عالمگیری)

لیکن اگر یہ جانتا ہے کہ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور پھر جان کر کچھ کھا لیا تو قضا اور کفارہ دونوں آئیں گے۔

مسئلہ یہ جان کر کہ ابھی صبح نہیں ہوئی سحری کھائی پھر بعد میں صبح ہونا معلوم ہوا یا ابر میں روزہ افطار کیا اور سمجھا تھا کہ سورج چھپ گیا ہے پھر سورج نمودار ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں قضا آئے گی کفارہ نہیں۔ البتہ روزہ داروں کی طرح کھانے پینے کی اجازت نہیں۔

مسئلہ اگر کسی نے رمضان میں روزے کی نیت ہی نہیں کی اور پھر کھاتا پیتا رہا تو اس پر اس روز قضا آئے گی کفارہ نہیں۔

مسئلہ اگر کسی نے روزے میں ناس سونگھی کہ دماغ تک چلی گئی یا کان اور ناک میں دوا ڈالی یا کان میں تیل ڈالا یا جلاب میں عمل لیا اور پینے کی دوا استعمال نہیں کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ قضا آئے گی کفارہ نہیں اور اگر کان میں پانی ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہدایہ میں ہے:۔

ومن احتقن او استعط او اقطر	جس نے حقنہ کرایا یا ناک میں یا کان میں

فی اذنیه افطره ولا کفارة علیه ولو اقطر فی اذنیه الماء او دخلهما لا یفسد صومه (ہدایہ صفحہ ۲۰۲ ج ۱)

تیل ڈالا تو روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں اگر کانوں میں پانی ڈالا یا خود داخل ہو گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

مسئلہ دانتوں میں گوشت یا روٹی کا ریزہ اٹکا ہوا تھا اس کو نکال کر نگل لیا پس اگر وہ چنے سے کم تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر چنے کے برابر یا چنے سے بڑا ہوگا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اگر منہ سے باہر نکال کر پھر کھایا تو وہ خواہ تل کے برابر ہی کیوں نہ ہو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن کفارہ دونوں میں نہ آئے گا۔

ولو اکل ما بین اسنانه ان کان مثل حمصة فاکثر قضی فقط و فی اقل منها لا یفطر الا اذا اخرجه من فمه فاکله ولا کفارة (شرح تنویر صفحہ ۱۷۹ ج ۲)

اگر دانتوں میں پھنسی ہوئی چنے کے برابر یا زیادہ چیز کھا گیا تو روزہ قضا کرنا ہوگا اور چنے سے کم پر روزہ نہ ٹوٹے گا۔ ہاں اگر اس کو منہ سے نکال لیا اور پھر کھایا تو روزہ بہر حال ٹوٹ جائے گا ہاں کفارہ نہ ہوگا۔

مسئلہ منہ میں پانی رکھ کر سو گیا اور صبح کو آنکھ کھلی تو روزہ قضا کرنا ہوگا۔ ہاں کفارہ نہ آئے گا اسی طرح کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ رکھنا یاد تھا تو روزہ جاتا رہا قضا کرنا پڑے گا البتہ کفارہ نہیں۔

وان افطر خطأ کان تمضمض فسبقه الماء او شرب نائما قضی فقط (شامی صفحہ ۱۶۲ ج ۲)

اگر غلطی سے روزے میں کھا لیا یا غرارہ کر رہا تھا کہ پانی چلا گیا یا سوتے میں پانی پی لیا تو قضا آئے گی صرف۔

مسئلہ اگر خود بخود قے ہوئی خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ تو روزہ نہیں جاتا۔ ہاں اگر

جان کر کی اور منہ بھر کر کی تو روزہ جاتا رہا۔ اور اگر منہ بھر کر نہیں ہوئی بلکہ تھوڑی سی ہوئی تو خود تھوڑی سی قے کے کرنے سے بھی روزہ نہیں جاتا۔ (عالمگیری صفحہ ۲۰۴ ج ۱)

مسئلہ اگر تھوڑی سی قے آئی اور منہ کے اندر ہی اندر حلق میں واپس لوٹا دی تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ کفارہ نہیں آئے گا۔ اور اگر منہ بھر کر جان کر قے کی اور خود حلق میں لوٹائی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (درمختار)

مسئلہ اگر دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نگل لیا پس اگر خون تھوک سے زیادہ ہے کہ اس کا ذائقہ حلق میں معلوم ہوتا ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا آئے گی اور اگر حلق میں خون کا ذائقہ محسوس نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر خون تھوک کے برابر ہو تو بھی روزہ فاسد ہو جائے گا، عالمگیری میں ہے :-

الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقه ان كانت الغلبة للبزاق لا يضره وان كانت الغلبة للدم يفسد صومه وان كان سواء فسد ايضاً (فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۳۱ ج ۱)	خون اگر دانتوں سے نکلا اور حلق میں چلا گیا پس اگر تھوک کا غلبہ ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر خون کا غلبہ ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر برابر ہو تو بھی فاسد ہو جائے گا۔

مسئلہ اگر کسی نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا جلق (ہاتھ سے منی نکالنے) کا مرتکب ہوا اور منی نکل پڑی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ دوبارہ روزہ رکھنا پڑے گا۔ درمختار میں ہے :-

قبل اولمس او استمنى بكفه فانزل	اگر بوسہ لیا یا بیوی کو چھوا یا ہاتھ سے حرکت

قضیٰ فی الصور کلہا فقط (در مختار صفحہ ۱۵۰)	کی کہ انزال ہو گیا تو سب میں صرف قضا آئے گی۔

مسئلہ اگر پاخانے کے مقام میں کسی نے کوئی تر چیز داخل کی کہ حقنہ کی جگہ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی صرف قضا آئے گی کفارہ نہیں۔ اسی طرح اگر خشک چیز پاخانے کے مقام میں داخل کی اور وہ اندر غائب ہو گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن اگر کچھ حصہ باہر رہا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

غرض یہ کہ اگر کوئی چیز حقنہ کی جگہ پہنچ جائے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ کفارہ واجب نہ ہوگا صرف قضا آئے گی۔

مسئلہ اگر لوبان یا اور کسی چیز کی دھونی سلگائی اور اس کو پاس رکھ کر سونگھا گیا تو روزہ جاتا رہے گا۔ لیکن کیوڑہ، گلاب، پھول اور دیگر عطروں کے سونگھنے سے کہ ان میں دھوئیں کی سی صورت نہیں ہے روزے میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

مسئلہ کسی عورت پر نظر پڑ گئی اور غلبۂ شہوت کے باعث بے اختیاری میں منی نکل گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

جن صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا

مسئلہ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہ بہت ممکن ہے کہ انسان کو روزہ یاد نہ رہے اور بھولے سے کھا پی لے یا جماع کر لے۔ البتہ

جو شخص کھانا کھا رہا ہے اگر وہ کمزور ہے تو یاد نہ دلائے اور اگر طاقت ور ہے تو دوسرے دیکھنے والے کو روزہ یاد دلانا واجب ہے۔ (عالمگیری ص ۱۴۳ ج ۱) مسئلہ روزے میں تیل لگانا، سرمہ لگانا، خوشبو سونگھنا جائز ہے۔ اگر سرمے کا رنگ تھوک یا ناک کی رینٹھ میں بھی آجائے تو روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی نہ کوئی کراہت ہی آتی ہے۔

مسئلہ اگر ناک میں آپ ہی آپ دھواں یا گرد و غبار یا چکی پیسنے میں آٹا چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر حلق میں مکھی یا مچھر وغیرہ گھس گیا ہو تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مسئلہ منہ کے اندر تھوک نگلنے یا ناک کو زور سے اوپر کھینچنے سے کہ ناک کی رینٹھ حلق میں چلی جائے روزہ نہ ٹوٹتا ہے اور نہ مکروہ ہوتا ہے۔

مسئلہ اگر خود بخود قے ہوگئی اور حلق میں بے اختیار لوٹ گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ البتہ خود لوٹانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مسئلہ مرچیں یا تمباکو کوٹنے کے باعث اگر ناک میں دھسک چڑھ جائے تو روزہ نہیں جاتا۔ البتہ قصداً دھواں یا غبار داخل کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مسئلہ آنکھ یا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مثانے میں دوا پہنچانا اگر کسی نے اپنی جائے پیشاب میں تیل یا دوا ٹپکائی یا سلائی ڈالی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ خواہ دوا مثانے تک پہنچ جائے۔

احتلام یا عورت کو دیکھ کر انزال ہونا خواب میں انزال ہو جانے اور منی خارج ہو جانے یا عورت کو دیکھ کر شہوت سے بے اختیاری میں منی نکل جانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسواک یا برش مسواک کرنے سے خواہ کسی قسم کی تر یا خشک ہو روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ خالی برش دانتوں پر پھیرنے سے بھی روزہ

خراب نہیں ہوتا۔ برش کیساتھ اور کوئی چیز لگا کر برش کرنے سے روزہ مکروہ ہوگا۔ لیکن حلق میں اتر چلے جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزے میں انجیکشن

انجیکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ انجیکشن کے ذریعے جو دوا جسم میں سرایت کرتی ہے وہ پیٹ میں نہیں پہنچتی اور نہ دماغ کے جوف میں پہنچتی ہے اور روزے کو وہ چیز فاسد کرتی ہے جو دماغ یا پیٹ کے جوف تک پہنچے۔ لہٰذا مسامات کے ذریعہ جسم میں سرایت کرنیوالی چیز سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ مولانا تھانوی کا حسب ذیل فتویٰ پیش نظر رکھئے۔

> ڈاکٹروں کے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجیکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کیساتھ شرائین یا اوردہ میں اسکا سریان ہوتا ہے، جوف، دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین و اوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ فقہا کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ فقہا نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے کیونکہ انہی دو قسموں کے زخموں سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے۔ ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔
>
> ۲۔ دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہا میں سے ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف

معدہ میں نہیں پہنچتی اس لئے اسکو مفطر و مفسد صوم نہیں قرار دیا۔ جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (امداد الفتاوی کتاب الصیام)

روزے کو مکروہ کرنے اور نہ کرنے والی چیزیں

بے ضرورت چکھ کر تھوک دینا زبان سے کوئی چیز چکھ کر تھوک دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ بغیر ضرورت ایسا کرنے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی کا شوہر بد مزاج ہے اور ترکاری میں نمک مرچ زیادہ ہو جانے کے باعث مارتا ہے تو ایسی صورت میں چکھ کر تھوک دینے سے روزہ مکروہ نہیں (درو شامی)

کھانے کی چیز چبا کر بچے کو دینا اپنے منہ میں کسی چیز کو چبا کر بچے کو کھلانا بھی مکروہ ہے۔ لیکن مجبوری کے عالم میں مکروہ نہیں۔ لیکن اگر چکھنے چبانے میں ذائقہ حلق میں پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

کوئلہ چبانا یا منجن دانتوں کو ملنا دانتوں میں منجن ملنے یا کوئلہ چبا کر دانت مانجھنے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر منجن یا کوئلہ حلق میں اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بیویوں سے روزے میں مباشرت وغیرہ روزے میں اپنی بیوی سے مباشرت یعنی گلے لگانا (نہ کہ جماع کرنا) بوسہ لینا یا مساس کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ جماع کا اندیشہ ہو یا انزال کا خوف ہو لیکن اگر ان امور سے اطمینان ہو تو پھر مکروہ نہیں لیکن روزے میں اس قسم کے امور سے

پرہیز اور احتیاط بہتر ہے مبادا حدود سے آگے نکل جائے چونکہ ان مسائل کی وضاحت نہایت ضروری ہے اسلئے رات دن کی ضرورت کے باعث انکی تفصیل پیش کرنا ضروری سمجھا گیا۔

منہ میں تھوک جمع کرنا روزہ دار کو یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ منہ میں تھوک جمع کرے اور نگل جائے۔

فصد اور پچھنے لگوانا روزے میں ایسی صورت اختیار کرنا جس سے کمزوری ہو جائے مثلاً فصد کھلوانا یا سینگی لگوانا مکروہ ہے لیکن اگر کمزوری نہ ہو تو مکروہ نہیں۔

روزے میں کلیاں کرنا یا ناک میں پانی دینا اگر گرمی اور خشکی کے باعث کوئی شخص روزے میں وضو کے علاوہ کلیاں کرے یا ناک میں پانی دے تو ایسا کرنے سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

ٹھنڈک کیلئے غسل گرمی کے سبب روزے میں ٹھنڈک کیلئے غسل کرنے یا کپڑا پانی میں بھگو کر جسم پر لپیٹنے سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں ہر وقت ایسا کرتے رہنا جس سے روزہ تماشہ بن جائے مناسب نہیں۔

رات کا واجب غسل اگر رات میں کسی نے بیوی سے جماع کیا اور صبح ہونے تک نہیں نہایا تو صبح ہونے پر غسل کر لینا چاہیئے۔ روزے میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

قضا فدیہ اور کفارہ

قضا کا مطلب مذکورہ بالا مسائل میں بار بار قضا کا لفظ آیا ہے اسکا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شرعی عذر کے باعث روزہ نہ رکھ سکا یا شرعی عذر کے باعث روزہ رکھکر توڑنا پڑا تو اسکے بدلے میں رمضان کے بعد اور روزہ رکھنا قضا کہلاتا ہے۔ روزے کسی

کی طرف سے قضا کرنے سے ادا نہیں ہوتے۔ بلکہ خود ہی قضا کرنے سے ادا ہوتے ہیں۔

خرابیٔ دماغ میں روزوں کی قضا

اگر کوئی شخص تمام رمضان پاگل رہا تو اس پر رمضان کے روزوں کی قضا نہیں ہے۔ البتہ اگر بعض ایام میں جنون اور دیوانگی طاری رہی اور پھر اچھا ہو گیا تو رمضان کے بقیہ روزے رکھے اور جو چند روزے دیوانگی میں نہ رکھ سکا ان کی بعد رمضان قضا کرے۔

کفارہ

رمضان کے روزے کو بغیر عذر شرعی جان کر توڑ دینے کی سزا کا نام کفارہ ہے۔ ایسے شخص کی سزا غلام آزاد کرنا۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا حیض کے سوا باقی تمام صورتوں میں اگر کفارے کے روزوں میں تسلسل ٹوٹ جائے گا تو پھر از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صبح شام دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے۔

قیمت کی ادائیگی

اگر دو وقت کے ساٹھ مسکینوں کے کھانا کھانے کی بجائے کھانے کی قیمت ادا کر دے تو بھی درست ہے۔ اور اگر قیمت کی بجائے کچا اناج دے دے تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ میری طرف سے کفارہ ادا کر دیجئے اور اس نے کھانا کھلا دیا یا قیمت ادا کر دی یا اناج دے دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی نے بغیر کہے ادا کر دیا تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔

مسئلہ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا کھلایا جائے تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر قیمت یا کچا اناج ساٹھ دن تک ایک ہی مسکین کو

دیا جاتا رہا تو بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ اگر ساٹھ دن تک لگاتار کھانا نہیں کھلایا بلکہ کچھ وقت یا دن ناغہ ہو گیا تو کوئی حرج نہیں۔ بقیہ ایّام میں کھانا پورا کیا جائے۔

مسئلہ اگر ساٹھ دن کا حساب کرکے ایک فقیر کو ایک دن دے دیا تو پھر کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک فقیر کو ایک ہی دن میں ساٹھ مرتبہ کرکے دیا تو صرف ایک فقیر کا کھانا ادا ہوگا انسٹھ (۵۹) مسکینوں کا کھانا باقی رہ جائے گا۔ بہرحال قیمت ہو یا کھانا یا کچا اناج ایک مسکین کو ایک روزے کے بدلے سے زیادہ دینا درست نہیں۔

ایک مسکین کا کچّا اناج

اگر کسی فقیر یا مسکین کو کچّا اناج دینا ہو تو صدقۂ فطر کی برابر یعنی تقریباً دو سیر بچنے گیہوں دینے چاہئیں اگر باجرہ یا جوار دینی ہو تو گیہوں سے دگنی دی جانی چاہیئے۔

فدیہ دائمی بیماری یا بڑھاپے کی صورت میں جب روزے قضا ہو جائیں اور ان کے لئے صحت یا قوت کا موقع نہ مل سکنے کی صورت میں ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو سیر گیہوں یا اسکی قیمت دیدینے کا نام فدیہ ہے۔ اور اگر کسی مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے تو اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا۔

۱۔ اگر گیہوں کئی مسکینوں کو تھوڑے تھوڑے کرکے تقسیم کر دیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ یا ان کی قیمت تھوڑی تھوڑی مستحقین کو دے دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

۳۔ مریض یا بوڑھا اگر اچھا ہو جائے یا روزہ رکھنے کی اس میں طاقت آجائے تو روزوں کی قضا ان کے ذمے ضروری ہے۔ فدیئے کا ثواب ان کو علیحدہ مل جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی شخص مرگیا اور اس نے روزوں کے فدیئے کی وصیت کی اس کی تجہیز و تکفین اور اگر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد جو مال بچ رہا س کے تہائی حصے میں سے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ باقی مال ورثہ کا حق ہے ر متوفی نے کوئی مال نہیں چھوڑا اور اس کی اولاد نے اپنے پاس سے ادا دیا تو یہ بھی جائز ہے۔

عید رمضان اور صدقۂ فطر

صدقۂ فطر

ہلال عید آسمان پر طلوع ہوتے ہی رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہو گیا۔ اگلے روز عید الفطر کا مبارک دن آپہنچا۔ رمضان المبارک کے اہم فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے شکریئے میں نماز عید واجب کی گئی۔ یہ لمانوں کے لیئے خوشی کا اسلامی دن ہے۔ اس عید کی رات بھی نہایت مقدس بابرکت ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص عید الفطر اور عید الضحیٰ کی راتوں میں عبادت ے گا تو اس کا دل قیامت کے دن کی دہشتوں سے محفوظ رہے گا جس دن کہ قیامت کی سختیوں سے پریشان ہوں گے۔

بہرحال عید خوشی کا دن ہے۔ اپنی خوشی مناتے وقت مسلمان غریبوں اور بچوں کی خوشیوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے اور وہ لوگ جن پر زکوٰۃ واجب

ہے وہ اپنے مال سے غریبوں کو صدقۂ فطر ادا کر کے انکی خوشیوں کا سامان فراہم کر سکتے ہیں

فضیلت صدقہ

حدیث میں ہے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے - اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ایک طرف سے بلائیں آتی ہیں اور دوسری طرف سے صدقہ چلتا ہے - اور دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے تا آنکہ صدقہ بلاؤں کو پیچھے ہٹا د ہے اور دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے تا آنکہ صدقہ بلاؤں کو پیچھے ہٹا دیتا ہے اور صاحب صدقہ کی بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے -

صدقہ کس پر واجب ہے

صدقہ ہر اس مسلمان مرد عاقل و بالغ اور مسلمان عورت عاقلہ و بالغہ پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو یعنی اس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا سونے کا زیور یا سا باون تولے چاندی یا زیور یا نوٹ ہوں - یا نصاب زکوٰۃ کے مطابق اس کے پاس سونا چاندی یا روپیہ تو نہیں ہے لیکن ضرورت کے سامان سے زیادہ اتنی قیمت کا سامان ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو - تو ایسے مرد اور عورت پر عید کے دن صدقہ فطر واجب ہے خواہ وہ تجارت کا مال ہو یا نہ ہو اور خواہ سال پورا گذرا ہو یا نہ گذرا ہو اس صدقے کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے -

مسائل صدقہ

اگر کسی کے پاس دو مکان ہیں - ایک مکان ضرورت سے زیادہ ہے - کہ خالی پڑا ہے یا کرائے پر دے رکھا ہے ا اس پر گذران موقوف نہیں تو پھر اس مکان کی قیمت اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے - اگر کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہے اور وہ مقروض بھی ہے تو قرضے کو ضرورت سے زیادہ سامان کی قیمت میں

نکال کر دیکھنا چاہیئے کہ بقیہ روپیہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ اگر پہنچتا ہے تو صدقہ فطر واجب ہے ورنہ نہیں۔

صدقہ کب واجب ہوتا ہے

عید کے دن صبح صادق کے وقت جو زندہ ہے اس وقت صدقہ واجب ہوتا ہے۔ اگر کوئی پہلے مر گیا تو صدقہ واجب نہ ہوا اگر کوئی بچہ صبح صادق کے بعد پیدا ہوا تو اس پر بھی صدقہ نہیں ہے۔ صدقہ عید کی نماز سے پہلے ہی ادا کر دینا چاہیئے۔ اگر پہلے نہ ادا کر سکا تو بعد میں ادا کر دے۔ بہر حال اسکے ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔ مسئلہ ۱ اگر کوئی شخص رمضان ہی میں صدقہ ادا کر دے تو بھی ادا ہو جائیگا۔ مسئلہ ۲ اگر کسی شخص نے روزے نہیں رکھے تو صدقہ فطر اسکو بھی ادا کرنا واجب ہے۔ مسئلہ ۳۔ اگر ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدیا یا کئی فقیروں کو دیا دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کئی آدمیوں کا صدقہ ایک ہی فقیر کو دیدیا تو یہ بھی جائز ہے۔ مسئلہ ۴۔ صدقہ فطر غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔ البتہ قربانی کا گوشت اپنے حصے میں سے دے سکتا ہے۔ مسئلہ ۵۔ صدقہ فطر اپنی طرف سے اپنی بیوی اور بچوں کی طرف سے ادا کرنا اچھی بات ہے۔ اگر بیوی اور جوان اولاد مالدار ہیں تو بہتر ہے اپنا صدقہ خود ادا کریں۔

صدقہ فطر کسکو دینا چاہیئے

ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، اپنی اولاد بیٹے پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیوں کے علاوہ سب رشتہ داروں اور دوسرے غریبوں کو جن پر زکوٰۃ واجب نہیں صدقہ فطر دینا جائز ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر کی مقدار اسّی کی تول سے پونے دو سیر پختہ گیہوں اور ایک چھٹانک گیہوں ہوتی ہے۔ پورے دو سیر دینا بہتر ہے یہی مقدار جو کی ہے۔ اگر گیہوں اور جو کے علاوہ باجرہ یا کوئی چیز ہو تو اتنی دے کہ دو سیر

گیہوں یا جو کے برابر اسکی قیمت ہو۔ اگر کوئی شخص صدقہ فطر کے غلے کی قیمت ادا کرے تو
تو یہ اور بھی بہتر ہے۔

نماز عید الفطر

عید کے روز اپنے پاس جو اچھے کپڑے ہوں وہ زیب تن کرے غسل کرے خوشبو لگائے صدقہ فطر ادا کر کے نماز کے لئے روانہ ہو راستے میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد آہستہ آواز سے پڑھتا جائے۔ پیدل جائے اور دوسرے

نماز عید کا طریقہ

دو رکعت نماز واجب مع چھ تکبیروں کی نیت باندھکر پڑھے پھر تین تکبیریں امام کیساتھ پڑھے۔ بعد ازاں امام صاحب الحمد اور کوئی سورۃ پڑھکر سجدہ میں چلے جائینگے۔ اور دونوں سجدے کر کے کھڑے ہو جائینگے۔ اور الحمد اور دوسری سورۃ پڑھکر تین تکبیریں ادا کرینگے اور مقتدی صاحبان بھی ایسا کرینگے اور چوتھی تکبیر جو رکوع کیلئے ہوگی پڑھکر رکوع میں چلے جائینگے۔ سجدوں کے بعد التحیات اور درود شریف پڑھکر سلام پھیرینگے بعد ازاں دو خطبے پڑھینگے تمام مقتدی خوشی سے خطبے سنیں اور پھر دعا مانگ کر اپنے گھروں کو واپس آئیں۔ خدائے کریم ہمارے روزوں کو ہمیشہ قبول فرمائے اور میری اس ناچیز تحریر کو بھی شرف قبولیت بخشے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی محمد و اصحابہ و آلہ و ازواجہ اجمعین

محمد انوار الحسن شیرکوٹی
مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء
مطابق ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ
بروز جمعۃ المبارک سوا آٹھ بجے صبح

شکریہ میں پروفیسر عبید الدین اور ڈاکٹر بشیر احمد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اخلاقی اور فراہمی کتب کی معاونت فرمائی۔